آئینہ رضویات

حصّہ دوم



پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد



محمد عبدالستار طاہر

مطبوعہ

ادارہ تحقیقات امام احمد رضا (رجسٹرڈ) کراچی

آئینۂ رضویات

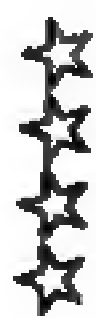
حصہ دوم

مصنف

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

مرتبہ

محمد عبدالستار طاہر



ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا (رجسٹرڈ) کراچی

کتاب ——— آئینۂ رضویات (دوم)

مصنّف ——— پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

مرتّبہ ——— محمد عبد السّتار طاہر

خوشنویس ——— محمد طارق رانا

تعداد ——— ایک ہزار

طباعت، اوّل ——— اگست ۱۹۹۳ء / صفر المظفر ۱۴۱۴ھ

ناشر ——— ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی

قیمت ——— ۱۰۰/ روپے

رابطہ

۱ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا (رجسٹرڈ)
۲۵-جاپان مینشن۔ ریگل (رضا چوک)، صدر، کراچی (۷۴۴۰۰ پاکستان)
فون نمبر ۷۷۲۵۱۵۰-۰۲۱

۲- شہزاد پبلی کیشنز، ۲/۲ گل گشت کالونی، بوسن روڈ، ملتان
فون نمبر ۵۴۳۶۶۰

۳- مکتبۂ قادریہ، جامعہ نظامیہ رضویہ، اندرون لوہاری گیٹ، لاہور

مشمولات

صفحہ نمبر

تعارف حضرت مسعودِ ملت

آئینہ رضویات

سیرت:-

تنقیدات:۔

سندات:۔

رُوداد:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اظہارِ خیال

ہر لحظہ نیا طور نئی برق تجلی
اللہ کرے مرحلۂ شوق نہ ہو طے

"آئینہ رضویات" موجودہ صدی کے عظیم عبقری، امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ کی شخصیت اور کارناموں پر لکھے جانے والے مقالات و رسائل پر مسعودِ ملت، محترم پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب دامت برکاتہم عالیہ کے تحریر کردہ "تقادیم و تقاریظ کا مجموعہ ہے۔ اِن میں سے اکثر مقدمات بجائے خود تحقیقی مقالہ کا درجہ رکھتے ہیں۔

اس سے قبل ادارہ تحقیقاتِ امام احمد رضا (کراچی) نے ۱۴۱۰ھ/۱۹۸۹ء میں امام احمد رضا کانفرنس کے موقع پر "آئینہ رضویات" کے نام سے مسعودِ ملت کی تقادیم کا ایک مجموعہ شائع کیا تھا، جس میں مختلف موضوعات پر بائیس مقدمات و تقاریظ شامل تھیں۔ اس کی ترتیب و تدوین میں محبی پروفیسر مجید اللہ قادری صاحب زیدمجدہٗ معتمد ادارہ کی بیش بہا کاوشیں شامل تھیں اور راقم کے بھی مشوروں کو پذیرائی حاصل تھی۔

ابتداء میں ارادہ تھا اس مجموعہ کو تاریخی تسلسل کے اعتبار سے مرتب کیا جائے لیکن بعد میں یہ مناسب سمجھا گیا کہ موضوعات کی ترتیب زیادہ بہتر رہے گی، اس لئے کہ اس طرح امام احمد رضا محدث بریلوی قدس اللہ سرہٗ العزیز کی عبقری شخصیت

کے خدوخال، ان کی علمی وجاہت اور بلند قامتی کا مطالعہ قارئینِ کرام کے لئے زیادہ آسان ہو جائیگا۔ لیکن پہلے مجموعہ کی اشاعت کے وقت ہمارے ذہن میں یہ خیال نہیں تھا کہ اس کے مزید حصّے شائع کئے جائیں گے۔ محب و محترم فاضل نوجوان مولانا محمد عبدالستار طاہر مظہری صاحب زید مجدہٗ نے امام احمد رضا انٹرنیشنل کانفرنس (۱۹۹۱ء) منعقدہ لاہور میں ہمیں یہ راہ دکھائی کہ آپ "آئینہ رضویات" کی کرنوں اور اس کی "جلوہ سامانیوں کو محض ایک جلد میں محفوظ و مقید نہیں کر سکتے اس لئے کہ یہ جلوہ "عشقِ رسول" کی جھلک ہے، جس پر "ورفعنا لك ذكرك" کا سایہ ہے اور جس کے متعلق اعلیٰحضرت فرماتے ہیں" اور فزوں کرے خدا" اور ادھر "مسعودِ ملّت" فیض درجت کا یہ عالم کہ اُن کی زبان و قلم پر اُس عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کچھ ایسا فیضان ہے کہ ان کی ہر تحریر پڑھ کر دل سے یہ دُعا نکلتی ہے کہ ؎

اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ

چنانچہ یہ ذمہ داری بھی ہم نے اُنہی کے سپرد کی کہ آئینہ رضویات جلد دوم کی تدوین و ترتیب کا کام سرانجام دیں، اِن شاء اللہ ادارہ اس کو اشاعت پذیر کرے گا۔

زیرِ نظر مجموعہ "آئینہ رضویات حصّہ دوم" اسی وعدہ کی پاسداری ہے۔ اس کی کتابت، پروف ریڈنگ، تدوین و ترتیب اور تزئین و آرائش تک کے تمام مراحل کی ذاتی نگہداشت، فاضل نوجوان محبی مولانا محمد عبدالستار طاہر مظہری سلمہٗ تعالیٰ نے خود فرمائی ہے۔

مجموعہ کی ضخامت اور عنوانات کی ترتیب و انتخاب کو دیکھتے ہوئے یہ بات بلاخوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ مرتب موصوف نے اس مجموعہ کی ترتیب و پیشکش

میں نہایت جانفشانی، تندہی اور خلوص سے کام کیا ہے، نہ صرف یہ بلکہ زیرِ نظر مجموعہ کے لئے انہوں نے "افتتاحیہ" کے عنوان سے جو مضمون سپردِ قلم کیا ہے وہ اس قدر شُستہ، رواں، مضامین اور صاحبِ مضمون کی خصوصیات کا ایسا جامع تعارف ہے کہ اس افتتاحیہ کو "آئینہ رضویات"، کا آئینہ" کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ ادارہ فاضل مظہری صاحب کا شکر گزار ہی نہیں بلکہ احسان مند ہے کہ انہوں نے "رضویات" کے حوالے سے ایک تاریخی کام سرانجام دیا ہے۔ جزاہ اللہ احسن الجزاء بجاہِ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

ہمیں یقین ہے کہ وہ "آئینہ رضویات" کے اس سلسلہ کو جاری رکھیں گے اور ہر تین، چار سال کے بعد "آئینہ رضویات" کا ایک نیا حصہ مرتّب کر کے ادارہ کو اس کی اشاعت وطباعت کا موقع عنایت فرمائیں گے۔ اِن شاء اللہ! جہاں تک ماہر "رضویات"، "مسعودِ ملت"، محترم المقام پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب دامت برکاتہم عالیہ کی شخصیت کا تعلق ہے تو راقم سمجھتا ہے کہ اس بارے میں نوجوان قلمکار محترم محمد عبدالستار طاہر مظہری صاحب کا تبصرہ اس قدر جامع ہے کہ اس پر ایک حرف کے اضافے کی گنجائش محسوس نہیں ہوتی۔ چنانچہ اپنے "افتتاحیہ" میں مسعودِ ملت کی شخصیت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"آج اکنافِ عالم میں جہاں جہاں ذکرِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم ہو رہا ہے، وہاں اعلٰحضرت علیہ الرحمۃ کا نام بھی اسی نسبت سے پہچانا جا رہا ہے، بعینہٖ جہاں جہاں اعلٰحضرت علیہ الرحمۃ پر بات ہوتی ہے وہاں حضرت مسعودِ ملت کا بھی تذکرہ ہوتا ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ اعلٰحضرت علیہ الرحمۃ کا ذکر تو ہو اور حضرت مسعودِ ملت کا ذکر نہ ہو۔۔۔ جہاں پھول وہاں خوشبو۔۔۔ یہ بات ہے ساری نسبت کی"

مسعودِ ملّت کی تقریظ کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے موصوف اپنے اسی افتتاحیہ میں تحریر کرتے ہیں :-

"یوں لگتا ہے جیسے حضرت مسعودِ ملّت اور رضویات ایک دوسرے کے لیئے لازم و ملزوم ہیں ـــــ رضویت کے حوالے سے کسی نگارش کا حُسن نکھرتا ہی نہیں جب تک حضرت مسعودِ ملّت کی تقدیمُ تقریظ سے اس کی آرائش و زیبائش نہ کی جائے، اس میں وہ اپنے مطالعہ کا ماحصل پیش فرما دیتے ہیں اور پیشِ نظر مباحث میں رہ جانے والی کمی کو کما حقّہٗ پورا فرما دیتے ہیں۔"

دراصل آج کی تحریر و تقریظ اور تدقیق و تحقیق کی دُنیا میں "نسبتِ مصطفوی" کے حوالے سے یہ "سہ نسبتی" تعلق ـــــ مسعودِ ملّت ـــــ اعلحضرت ـــــ قاسمِ رحمت (صلی اللہ علیہ وسلم) ـــــ ہی معتبر ہے، جو نگارش اس سہ آتشہ نسبت سے خالی ہوگی وہ سب کچھ ہو سکتی ہے لیکن نسبتِ مصطفوی سے عاری ہوگی جب تک اس دُنیائے رنگ و بو میں "مصطفےٰ جانِ رحمت" صلی اللہ علیہ وسلم پر درود سلام پڑھا جاتا رہے گا، اس وقت تک "عبد المصطفےٰ" احمد رضا خاں کے لیئے رحمت کی دُعا مانگی جاتی رہے گی، اور جب تک اس عاشقِ مصطفےٰ ـــــ "عبد المصطفےٰ" کا نغمۂ شوق "مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام" اس کائنات میں بجتا رہے گا، اس وقت تک "عاشقِ عبد المصطفےٰ" مسعودِ ملت کا اسم گرامی بھی "وظیفۂ مسعود" کے طور سے دہرایا جاتا رہے گا۔

سچ تو یہ ہے کہ مسعودِ ملّت کا دُنیائے رضویت ہی پر نہیں بلکہ تمام دُنیائے سُنّیت، نہیں، بلکہ تمام دُنیائے اسلام پر احسان ہے، اس لیے کہ مسعودِ ملّت نے "کمالِ عبدِ مصطفےٰ"، یعنی "کمالِ اولیاء" سے لوگوں کو روشناس کرایا

جو صحیح معنوں میں اللہ رب العزت کی معرفت کا ذریعہ ہے اور جو کمالاتِ اولیاء سے بے بہرہ رہا اس نے یقیناً خدا کو بھی نہیں پہچانا۔ ؎

ہر کس کہ کمالِ اولیاء را نہ شناخت
ایں رحمتِ خاص بے بہا را نہ شناخت
پس شکر نہ گفت و حُبِّ ایشاں نہ گزید
میداں بہ یقیں کہ او خدا را نہ شناخت

ادارہ ان تمام لوگوں کا بھی ممنون ہے جنہوں نے اس کتاب کی ترتیب و تدوین، کتابت و طباعت کے ہر مرحلہ پر صاحبِ تالیف اور ادارہ کی اعانت و رہنمائی فرمائی۔ ادارہ مسعودِ ملت کے حضور نذرانۂ امتنان و تشکر پیش کرتا ہے جن کی سرپرستی اور دستگیری کے بغیر اس مجموعہ کی اشاعت ممکن ہی نہ تھی

آخر میں احقر اپنی اور ادارہ کی طرف سے ایک بار پھر محبی مولانا محمد عبدالستار طاہر مظہری صاحب کی خدمت میں اظہارِ سپاس گزاری کرتا ہے اور ان کی دین و دُنیا کی ترقی اور قلم کی جولانی کے لئے دُعا گو ہے۔ وصلی اللہ علی خیر خلقہٖ محمد و آلہٖ و بارک وسلم

مورخہ ۱۰ ذی الحجہ ۱۴۱۳ھ / ۲ جون ۱۹۹۳ء

(سید وجاہت رسول قادری)
صدرِ ادارہ

افتتاحیہ

آئینہ رضویات کی جلد اوّل ۱۴۱۰ھ/ ۱۹۸۹ء میں ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی نے شائع کی تھی۔ اس جلد کو صاحب زادہ سیّد وجاہت رسول قادری اور پروفیسر مجید اللہ قادری صاحب نے ترتیب دیا تھا۔ جبکہ جلدِ ثانی کی ترتیب الحمد للہ اس عاجز واحقر کے حصّہ میں آئی۔ للہ الحمد کہ ناچیز اس سعادت سے بہرہ مند ہوا ——

جلد اوّل میں مختلف موضوعات پر ۲۲ تقدیمات شامل تھیں جن میں حالات و افکار کے ذیل میں پانچ، شریعت و طریقت، فقاہت، ردّ بدعات و منکرات، تلامذہ و خلفا اور تعظیم و توقیر مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک ایک اور معقولات، سیاسیات و ادب کے حوالے سے دو دو اور تاثرات کے عنوانات کے تحت چھ تقدیمات تھیں —— زیرِ نظر مجموعہ میں کنز الایمان کے حوالے سے ۴، سیرت کے عنوان سے ۱۰، افتاء کے ذیل میں ۲، سخن کے باب میں ۳ اور تنقیدات کے حوالے ۳ کُل ۲۲ تقدیمات شامل ہیں —— اسطرح رضویات پر اب تک لکھی جانے والی تقدیمات کی تعداد ۴۴ تک پہنچتی ہے ——

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ پر لکھتے ہوئے حضرت مسعودِ ملت کو ۲۳ واں سال ہے۔ وہ ۱۹۷۰ء سے لکھ رہے ہیں۔ رضویات پر نگارشِ اوّل "فاضل بریلوی اور ترکِ موالات" (۱۹۷۰ء) سے "کنز الایمان کی چند جھلکیاں" (۱۹۹۲ء) کا طویل سفر اپنے جلو میں بہت سے مدّوجزر لئے ہوئے ہے۔ اعلیٰحضرت علیہ الرحمہ

پر انہوں نے مختلف جہتوں سے لکھا ہے اور مختلف پہلوؤں پر طبع آزمائی کی ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے حضرت مسعودِ ملت اور رضویات ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم ہیں ــــ رضویت کے حوالے سے کسی نگارش کا حسن نکھرتا نہیں جب تک کہ حضرت مسعودِ ملت کی تقدیم و تقریظ سے اُس کی آرائش و زیبائش نہ کی جائے۔ اس میں وہ اپنے مطالعے کا ماحصل پیش فرما دیتے ہیں اور پیشِ نظر مباحث میں رہ جانے والی کمی کو کما حقہٗ پورا فرما دیتے ہیں۔ بلاشبہ

هُمْ قَوْمٌ لَا يَشْقٰى جَلِيْسُهُمْ

یعنی یہ وہ حضرات ہیں جن کے پاس بیٹھنے والا بدبخت نہیں رہتا بلکہ اُن کی لمحہ بھر کی ہم نشینی کی برکت سے سعید اور نیک بخت بن جاتا ہے ــــ اعلیٰحضرت علیہ الرحمہ سے حضرت مسعودِ ملت کی اس نسبت کے پیشِ نظر عصرِ حاضر کے اکثر مصنفین نے اپنی اپنی مصنفات کو حضرت مسعودِ ملت کی تقدیمات سے آراستہ کرنا باعثِ اعزاز جانا ہے، کسی عرب شاعر نے کہا ہے ؎

وَلَيْسَ عَلَى اللّٰهِ بِمُسْتَنْكَرٍ
اَنْ يَّجْمَعَ الْعَالَمَ فِيْ وَاحِدٍ (ابو الفراس)

"اللہ کے لئے یہ کچھ مشکل نہیں کہ دنیا و جہاں کی خوبیاں فردِ واحد میں جمع فرما دے"

آج اکنافِ عالم میں جہاں جہاں ذکرِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہو رہا ہے، وہاں اعلیٰحضرت علیہ الرحمہ کا نام بھی اسی نسبت سے جانا پہچانا جاتا ہے، بعینہٖ جہاں جہاں اعلیٰحضرت علیہ الرحمہ پر بات ہوتی ہے، وہاں حضرت مسعودِ ملت کا بھی تذکرہ ہوتا ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ اعلیٰحضرت علیہ الرحمہ کا ذکر تو ہو اور حضرت مسعودِ ملت کا ذکر نہ ہو، جہاں پھول وہاں خوشبو ــــ یہ بات ہے ساری نسبت کی۔ نسبت ہی نے حضرت [illegible] سے کہاں پہنچایا اور نسبت

ہی نے حجرِ اسود کو آنکھ کا تارا بنایا ـــــ نسبت ایک عظیم حقیقت ہے ـــــ یہاں بھی معاملہ نسبت ہی کا ہے۔ نسبت نے وہ مقام بخشا ہے کہ حضرت مسعودِ ملّت سے تقدیم لکھوا کر اپنی نگارش کو پیش کرنا رسمِ محبت ٹھہری ـــــ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اس نسبتِ عالیہ سے بہرہ مند ہوئے!

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ اخبار الاخیار (مطبوعہ کراچی، ص ۲۸/۲۹) میں لکھتے ہیں:۔

"جب انسان اہلِ کمال کی صحبت اور عارفوں کے دیدارِ جمال سے بہرہ ور ہو جائے تو اُن بزرگوں کے حالات سے باخبر رہنا بھی باعثِ ہمت افزائی اور تاریکیوں کو ختم کرنے والا ہے ـ اُن کے حالات سے واقف ہونے سے بھی وہی اثر ہوتا ہے جو اُن کی صحبت سے، کیونکہ درحقیقت یہ بھی اُن کی صحبت میں رہنے کے مترادف ہے۔ اس لئے کہ جمال کدورتِ انسانی اور صورتِ عنصری کے حجاب سے زیادہ صاف ستھرا ہے، اگر حسنِ عقیدت ہو تو ہر چیز مشاہدہ بن جاتی ہے، اسی وجہ سے ہر زمانے میں بزرگوں کے اخلاق و عادات کو ضبطِ تحریر میں لاکر محفوظ کر لیا جاتا ہے ـــــ اس سے طمانیت اور عبرت و نصیحت کے علاوہ اور بھی بے شمار فوائد حاصل ہوتے ہیں، جن میں سب سے پہلا یہ ہے کہ اولیائے کرام کا وجود ایک ہمہ گیر رحمت اور عام نعمت ہے اور بموجب حکم خداوندی،

وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (اپنے رب کی نعمتوں کو بیان کرو)

ان بزرگوں سے محبت رکھنا اور ان کے حالات بیان کرنا در اصل اس عظیم نعمت کا شکر بجا لانا ہے۔"

ہر کس کہ کمالِ اولیاء را نہ شناخت
ایں نعمت خاص بے بہا را نہ شناخت
پس شکر نہ گفت و حبِ ایشاں نہ گزید
میداں بہ یقیں کہ او خدا را نہ شناخت

یعنی جس نے اولیائے کرام کے کمالات کو نہیں پہچانا اُس نے اس انمول خاص نعمت کی قدر و قیمت نہ جانی —— اُس نے نہ تو شکر ادا کیا اور نہ اُن کی محبت کو اپنایا، یقین رکھو اُس نے خدا کو بھی نہیں پہچانا"

اس میں شک نہیں حضرات اہل اللہ کا ذکر دلوں کو قوی کرتا ہے۔ قرآن کریم میں حضرات انبیاء علیہم السّلام کے واقعات بیان کرنے کی یہی حکمت بتائی کہ اس سے دل قوی ہوتے ہیں۔ آج امام احمد رضا کے ذکر و افکار نے مشرق و مغرب میں ملتِ اسلامیہ کو وہ قوت بخشی ہے جس کا صحیح اندازہ اہلِ بصیرت ہی کر سکتے ہیں۔ امام احمد رضا کی نسبت ایک عظیم نسبت ہے —— حضرت مسعودِ ملت اور اعلیٰحضرت علیہ الرحمہ کے مابین جو نسبت ہے اُس کا حال تو اہلِ بصیرت ہی خوب جانتے ہیں۔ البتہ اس کی توثیق جناب سیّد ریاست علی قادری صاحب علیہ الرحمہ (بانی و صدر ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کراچی) کے ایک مکتوب سے یوں ہوتی ہے:۔

" اعلیٰحضرت علیہ الرحمہ کی روحِ مقدسہ آپ سے کس قدر خوش ہے اس کا اندازہ کوئی نہیں کر سکتا۔ کاش اسی خوشی کا کروڑواں حصہ مجھے بھی مل جائے تو میرے لئے بہت ہے —— دُنیا نے حضرت پر آپ کی خدمات و احسانات کا بدلہ اگر

پوری دُنیائے رضویت بھی ادا کرنا چاہے تو ناممکن ہے۔" (مکتوب محرّرہ)
—— اور یہ وہ سچ ہے جسے اپنا تو اپنا کوئی بیگانہ بھی نہیں جھٹلا سکتا۔
حضرت مسعودِ ملّت کے دُنیائے رضویت پر ہی نہیں، تمام دُنیائے سُنّیت پر احسانات ہیں۔

جیسا کہ عرض کیا گیا آئینہ رضویات (جلد اوّل) ۱۹۸۹ء میں ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی نے شائع کی تھی، جلد ثانی بھی یہی ادارہ شائع کر رہا ہے۔ احقر ذاتی طور پر ادارے کے تمام اراکین کا تہہ دِل سے ممنون ہے۔ یہ ادارہ رضویات پر بڑی اہم خدمات انجام دے رہا ہے اور دُنیا بھر کی جامعات میں امام احمد رضا پر تحقیق کرنے والوں کی علمی اعانت کر رہا ہے۔ اِس کی تحریک میں جو بیداری پیدا ہوئی ہے وہ تاریخ میں سنہری حروف سے لکھی جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

انشاء اللہ تعالیٰ جلد اوّل کی طرح یہ جلدِ دوم بھی قارئین رضویات اور شائقینِ نگارشاتِ حضرت مسعودِ ملّت کے لئے ایک گراں قدر علمی تحفہ ثابت ہوگی —— مولیٰ تعالیٰ اپنے پیارے حبیب پاک علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے صدقے میں احقر کی ان مساعی کو قبول و منظور فرمائے اور ذریعہ نجات بنائے۔ اللّٰھُمَّ ربنا آمین بجاہ سیّد المُرسلین ورحمۃ للعالمین شفیع المذنبین و آلہ وَ اصحابہ و ازواجہ وسلّم

احقر العباد
محمد عبد الستار طاہر
E-111/A —— پیر کالونی —— والٹن لاہور کینٹ

۸ ربیع الاوّل شریف ۱۴۱۳ھ
۷ ستمبر ۱۹۹۲ء

منقبت بحضور حضرت مسعودِ ملّت

الحاج پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نقشبندی مجددی

حضرت مسعودِ ملّت ، افتخارِ سُنّیت
پیکرِ حسنِ عمل ، سرمایۂ روحانیت

شخصیت ہے آپ کی علمِ طریقت کی کتاب
آپ ہیں گویا دبستانِ شریعت کا نصاب

آپ ہیں علمِ تصوّف کے وہ بحرِ بے کراں
آپ سے ہے نقشبندی فیض کا دریا رواں

آپ کا سایہ مُریدوں پر ہے گویا سائباں سے
آپ کی محفل میں ہوتا ہے بہائے آسماں

آپ ہیں اسرارِ علم معرفت کے راز دار
آپ کے طرزِ طریقت کا شریعت پر مدار

آپ کی تلقین ہے اک جادۂ منزل نشاں
آپ کی تبلیغ اک دفترِ حُسن و بیاں

بارشِ نورانیت ہم پہ یونہی دائم رہے
آپ کی شفقت ، محبت تا ابد قائم رہے

شیخ احمد کے گلستاں کے گلِ تر آپ ہیں
کاوشِ خستہ کو غم کیا ، بندہ پرور آپ ہیں

(پروفیسر فیاض کاوش)

حضرتِ مسعود کے نام

اے کہ مسعود و مکرم قوم کے درد آشنا
بالیقیں تُو ہے شریکِ زُمرۂ لایحزنُوں

شہسوارِ عرصۂ تحقیق تیری ذات ہے
توڑ ڈالا ہے قلم نے تیرے بدعت کا فسوں

پڑ رہی ہے نت نئی دُنیاؤں پر تیری نظر
تُو ہے شاہین فضائے آسمانِ نیلگوں

تیرا نقشِ پا ہے راہِ حُریت کا سنگِ میل
تیرا اندازِ وفا ہے وجہ آرام و سکوں

ہو گئی ہے آشنائے رازِ تسلیم و رضا
عقل کو جب سے سکھائے تُو نے آدابِ جنوں

ہو فلسطیں، وادیٔ کشمیر ہو، افغاں ہو
اہلِ حق ہیں پنجۂ کفار میں صیدِ زبوں

درد بڑھتا جا رہا ہے زندگی بے چین ہے
کچھ تو ہو اے چارہ گر اب مرہمِ زخمِ دُروں

حضرتِ والا غلام مصطفٰے ہوں بے نوا
آنسوؤں میں ڈھل رہے ہیں خواب کیا لکھوں

السلام اے اہلِ سُنت کے نقیبِ بے مثال
السلام اے عاشقِ محبوبِ ربِ ذوالجلال

احقر ــــــ غلام مصطفٰے مجددی

تعارفِ مسعودِ ملّت

علّامہ محمّد حنیف خاں رضوی

پروفیسر مقصود علی

مولانا عبد النعیم عزیزی

علّامہ مفتی محمّد مکرم احمد

سپاس نامہ

علامہ محمد حنیف خاں رضوی، جامعہ نوریہ رضویہ، بریلی

یہ پُرمسرت خیز لمحات اور مبارک و مسعود دن ہمارے لئے سرمایۂ افتخار اور ہماری خوش بختی کی تابندہ علامت اور واضح نشانی ہے کہ آج ہم یہاں جامعہ نوریہ رضویہ بریلی شریف میں ایک ایسی باوقار ہستی کو استقبالیہ دینے، ہدیۂ تشکر، خراجِ عقیدت اور اپنے تاثرات و جذبات پیش کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں جس نے امام اہلسنت سیدنا اعلیحضرت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز کی عبقری شخصیت اور اُن کی علمی و دینی خدمات کو اُجاگر کرنے اور ساری دُنیا کے عوام و خواص بلکہ کالجوں اور یونیورسٹیوں تک پہنچانے میں اپنی تمام تر توانائیاں صرف کر دی ہیں۔ تقریباً ۲۲ سال سے جس نے علمی دُنیا میں امام احمد رضا کے نام کا سکّہ اپنوں اور غیروں کے قلوب و اذہان پر جما رکھا ہے۔ جن کی بدولت امام احمد رضا کا اسمِ گرامی ہند و پاک کی حدود سے نکل کر امریکہ، افریقہ، برطانیہ، سعودی عرب، ہالینڈ، مصر اور افغانستان کی یونیورسٹیوں میں پہنچ چکا ہے جہاں کثیر تعداد میں ریسرچ اسکالر، پروفیسر و ڈاکٹر امام وقت کی جلیل القدر شخصیت پر تحقیقی مقالے لکھنے میں مصروفِ عمل ہیں۔

امام احمد رضا کا ایک ایسا نادیدہ عاشق جس نے ان کا دیدار تو دُور کی بات ہے ان کے وطن شہر بریلی شریف کو بھی پہلی مرتبہ دیکھا ہے جو آج امام عشق و محبت کے نوکِ قلم سے نکلے ہوئے ہزارہا علمی، تحقیقی، ادبی اور فنی مسائل کی

اہم ضمانت و امانت بن کر رہ گیا ہے۔ جسے آج دنیا ماہر رضویات کے نام سے جانتی و پہچانتی ہے۔ جن کی تصانیف، مقالات، تالیفات، تبصرے، تقدیمات اور مکاتیب و پیغامات پڑھ کر اہلسنت کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں اور اغیار امام احمد رضا کے علم و فضل کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہتے۔ سچ ہے "الفضل ما شہدت بہ الاعداء"

میری مراد ہیں مسعود ملت، ماہر رضویات حضرت پروفیسر مسعود احمد صاحب زید مجدہم و مدظلہم کراچی پاکستان، آج وہی شخصیت ہمارے درمیان جلوہ فگن اور ضوفشاں ہے جس کے دیدار سے ہماری آنکھوں کو ٹھنڈک، جگر کو تازگی قلوب کو سرور اور اذہان کو سکون و اطمینان میسر ہے۔

ایک طرف بریلی شریف میں آستانہ رضویہ پر حاضری جہاں ان کے لئے سعادت و نیک بختی کا سرچشمہ ہے۔ وہیں دوسری جانب دیار رضا کے ایک عظیم ادارے جامعہ نوریہ رضویہ میں ان کا ورود مسعود ہمارے لئے سعادت و فیروزمندی کا اہم ذریعہ ہے۔ کیونکہ خود اُن کی ذات سرتاپا مسعود ہے اور یہ بجائے خود اسم بامسمّٰی ہیں۔ ایک جانب پر امام احمد رضا کے نادیدہ عاشق صادق ہیں تو دوسری جانب اسی عشق کی بدولت ملتِ اسلامیہ کے ہم جیسے بے شمار افراد مدتوں سے اپنے دلوں میں ان کی محبت و الفت کے چراغ جلائے ان کے دیدار کے تمنائی اور آرزومند ہیں اور کیوں نہ ہو کہ محبوب کا محب بھی محبوب ہوتا ہے جسکے دیدار سے قلب کو تسکین ہوتی ہے

امام احمد رضا قدس سرہٗ کی ذاتِ اقدس سے اُن کو کسقدر لگاؤ اور کتنا عمیق و گہرا تعلق ہے اسکا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے ۱۹۷۱ء سے لیکر اب تک ۲۲ سال کے دوران انہوں نے امام اہلسنت پر اتنا لکھا

کہ پوری ایک جماعت مل کر بھی نہ لکھ سکی۔ امام ہمام کی حیاتِ طیبہ اور انکے کارناموں کے ان گوشوں کو عیاں کر دیا جو حیزِ خفا میں تھے۔ امتدادِ زمانہ کی دبیز تہوں میں چھپ چکے تھے۔ اپنوں کی بے توجہی سے پڑدے پڑ چکے تھے اور اغیار کی چابکدستیاں بے بنیاد الزامات کے ذریعے جن کو صفحۂ ہستی سے مٹا کر ہمیشہ کے لئے دفن کر دینا چاہتی تھیں۔ خداوندِ قدوس کا ان پر یہ خاص فضل و کرم ہے کہ اس نے اس عظیم کام کے لئے خاص طور پر ان کا انتخاب فرمایا اور یہ سعادت ان کے حصّہ میں آئی۔

" ذلك فضل الله يوتيه من يشاء "

وقت کی قلت کے باعث تفصیل میں نہ جاکر آپ حضرات کے سامنے اجمالی خاکہ اس طرح پیش کر رہا ہوں کہ امام احمد رضا پر اب تک اردو زبان میں باقاعدہ ۱۷ کتابیں لکھ چکے ہیں جو سب مطبوعہ ہیں۔ انگریزی زبان میں تقریبًا ۱۰ تصانیف ہیں۔ اخبارات و رسائل میں ۵۴ سے زیادہ مضامین مختلف عناوین پر شائع ہو چکے ہیں۔ ۱۸ کتابوں پر امام احمد رضا سے متعلق تقدیمات شائع ہو چکی ہیں۔ ۴ کتابوں پر تبصرے اور ۷ کتابوں پر پیشِ لفظ لکھ چکے ہیں۔ یہ کل تعداد ایک سو ایک تک پہنچتی ہے۔ لیکن یہ تعداد آخری نہیں بلکہ اس نگار خانہ میں کچھ وہ جواہر پارے بھی ضرور ہونگے جہاں تک میری معلومات کی رسائی نہیں ہو سکی ہے۔

پھر یہ بھی ایک مسلّم حقیقت ہے کہ کتنی وہ کتابیں ہیں جو آپکی فرمائش و پیشکش پر دوسروں نے لکھی ہیں اور اب تک یہ سلسلہ جاری ہے۔ خود آپ کی وہ کتابیں جو غالبًا فی الحال زیرِ تدوین و زیرِ طبع ہیں ان میں "حیات امام احمد رضا خاں (بسیط)" ایک اہم خصوصیت کی حامل ہوگی جیسا کہ نام سے ظاہر ہے

اس کے علاوہ تعارف رضویات، گویا دلبستاں کھل گیا، سرتاج الفقہا، وغیرہ آپ کے قلمی شاہکار منصۂ شہود پر جلوہ گر ہونے والے ہیں یا ہو چکے ہیں۔

آپ کی تحریک و تشویق پر پوری دنیا میں نہ جانے کتنے ادارے ہیں جو تعارف امام احمد رضا کے لئے حرکت میں آگئے ہیں۔ کتنی یونیورسٹیاں ہیں جہاں امام کی عبقری شخصیت پر باقاعدہ ریسرچ ہو رہی ہے اور ہو چکی ہے۔ ایسے اداروں کی تعداد بھی معمولی اور کم نہیں جہاں پروفیسر اور ڈاکٹر حضرات اپنے طور پر امام کی بارگاہ میں خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے ان کی شخصیت پر مختلف حیثیات سے تحقیقی مضامین و مقالے لکھ رہے ہیں اور لکھ چکے ہیں۔

ایسے تقریباً تمام اداروں سے مسعود ملت کے گہرے روابط ہیں اور اکثر اداروں کا تعارف کراتے ہوئے خود اس موضوع پہ ایک کتاب " امام احمد رضا اور عالمی جامعات " کے نام سے مرتب کر کے شائع فرما چکے ہیں۔

یہ ہے آپ کے اجمالی تعارف کا خاکہ جس سے یہ بات اظہر من الشمس و ابین من الامس ہو جاتی ہے کہ آپ کا وجودِ مسعود ملتِ اسلامیہ کی ایک عظیم امانت ہے اور امام احمد رضا فاضل بریلوی قدس سرہٗ کی جلیل القدر، ہمہ گیر، شش جہات اور ہشت پہلو شخصیت کو اپنوں کے حصار سے نکال کر احیاء کے سامنے پیش کر دینا، دارالافتاؤں اور مدارس اسلامیہ کی چہار دیواری تک محدود نہ رکھ کر کالجوں اور یونیورسٹیوں میں اِن کے علومِ جدیدہ و قدیمہ کا لوہا منوالینا مسعودِ ملت کی بامقصد زندگی کا محبوب مشغلہ ہے

اس پس منظر میں بلاشبہ مسعودِ ملت، ماہر رضویات حضرت پروفیسر صاحب زید مجدہم کی بریلی شریف آمد نہایت معنی خیز اور خاص اہمیت کی حامل ہے۔ اگر ان کی تشریف آوری پر یہاں اپنے احساسات و جذبات کی ترجمانی اور

پر اپنے خیالات کا اظہار نہ کیا جاتا تو بڑی ناسپاسی ہوتی۔ نیز یہ ان کی کرم فرمائی و نوازش اور خلوص و محبت کی بین و واضح دلیل ہے کہ دیارِ رضا کے ایک عظیم ادارے جامعہ نوریہ رضویہ میں قدم رنجہ فرمایا اور جامعہ کے حسن انتظام کو بچشم خود ملاحظہ کیا۔ یہ ادارہ اہم مقاصد کی تکمیل اور مسلک اعلیٰحضرت کی ترویج و اشاعت میں نمایاں کردار ادا کرنے کے لئے معرض وجود میں آیا ہے جو مستقبل قریب میں انشاء المولیٰ تعالیٰ مختلف حیثیات سے قابل قدر کارنامے انجام دے گا۔ یہ اپنے اندر اس وقت بھی کچھ خصوصیات لئے ہوئے ہے جس کا مختصر خاکہ اس طرح ہے

اس کے بانی تاج الاسلام۔ جانشین مفتی اعظم حضرت علامہ شاہ مفتی محمد اختر رضا خاں صاحب قبلہ ازہری دامت برکاتہم القدسیہ ہیں۔ اس کے شیخ الحدیث و صدر المدرسین، معتمد مفتی اعظم استاذ العلماء، بقیۃ السلف، حجۃ الخلف نبیرۂ استاذ زمن حضرت علامہ شاہ تحسین رضا خاں صاحب قبلہ مدظلہم الاقدس ہیں جو یہاں اس وقت رونق بزم ہیں۔

جن کے تلامذہ کی تعداد ہزاروں تک جا پہنچی ہے اور ان میں سینکڑوں وہ ہیں جو عظیم مفکر، بے مثال مدرس، جلیل القدر مفتی، متبحر عالم اور مثالی خطیب ہیں۔ اس لئے آج بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ یہ ادارہ اپنے اندر ایک ایسی ہستی رکھتا ہے جو صدہا اداروں کو میسر نہیں —— اس کے ناظم اعلیٰ نبیرۂ اعلیٰ حضرت، خلیفۂ مفتی اعظم ہند حضرت مولانا محمد منان رضا خاں صاحب قبلہ منانی زید مجدہم ہیں جو خانوادۂ رضا کے ایک اہم فرد اور عظیم شخصیت کے مالک ہیں جنہوں نے جامعہ کے فروغ و استحکام کی ذمہ داری پورے طور پر سنبھال رکھی ہے اور مستقبل قریب میں ان کے عزائم نہایت بلند ہیں۔ اللّٰھم زد فزد "

اسٹاف میں دوسری شخصیت قابل ذکر فاضل جلیل، عالم نبیل حضرت مولانا

تطہیر احمد صاحب رضوی بریلوی زید مجدہم کی ہے جو ذی استعداد عالم اور کہنہ مشق مدرس ہونے کے ساتھ ساتھ مشہور خطیب اور شعلہ بار مقرر بھی ہیں۔ اسی طرح دوسرے اساتذہ بھی اپنی ذمہ داریوں کو نبھانے میں معروفِ عمل ہیں۔ مدرسین و ملازمین کی کل تعداد ۱۴ ہے۔

آخر میں جملہ اراکین جامعہ، اساتذہ کرام اور طلباء کی جانب سے مسعودِ ملت کی خدمت میں ہدیۂ امتنان وتشکر پیش کررہا ہوں کہ آپ نے جامعہ نوریہ رضویہ تشریف لاکر ہماری حوصلہ افزائی کی اور ہم پر کرم فرمایا۔ ساتھ ہی ہم سب آپ کو اس سعادتِ عظمیٰ پر ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہیں کہ جس عظیم شخصیت کے آپ نادیدہ عاشق ہیں اس نے عالمِ جسمانی میں اپنے آستانہ پر بُلاکر اپنے روضۂ انور کے انوار و تجلیات سے مشرف و سرفراز فرمایا۔ فالحمد للہ علی ذالک،

ربِ کریم نے اپنے محبوب کے طفیل ان کے سایہ کو ہم سب اہلسنّت وجماعت پر صحت و سلامتی کے ساتھ قائم ودائم رکھے اور ایک زمانہ تک رضویات پر مزید کام کرنے اور کرانے اور منزلِ مقصود سے ہمکنار ہونے کی توفیق رفیق عطا فرمائے۔

" ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد "

یہ سپاسنامہ جامعہ نوریہ رضویہ، بریلی شریف میں استقبالیہ کے موقع پر ۲؍ دسمبر ۱۹۹۲ء کو جامعہ نوریہ رضویہ کے شیخ الجامعہ اور دیگر اراکین کی جانب سے پیش کیا گیا۔

طاہر

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب کی شخصیت

اور علمی کام پر طائرانہ نظر

پروفیسر حافظ سید مقصود علی
پرنسپل گورنمنٹ پاکستان کالج خیرپور میرس، سندھ

کسی بھی فرد کی شخصیت و عظمت بیان کرنے کے لئے باعظمت ہونا بے حد ضروری ہے۔ ایمرسن نے کیا خوب کہا ہے "ایک عظیم آدمی کی ضرورت ہے کہ ایک عظیم تر آدمی کی تشریح کر سکے"۔ ——— احقر اپنی علمی کم مائیگی اور علمی کوتاہیوں کی بنا پر ڈاکٹر صاحب قبلہ کے بارے میں جو کچھ بھی اظہارِ خیال کرے گا وہ اِن کے بلند مقام اور عظمت کے مقابلہ میں یقیناً کم ہی ہوگا۔ یہ حقیقت اپنی جگہ ہے کہ مجھ عصیاں شعار کے تعلقات آپ سے اور آپ کے خانوادۂ مبارک سے ۱۹۴۶ء سے اب تک رہے ہیں۔ اور اس حقیر پُر تقصیر نے آپ کے محققانہ خیالات، دینی نظریات اور بلند تصورات سے وقتاً فوقتاً استفادہ کیا ہے ——— جب عظمت کی بات چل نکلی تو یہ بھی عرض کر دوں کہ مادی اسباب کی بناء پر شخصیت کو جو عظمت حاصل ہوتی ہے وہ حقیقی نہیں بلکہ عارضی ہوتی ہے۔ کیونکہ اساسِ عظمت سیرت سے خارج ہے۔ اصل اور حقیقی عظمت وہ ہے جس کی بنیاد خود انسانی سیرت میں موجود ہو۔ کامیاب وہ نہیں جس نے عیشِ فراواں کے سامان مہیا کئے۔ تاریخ کے اوراق ان عیش سامانیوں کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ بلکہ کامیاب تو صحیح معنوں میں وہ ہے جس نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کر کے اپنی شخصیت کو روشن اور اپنی سیرت

کو کندن بنالیا اور اپنے علم وعمل سے انسانی قلوب کو علم وآگہی کی روشنی سے منور کیا۔ ہمارے ممدوح قبلہ ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب مدظلہٗ العالی بھی انہی ہستیوں میں سے ایک ہستی ہیں۔ اس مختصر وقت میں موصوف کی ہمہ جہت اور ہمہ صفت شخصیت کے بارے میں سیر حاصل گفتگو کرنا ناممکن ہے۔ صرف آپ کی شخصیت اور علمی مقام تک ہی اپنی گزارشات کو محدود رکھوں گا۔

ابتدائی تعلیم :- ڈاکٹر صاحب قبلہ ایک علمی اور دینی گھرانے کے چشم وچراغ ہیں۔ آپ تقریباً ۱۹۳۰ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ والدِ ماجد کی طرف سے نسباً فاروقی اور والدہ ماجدہ کی جانب سے سید، مسلکاً حنفی اور مشرباً نقشبندی مجددی ہیں۔ آپ کے والدِ بزرگوار مفتیٔ اعظم ہند حضرت مولانا محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ ایک جلیل القدر عالم، فقید المثال فقیہہ اور صاحبِ کشف وکرامات بزرگ تھے۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب اپنے والدِ ماجد سے فیض یافتہ ہیں۔ جن کے اپنے وقت کے علماء و عرفا کے علاوہ معروف سیاسی رہنماؤں سے مخلصانہ تعلقات ہی نہ تھے بلکہ وہ اس مردِ حق کا بے حد احترام کرتے۔ اِن میں مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، قائدِ اعظم محمد علی جناح، لیاقت علی خاں اور خواجہ حسن نظامی خاص طور قابلِ ذکر ہیں۔

حضرت مفتیٔ اعظم علیہ الرحمہ جیسے برگزیدہ باپ کی نظر کیمیا اثر اور ان کے فیضانِ تربیت نے ہمارے ممدوح ڈاکٹر صاحب کو بھی گوہر یکتا بنادیا۔ آپ کی زندگی مسلسل جدوجہد، علم وعمل اور اخلاقی عظمتوں سے عبارت ہے۔ اِن کی ذات حقیقت میں یقینِ محکم، عملِ پیہم اور محبت کا عملی نمونہ ہے۔ سعادت مند فرزند نے قرآنِ حکیم کی تعلیم اور عربی وفارسی سے شناسائی ۱۹۳۵ء سے لے کر ۱۹۴۲ء تک

اپنے والد ماجد سے ہی حاصل کی ۔ ۱۹۴۱ء سے ۱۹۴۵ء تک علوم عقلیہ و نقلیہ سے فارغ ہو گئے ۔ اس کے بعد آپ پاکستان تشریف لے آئے ۔ میٹرک اور انٹر پاس کرنے کے بعد ۱۹۵۶ء میں بی اے پاس کیا ۔ اساتذہ کرام آپ کی غیر معمولی قابلیت کے ہمیشہ معترف رہے ۔ عربی و فارسی میں حضرت قبلہ مسعود صاحب نے جو قابلیت پیدا کی، وہ آپ کے آئندہ علمی کارناموں کی بنیاد بنی۔

۱۹۵۶ء میں ڈاکٹر صاحب دہلی تشریف لے گئے اور وہاں اپنے والدِ بزرگوار سے شرفِ بیعت بھی حاصل کیا ۔ اس سعادت کے بارے میں خود ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں ۔

" فی الحقیقت یہ تعلق بہارِ زندگی ہے ۔ اگر بیعت نہ ہوتا تو باوجود تحصیل علوم کے ناتمامی کا شدید احساس باقی رہتا ۔ علوم و فنون ذہن کی اصلاح تو کر سکتے ہیں مگر دل کی اصلاح ان کے بس کی بات نہیں بلکہ دماغ کی اصلاح بھی دل ہی کی روشنی میں ہوتی ہے ؎

کاروبارِ جہاں سنورتے ہیں
ہوش جب بے خودی سے ملتا ہے "

ڈگریاں حاصل کرنا کوئی خاص کمال نہیں، اصل کمال طلبِ علم کی وہ لذت ہے جو طالب علم کو ہر وقت مشغول و مسحور رکھتی ہے ۔ علم سے گوناگوں لگاؤ اور بے حد شغفت کی وجہ سے اس شیدائے علم نے بے شمار علمی کارنامے سرانجام دیئے ۱۹۵۸ء میں آپ نے ایم اے اردو کا امتحان سندھ یونیورسٹی، حیدرآباد سے دیا اور اسی میں فرسٹ کلاس پوزیشن حاصل کی ۔ اس کے بعد ۱۱ اگست ۱۹۵۸ء کو گورنمنٹ کالج، میرپور میں بحیثیت لیکچرار آپ کا تقرر ہوا ۔ منصب معلمی پر فائز ہونے کے بعد بھی آپ علمی جستجو میں اور زیادہ منہمک ہو گئے ۔ تدریسی فرائض

کی ادائیگی اور اپنے عہدے کے تقاضوں کی تکمیل کے بعد اپنا وقت خوش گپیوں میں یا غیر نصابی سرگرمیوں میں ضائع کرنے کی بجائے تحقیقاتِ علمی میں صرف کرتے۔ چنانچہ علمی سفر کو جاری رکھتے ہوئے اپنا مقالہ "اردو میں قرآنی تراجم و تفاسیر" کے عنوان سے پایۂ تکمیل کو پہنچایا۔ یہ مقالہ ٹائپ شدہ ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہے ۱۹۷۱ء میں سندھ یونیورسٹی، حیدر آباد سے اسی مقالہ پر آپ کو پی۔ ایچ۔ ڈی کی سندھ عطا کی گئی۔ اس موقع پر صدر شعبۂ اردو، سندھ یونیورسٹی حیدر آباد (سندھ) محترم جناب پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفٰے خان مدظلہٗ العالی نے اپنے اس شاگردِ رشید کو اِن تعریفی کلمات سے نوازا۔

"میری پوری مدت ملازمت میں وہ میرے سب سے بہترین شاگرد رہے ہیں۔ میں ان پر بجا طور پر فخر کر سکتا ہوں۔ اِن جیسے باوقار، باکردار اور باصلاحیت طلباء موجودہ حالات میں خال خال ہی نظر آتے ہیں ۸ فروری ۱۹۷۱ء کو انہیں پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری کا مستحق قرار دیا گیا۔ اِس وقت تک ان کے متعدد بلند پایہ تحقیقی مقالات شائع ہو چکے ہیں۔ وہ اُن محققین میں سے ہیں جن پر فضلاء اعتماد کر سکتے ہیں اور جن پر کسی یونیورسٹی کو فخر ہو سکتا ہے۔ میری دعا ہے کہ وہ زندگی میں کامیاب و بامُراد رہیں۔"

تصنیفی زندگی کا آغاز:۔ تذکرۂ مظہر مسعود میں ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:۔

"راقم کی علمی، تصنیفی زندگی کا آغاز ۱۹۵۶ء سے ہی ہوتا ہے بلکہ جب ۱۹۵۶ء سے لیوپولڈ اسد کی کتاب ——— ISLAM AT THE CROSS ROAD کے بعض ابواب کا

اردو ترجمہ کیا تھا۔ اس کے بعد یہ سلسلہ مستقل اور باقاعدگی سے جاری رہا۔"
اِن موضوعات پر بھی محترم ڈاکٹر صاحب نے تحقیقی کام کیا جن پر کسی فاضل نے
قلم نہیں اُٹھایا تھا یا لکھا تو سرسری طور پر ——— یہ علمی سرمایہ تاریخ علم و ادب
میں ایک گراں قدر سرمایہ ہے۔ وہ موضوعات اور عنوانات جن پر اس محقق
نے مقالات یا مضامین تحریر کئے ہیں۔ اِن میں سوانح، سیرت، اخلاقیات،
ادب، شخصیات، تصوف، اِقبالیات، فلسفہ، تاثرات و نفسیات، سیاست
شامل ہیں۔ اِن کی تعداد ۴۰ کے قریب ہے۔ اس کے علاوہ تصنیفات و تالیفات
کی تعداد بھی ۴۰ تک ہے ——— مندرجہ بالا مضامین و مقالات کے علاوہ ڈاکٹر
صاحب کے ۲ تحقیقی مقالے اِنسائیکلوپیڈیا آف اسلام (لاہور) شامل
کئے گئے ہیں۔ نیز کتابوں پر ڈاکٹر صاحب کے تبصرے، پیش لفظ، مقدمے تقاریظ
اور تاثرات اور پیغامات بھی شائع ہو چکے ہیں۔ یہ تمام تحریری سرمایہ اور تحقیقی
خزانہ مُلکی و غیر مُلکی مقتدر اور مشہور رسائل میں شائع ہو چکا ہے۔ اِن میں برہان
(دہلی)، الفرقان (لکھنؤ)، نوائے ادب (بمبئی) معارف (اعظم گڑھ) شامل
ہیں۔ ایک اور مقالہ "شیخ احمد سرہندی" علیہ الرحمہ، رسالہ معارف
(اعظم گڑھ) میں جون ۱۹۶۱ء سے فروری ۱۹۶۲ء تک ۹ اقساط میں شائع
ہوا۔ یہ تو وہ تفصیلات تھیں جو احقر کو اس وقت دستیاب ہو سکیں۔ ورنہ آپ
کے علمی کام کی وسعت اور تعداد اس سے کہیں زیادہ ہے

تحریر کی خوبی:۔ محترم سید انور علی صاحب ایڈووکیٹ
سپریم کورٹ آف پاکستان آپ کے طرزِ تحریر کے بارے میں اظہارِ خیال کرتے
ہوئے لکھتے ہیں:۔

"ڈاکٹر صاحب نے شہروں میں بیٹھ کر بھی لکھا ہے اور ویرانوں میں بھی۔ اِن کے عزمِ بلند کے سامنے نہ شہروں کے بلاخیز ہنگامے آڑے آئے اور نہ ویرانوں کے وحشت خیز سناٹے۔ صحرائے تھر میں کالج کی پرنسپلی کے ساتھ ساتھ وہ تحقیقی کام کر رہے ہیں ———

پروفیسر مسعود احمد صاحب محققانہ اندازِ فکر کے ساتھ غیر متعصب قلب و نظر بھی رکھتے ہیں۔ ان کی تحریر کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ حقائق کو بے لاگ پیش کرتے ہیں، نہ کسی کی دل آزاری ان کا مقصود ہوتا ہے اور نہ کسی کی تذلیل و تحقیر۔ راقم کو یہ عرض کرنے میں کوئی جھجک نہیں ہے کہ آپ کی تحریر کا نمایاں وصف بارُعب اور باوقار اندازِ بیاں ہے۔ اولیائے کرام علیہ الرحمہ اور صوفیائے عظام علیہ الرحمہ سے آپ کو بے حد عقیدت ہے۔ اس تعلق نے آپ کے اندازِ تحریر کو بھی متاثر کیا ہے۔ اِسی لئے آپ کی تحریروں میں جا بجا خواہ وہ محققانہ ہوں یا عالمانہ، ادیبانہ ہو یا ظریفانہ، تقدس کی فضا چھائی رہتی ہے۔"

شخصیت:۔ شریعتِ مطہّرہ کی پابندی ڈاکٹر صاحب کی سیرت کا نمایاں وصف ہے۔ آپ کی ظاہری شخصیت میں بھی اس کا رنگ جھلکتا ہے۔ باشرع اور باوضع انسان ہیں۔ سب سے ملتے ہیں اور سب کو ملاتے ہیں۔ جو بھی آپ سے ملتا ہے وہ آپ کی خوبیوں اور حسنِ اخلاق سے متاثر مزید نظر آتا ہے۔ خط و کتابت کے ذریعے بیرونِ ملک احباب کو بھی قریب کر لیتے ہیں۔ چنانچہ پاکستان، ہندوستان، افغانستان، سعودی عرب، لبنان، ترکی، جرمنی، فرانس، ہالینڈ

انگلینڈ، امریکہ، کینیڈا وغیرہ میں آپ کے احباب خاصی تعداد میں پائے جاتے ہیں۔
مختصر یہ کہ پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد صاحب اعلیٰ پایہ کے محقق، غیر جانبدار تنقید نگار، بلند پایہ ادیب، باکردار انسان، دیندار مسلمان اور اعلیٰ اخلاقی اقدار کی حامل وہ نابغۂ روزگار شخصیت ہیں جن پر بجا طور پر فخر کیا جا سکتا ہے ——
محترم قبلہ ڈاکٹر صاحب نے یہ مقام ربِ تعالیٰ کے فضل و عنایت، اُس کے حبیبِ مکرم کے کرم، اپنی علمی لگن، اَن تھک محنت، کردار کی پاکیزگی، حسنِ نیت، خلوصِ عمل، والدِ بزرگوار اور بزرگوں کی دعاؤں اور اُن کے روحانی فیض کی بدولت حاصل کیا ہے۔
سولہ سال مختلف کالجوں کے پرنسپل کے منصب اور ایڈیشنل سیکرٹری تعلیمات، حکومتِ سندھ کے عہدے پر فائز ہونے کے بعد قبلہ ڈاکٹر صاحب نہایت باعزت، پُروقار طریقے سے زندگی گزار کر اپنے معبود کی بارگاہ میں جذبۂ تشکر کے ساتھ ریٹائر ہو گئے ہیں۔ دورانِ ملازمت اپنے تدریسی فرائض، علمی مشاغل، انتظامی مصروفیات، افسرانہ ذمہ داری، غرض کہ زندگی کے ہر پہلو پر اطاعتِ الٰہی اور عشقِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا جذبہ ہر حال میں غالب رہا۔ اِن حالات میں اور اس ماحول میں آپ کا نعم البدل ملنا بڑا ہی مشکل ہے۔ لیکن ہم اپنے رب کی رحمت اور عنایات سے مایوس نہیں ہیں۔ طلباء اور اساتذہ آپ کی کمی کو شدت سے محسوس کر رہے ہیں۔ بس ہم یہی دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب کا سایہ ہمارے سروں پر قائم رکھے۔ علم و عمل کی جو روشنی پھیلا کر ہم سے رخصت ہو رہے ہیں۔ ہم اس سے استفادہ کر سکیں، آمین!

(حضرت مسعودِ ملت کے اعزاز میں پرنسپلز ایسوسی ایشن کی طرف سے سکھر (سندھ) میں دی گئی ایک الوداعی تقریب میں یکم مئی ۱۹۹۲ء کو پڑھا گیا۔)

مسعودِ ملّت

اور

امام احمد رضا

۱۹۹۳ء

از

مولانا عبدالنعیم عزیزی (علیگ)

(بریلی شریف)

مسعودِ ملّت

مولانا عبد النعیم عزیزی ــــ (سابق مدیر "سُنّی دُنیا"، بریلی)

مسعودِ ملّت ــــ وہ مُبارک و مسعود وجود ہے جس کے دُنیائے رضویّت میں درودِ مسعود سے تازہ بہار آگئی ــــ اور جس کا وجود ملتِ اسلامیہ یعنی جماعت اہلِ سنّت کے لئے ایک نعمتِ عظمیٰ ہے ــــ ایک روشنی ہے۔ اس مُبارک و مسعود شخصیّت نے، اس مسعودِ ملّت نے دین و ملّت کے مجدّد ــــ قوم و ملّت کے عظیم محسن ــــ زمانے کی روشنی ــــ نسلوں اور شریعت کی فصلوں کو مہکانے والے ــــ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی نور اللہ مرقدہٗ کی شخصیّت اور اُن کے دینی، تجدیدی اصلاحی، علمی، ادبی، سماجی، سیاسی اور دیگر قومی و ملّی و تقدیسی کارناموں کو اُجاگر کر کے ہند و سندھ سے لے کر تمام عالمِ اسلام اور یورپ و آسٹریلیا اور افریقہ و امریکہ کے کلّیات و جامعات اور لائبریریوں میں اس طرح پہنچا دیا کہ اس سورج کی شعاعوں کا راستہ روکنے والے تمام مخالفین و معاندین اور ابنِ عبد الوہاب کی پوری ذرّیت ماتم کناں ہے۔

مسعودِ ملّت نے سیہ بختوں کی پھیلائی ہوئی تیرگی کافور کر دی۔ عیارانِ زمانہ کی سازشوں کے جال کاٹ دیئے، چال توڑ دی اور قلم سے کلکِ رضا کی تابانی اُجاگر کر کے اپنوں کے دلوں میں اُجالا پھیلا دیا اور دشمنانِ دین کے نشیمنوں کو کلکِ رضا کی برق باری کا جلال دکھا کر خاکستر کر دیا۔ مسعودِ ملّت نے رضا کے حق و صداقت کو اُجاگر کر کے باطل کے طلسم کو توڑ دیا ــــ

مسعودِ ملت نے آنکھیں کھول دیں ـــــ امام احمد رضا پر لگائے گئے الزامات کو تار تار کر دیا ـــــ حضرتِ رضا کے گرد غلط فہمیوں کی چنی گئی دیوار کو ڈھا دیا ـــــ

آج ـــــ امام احمد رضا کے ساتھ کی گئی ناانصافیوں اور ظلم کو دنیا نے دیکھ لیا اور وہ جو کل تک مخالفینِ امام کے ہم نوا تھے، آج ان عیاروں اور ظالموں پر نفرین کر رہے ہیں اور امام احمد رضا کے لئے آفرین کے بول بولنے پر مجبور ہو گئے ہیں ـــــ

قلم مسعودِ ملت نے یارانِ باطل کے پیروؤں کو اُنہیں کے دراز زلفوں میں اس طرح اُلجھا دیا کہ صیاد خود اپنے دام میں آ گئے ـــــ

مسعودِ ملت نے امام احمد رضا کے مختلف علوم و فنون اور کارناموں پر تقریباً بیس تحقیقی کتابیں اور چالیس سے زائد مضامین و مقالات رقم فرمائے ـــــ اردو کے ساتھ ساتھ انگریزی میں بھی لکھ کر امام احمد رضا کی عبقریت، تبحرِ علمی، فقیہانہ و محققانہ شان، تجدیدی و اصلاحی آن بان سیاسی اور مومنانہ بصیرت، علمیت، ادبیت، قیادت ـــــ سبھی کچھ آشکارا کر دیا اور ثابت کر دیا ؎

ملکِ سخن کی شاہی تم کو رضا مسلّم
جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں

اور بتا دیا کہ رضا کی گلی سونی کرنے والو! ـــــ رضا کی گلی کبھی سونی نہیں ہو گی ـــــ رضا تو دھوم مچانے والا تھا ـــــ کل بھی رضا کی دھوم تھی ـــــ آج بھی رضا کی دھوم ہے اور سدا اس کی دھوم مچی رہے گی ـــــ

مسعودِ ملت ـــــ امام احمد رضا کے جمال و کمال کے جلوؤں کا نظارہ کرانے والا آئینہ ہے ـــــ

مسعودِ ملّت ——— رضا کے عشق و معرفت کے بربط کو مضرابِ قلم سے چھیڑ
کر سرمدی نغمے سنوانے والے مطرب کا نام ہے

مسعودِ ملّت ——— رضا کے علم و قلم کے گلشن کی بہاروں سے ہمکنار کرنے
والے پاسبان و باغبان کا نام ہے۔

مسعودِ ملّت ——— گلِ رضا کی نکہتوں سے دل و نظر کو عطر بیزی بخشنے والی
بادِ نسیم کا نام ہے

مسعودِ ملّت ——— مہرِ رضا کی شعاعوں کو منعکس کر کے علم و معرفت کی قوسِ
قزح کا نظارہ کرانے والے PRISM کا نام ہے ———
یعنی،

مسعودِ ملّت ——— کہتے ہیں، عصرِ حاضر کے عظیم اسکالر ——— عظیم عارف ———
قلمکار و محقق ——— پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مظہری
کو ———

امام احمد رضا

چودھویں صدی ہجری کا وہ عظیم مجدّد

——— اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی

ولادت :- ۱۰ر شوال المکرّم ۱۲۷۲ھ / ۱۴ر جون ۱۸۵۶ء

وصال :- ۲۵ر صفر المظفر ۱۳۴۰ھ / ۲۸ر اکتوبر ۱۹۲۱ء

——— جس کے نام سے باطل کل بھی لرزاں تھا اور آج بھی جس کے نام سے باطل کا جگر شق ہو جاتا ہے۔

——— جس کا نام عشقِ مصطفےٰ اور عقیدتِ اولیاء کی پہچان بن گیا ہے اور حق و باطل کے درمیان خطِ امتیاز کھینچتا ہے۔

——— جس کے شہر بریلی سے مذہبِ حق، مذہبِ اہلِ سنّت متعارف ہے،

——— جس نے نسلیں مہکا دیں ——— شریعت کی فصلیں لہلہا دیں

——— طریقت و تصوّف کے شہرستانوں میں جگمگاہٹیں بھر دیں

——— علم و دانش کی دنیا میں عظیم انقلاب برپا کر دیا۔ پچاس سے زائد نقلی اور عقلی علوم و فنون پر ایک ہزار سے زیادہ کتب و رسائل عطا کیے۔

——— جس کی ہر کتاب تحقیق کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر نظر آتا ہے اور جو ہر فن میں بذاتِ خود اپنا اُستاد دکھائی پڑتا ہے۔ تنہا اس کے یہاں علوم و فنون کے اتنے شعبے قائم ہیں کہ آج دنیا کی کسی بھی یونیورسٹی میں اتنے علوم و فنون رائج ہیں نہ اتنے شعبے قائم ہیں

○ —— کہ اب جس کے علم و دانش کا چراغ لوح و قرطاس سے گزر کر ذہن و دل کے شبستانوں میں جگمگا رہا ہے۔

○ —— جس کے قلم نے کبھی باطل کے جگر پر وہ نشتر لگایا کہ آج تک اس سے خون رِس رہا ہے۔

○ —— جس کے قلم نے برق باری اختیار کر کے باطل کے نشیمن کو خاکستر کر کے رکھ دیا۔

○ —— جس نے شہر شہر، گھر گھر، قلب و جگر اور فکر و نظر میں عشقِ مصطفےٰ کی جوت جگا دی —— مگر اس نام اور کام والے، اس مجدّد و مُصلح، امام و پیشوا اور عظیم عبقری و متبحر عالمِ دین کے لئے ہم نے کیا کیا؟ —— اس کے وصال کے نصف صدی تک تو ہم نے اس کی طرف سے ایسی غفلت برتی کہ اعدائے دین اور اس کے حاسدین اس پر تہمتوں کے انبار لگاتے رہے اور ہم سب کچھ اِس کان سے سُن کر اُس کان سے نکالتے رہے۔ اُس کے نام کو ہم نے ضرور اُچھالا مگر اپنا نام چمکانے کے لئے —— مگر اُس کے کام کو چھپائے رکھا —— ہم اس کے اشعار تو پڑھتے رہے ؎

کیوں رضاؔ آج گلی سونی ہے
اُٹھ مرے دھوم مچانے والے

؎ مُلکِ سخن کی شاہی تم کو رضاؔ مسلّم
جس سمت آگئے ہو سکّے بٹھا دیئے

لیکن —— ہم نے کوئی دھوم نہیں مچائی —— رضاؔ کے کشورِ علم کا ذکر تو کرتے رہے لیکن اس کے حدودِ اربعہ، اس کے پھیلاؤ —— رضاؔ کی فرماں روائی

عظمت کو لوگوں پر آشکارا نہ کر سکے۔ مدیر المیزان نے المیزان کے امام احمد رضا نمبر میں جس قلق کا اظہار کیا ہے اُسے سنتے چلئے:۔

"اگر ہم ان کی (امام احمد رضا) کی علمی و تحقیقی خدمات کو اُن کی ۶۵ سالہ زندگی کے حساب سے جوڑیں تو ہر ۵ گھنٹے میں امام احمد رضا ایک کتاب ہمیں دیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ایک متحرک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کا جو کام تھا۔ امام احمد رضا نے تنِ تنہا انجام دے کر اپنی جامع و ہمہ صفت شخصیت کے زندہ نقوش چھوڑے لیکن افسوس کہ اس ناقابلِ تردید حقیقت کا اعتراف کرنے والے اب تک اپنا حق ادا نہ کر سکے۔ آج ہم سنِ عیسوی کی چھترویں سال میں داخل ہو چکے ہیں اور امام احمد رضا کو پردہ فرمائے ۵۵ برس گزر گئے۔ ہمارا فرض تھا کہ ہم اپنے محبوب قائد کے علمی کارناموں سے دُنیا بالخصوص عالمِ اسلام کو متعارف کراتے، تحقیقات و تصنیفات کے جواہر پارے بکھیر دیتے۔ افسوس کہ امام احمد رضا کی بارگاہ میں ہم ۵۵ برس کے بعد ۵۵ کتابیں بھی نہ پیش کر سکے۔ اب تک جو کچھ لکھا وہ چند اوراق سے زیادہ نہیں۔ اگرچہ بعض حضرات نے جزوی کوششیں کیں لیکن وہ تحقیقی و سوانحی معیار کے مطابق نہیں۔ زندہ قوم کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ اپنے اسلاف کی خدمات اور قربانیوں کو اُجاگر کرے اور اُن کی شہرت کو چار چاند لگائے مگر اُجاگر کرنا تو بڑی بات امام احمد رضا کو اب تک صحیح انداز میں پیش بھی نہ کر سکے۔ ابن عبد الوہاب سے لے کر ابو الاعلیٰ مودودی تک جتنے قابلِ ذکر مخالفین ہیں سب کی

سوانح حیات پر بے شمار کتابیں اُن کے اپنوں نے لکھیں اور احسان مندی کا ثبوت دیا۔ یہ تلخ حقیقت تسلیم کیجئے کہ امام احمد رضا کا علمی حلقوں میں اب تک صحیح تعارف نہ کرایا جا سکا۔ جدید تعلیم یافتہ طبقہ تو امام احمد رضا کو جانتا بھی نہیں۔ امام احمد رضا کے گیت ہمارے ہر اسٹیج پر گائے جاتے ہیں لیکن یہ دعویٰ کرنا مشکل ہوگا کہ امام احمد رضا تمام یونیورسٹیوں کالجوں، دانش گاہوں اور لائبریریوں میں موجود ہیں ——" لہ

امام احمد رضا کی حیات میں اُن کی شاید دس فیصد کتابیں شائع ہوئی ہوں اور اُن کے وصال کے بعد سے اب تک یعنی ۱۹۹۳ء تک صرف ان کی دو تہائی کتب و رسائل کی فہرست مرتب ہو سکی ہے۔

جلوہ دکھانے والا آ ہی گیا

—— آخر چند قلمکار ملے۔ انہیں میں ایک ایسا بھی ملا کہ جس کا قلم ۱۴ برسوں سے چل رہا تھا، علم و ادب کے گل بوٹے کھلا رہا تھا۔ تحقیق کے جلوے دکھا رہا تھا۔ پھر کیا تھا اُسے توجہ دلائی گئی۔ جب اُس نے امام احمد رضا کے کارناموں کی دلہن کے رُخ سے پردہ اُٹھایا تو عش عش کر اُٹھا۔ ایسا جمال، ایسی نورانیت پھر تو امام احمد رضا کے نام اور کام کا ایسا عاشق ہوا —— اور اس عاشقِ رسول کے جمال و کمال کے جلوؤں کو لوگوں کے سامنے پیش کر کر کے اُنہیں بھی عاشق بناتا چلا گیا ——

آج زمانہ اُسی عاشق —— رضا کے حسن کا جلوہ دکھانے والے ——

لہ امام احمد رضا نمبر - ماہنامہ المیزان بمبئی ۱۹۷۶ء - ص ۶

ادیب و مصنّف اور محقّق و دانشور سے خوب خوب واقف ہے۔ ایسا نہیں کہ کل اس کی شخصیّت محتاجِ تعارف تھی، وہ کل بھی جانا پہچانا جاتا تھا مگر اُس کی جان پہچان اور اُس کے مان و اس کی آن و بان کا جو عالم آج ہے البتہ وہ کل نہیں تھا۔ عاشقِ رسول کے عشق نے اسے خوب خوب مہکا اور چمکا دیا۔

وہ مہکتی اور چمکتی ہوئی شخصیت ہے —— ایک ڈاکٹر، پروفیسر، دانش ور ایک اسکالر، ایک رائٹر، ایک عالمِ دین، سجادہ نشین جسے زمانہ پروفیسر ڈاکٹر محمّد مسعود احمد کے نام سے جانتا، پہچانتا اور مانتا ہے —— عالی نسب، عالی خاندان، عالی ظرف، اعلیٰ تعلیم یافتہ، اعلیٰ دماغ، اعلیٰ اخلاق، اعلیٰ کردار —— سب کچھ اعلیٰ ہی اعلیٰ —— ان کو دیکھئے تو گلابوں کی یاد آئے، اُن سے ملئے تو سحابوں کی یاد آئے —— بات کرتے ہیں تو امرت رس ٹپکاتے ہیں —— کیا حلیہ ہے!، کیا نقشہ ہے! —— اسلاف کا نمونہ!

کیا علم ہے، کیا قلم ہے! —— علم ایسا کہ ذہن و فکر سے لے کر دل کی دُنیا نور بار کر دیتے ہیں —— قلم ایسا کہ حقائق و معارف کی دنیا کی سیر کرائے، سینۂ قرطاس پر علم کے موتی لٹائے ؎

نور و نکہت وہ لکھے، حُسن کا وہ باب لکھے
وہ قلم جب بھی اُٹھے، عشق کی کتاب لکھے
(نعیم عزیزی)

پروفیسر محمّد مسعود احمد —— ایک جھلک

نام: محمّد مسعود احمد

والدِ ماجد: مفتیِ اعظم علامہ شاہ محمّد مظہر اللہ دہلوی علیہ الرحمہ، شاہی امام جامع مسجد فتح پوری دہلی

نسب : صدیقی

سن و مقامِ ولادت : ۱۹۳۰ء، دہلی (انڈیا)

تعلیم : فاضل اردو، فاضل فارسی، فاضل درسِ نظامی و علوم شرقیہ۔
ایم۔اے گولڈ میڈلسٹ، پی۔ایچ ڈی۔

خلافت : (۱) سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ ــــ والدِ گرامی مفتی اعظم شاہ محمد مظہر اللہ دہلوی علیہ الرحمہ سے بیعت و خلافت۔

(۲) سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ ــــ مفتی محمد محمود شاہ الوری علیہ الرحمہ سے خلافت و اجازت۔

(۳) سلسلۂ عالیہ قادریہ ــــ پیر زین العابدین شاہ گیلانی سے خلافت و اجازت

خُلفاء : (۱) مولانا ڈاکٹر محمد سعید احمد سجادہ نشین خانقاہ عالیہ خواجہ باقی باللہ علیہ الرحمہ ــــ دہلی

(۲) مولانا مفتی محمد مکرم احمد۔ شاہی امام و خطیب جامع مسجد فتح پوری دہلی۔

(۳) جناب جاوید اقبال مظہری ــــ کراچی۔

اولادامجاد : ۳ صاحبزادیاں ــــ ایک صاحبزادے (صاحبزادہ محمد مسرور احمد)

حج و زیارت : بمعہ اہلِ خانہ ۱۹۹۱ء

ریٹائرمنٹ : اپریل ۱۹۹۱ء

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب نے ۱۹۵۸ء سے بحیثیت لیکچرار اپنی سروس کا آغاز کیا تھا، پھر وہ پروفیسر ہوئے۔ سولہ سال تک مختلف کالجوں میں پرنسپل رہے۔ چند ماہ تک سندھ سیکرٹریٹ میں اڈیشنل سیکرٹری تعلیمات کی حیثیت

سے فرائض منصبی ادا کئے۔ اس موقع پر علامہ شمس بریلوی نے تاریخی شعر کہا:

محترمی مسعود احمد کو ہو مبارک یہ منصب والا
تم ہی تاریخ منصب نو کی شمس کہو نظامت زیبا (۱۴۱۱ھ)

ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب کالجوں اور یونیورسٹیوں کے ممتحن (EXAMINAR) بھی رہ چکے ہیں۔ متعدد سیمیناروں اور کانفرنسوں میں شرکت بھی فرمائی ہے۔ مقالے بھی پڑھے ہیں اور صدارت بھی فرمائی ہے۔

پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب نے ۱۹۵۱ء سے ہی لکھنے لکھانے اور ترجمہ نگاری کا کام شروع کر دیا تھا۔ چودہ سال تک مختلف مذہبی، علمی و ادبی موضوعات پر لکھتے رہے —— اور پھر ۱۹۷۰ء سے امام احمد رضا کی طرف متوجہ ہوئے۔

سے فرائض منصبی ادا کیے۔ اس موقع پر علامہ شمس بریلوی نے تاریخی شعر کہا:

محترمی مسعود احمد کو ہو مبارک یہ منصب والا
تم ہی تاریخ منصب نو کی شمس کہد و نظامت زیبا (۱۳۹۱ھ)

ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب کالجوں اور یونیورسٹیوں کے ممتحن (EXAMINAR) بھی رہ چکے ہیں۔ متعدد سیمیناروں اور کانفرنسوں میں شرکت بھی فرمائی ہے۔ مقالے بھی پڑھے ہیں اور صدارت بھی فرمائی ہے۔

پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب نے ۱۹۵۱ء سے ہی لکھنے لکھانے اور ترجمہ نگاری کا کام شروع کر دیا تھا۔ چودہ سال تک مختلف مذہبی، علمی و ادبی موضوعات پر لکھتے رہے —— اور پھر ۱۹۷۰ء سے امام احمد رضا کی طرف متوجہ ہوئے۔

مسعودِ ملّت اور امام احمد رضا

مسعودِ ملّت ڈاکٹر پروفیسر محمد مسعود احمد کو امام احمد رضا فاضل بریلوی پر کام کرنے اور قلم اٹھانے پر علامہ اختر شاہجہان پوری اور محمد عارف رضوی ضیائی نے ابھارا۔ امام احمد رضا پر لکھنے کے سلسلے میں ڈاکٹر صاحب خود فرماتے ہیں:۔

"مارچ ۱۹۷۰ء میں کوئٹہ کے زمانۂ قیام کے دوران (صدر مرکزی مجلسِ رضا، لاہور) کا ایک گشتی مراسلہ ملا جس میں تحریر تھا کہ اراکین مجلسِ رضا کی نگرانی میں ایک مجموعۂ مقالات بعنوان انوارِ رضا شائع ہو رہا ہے جس میں فاضل بریلوی پر مشاہیر علماء و فضلا کے مضامین شامل ہوں گے۔ اس لئے فاضل بریلوی کے کسی ایک پہلو پر مقالہ قلمبند کیا جائے۔ کچھ عرصہ پہلے جناب اختر شاہجہان پوری نے بھی ایک مقالے کی فرمائش کی تھی۔ عدیم الفرصتی کی وجہ سے راقم نے معذرت پیش کر دی مگر اختر صاحب نے مئی ۱۹۷۰ء میں پھر تقاضا فرمایا۔ چنانچہ ان دونوں حضرات کی محبت اور اخلاص اور فاضل بریلوی سے راقم کے تعلقِ خاطر نے مجبور کر دیا کہ کچھ نہ کچھ لکھا جائے۔" [1]

امام احمد رضا پر تحریری کام کے ابتداء کے بارے میں ایک اور مقام پر پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب رقمطراز ہیں

"محسنینِ اہلِ سنّت محترم حکیم محمد موسیٰ امرتسری اور علامہ محمد عبد الحکیم

---

[1] پیش لفظ فاضل بریلوی اور ترک موالات ص ۵

اختر شاہجہان پوری مظہری کی تحریک پر ۱۹۷۰ء میں راقم نے امام احمد رضا پر کام کا آغاز کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب جامعات و کلیات اور تحقیقی اداروں میں محققین اور دانشور امام احمد رضا کے علمی مقام سے واقف نہ تھے بلکہ ان اداروں میں تو امام احمد رضا کا ذکر و فکر معیوب سمجھا جاتا تھا اور خود راقم بھی حقائق سے باخبر نہ تھا۔ لیکن جب ۱۹۷۰ء میں امام احمد رضا کے حالات اور علمی خدمات پر تحقیق شروع کی تو یوں محسوس ہوا کہ راقم جیسے ایک عظیم الشان خزانے تک پہنچ گیا ہو جو نہ معلوم کب تک زیر زمین دفن کر دیا گیا تھا۔ ۱۹۷۰ء سے اب تک (۱۹۸۹ء) کو ۱۹ سال گزر چکے ہیں یہ خزانہ برابر نکلے چلا آ رہا ہے۔ اور نہ جانے کب تک نکلتا رہے گا —— اس خزانے کے علمی جواہرات جب بازارِ عالم میں جوہر شناسوں کے سامنے پیش کئے گئے تو ہر طرف سے تحسین و آفرین کی صدائیں بلند ہونے لگیں جہاں سناٹے اور ہو کا عالم تھا وہاں ایسی چہل پہل ہو گئی کہ آبادیاں رشک کرنے لگیں —— اس مہم میں پاک و ہند اور بیرونی ممالک کی بہت سی شخصیات اور اداروں نے حصہ لیا جن کی ایک طویل فہرست ہے، یہ سب اہلِ علم شکریہ کے مستحق ہیں۔" [1]

رضا پر پہلی کتاب

پروفیسر مسعود احمد صاحب نے اس طرح رضا پر پہلی کتاب "فاضل بریلوی اور ترکِ موالات" لکھی جسے مرکزی مجلسِ رضا لاہور نے ۱۹۷۱ء میں شائع کیا۔

[1] حرفِ آغاز گویا دبستاں کھل گیا۔ ص ۱

اس کے اب تک سات ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

پروفیسر موصوف کی اس پہلی کتاب کی اشاعت ہی سے لوگوں میں بوکھلاہٹ پیدا ہوگئی۔ کہنے والوں نے پروفیسر صاحب کو امام جاہلاں کا پیرو اور امام احمد رضا کو جاہلوں کا امام تک کہا (معاذ اللہ)

پروفیسر موصوف اس سلسلے میں رقمطراز ہیں :۔

"بہر حال راقم کے مقالے فاضل بریلوی اور ترک موالات کا شائع ہونا تھا کہ غیظ و غضب کی لہر دوڑ گئی۔ کیونکہ تسلیم شدہ حقائق تارِ عنکبوت کی طرح بکھرنے لگے ..... ایک یونیورسٹی کے شیخ الحدیث نے اپنی نجی محفل میں راقم سے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا !
"میں فلاں پبلشر سے کہوں گا کہ پروفیسر مسعود کی کتابیں نہ چھاپا کرے"
دوسری یونیورسٹی کے صدر شعبۂ تاریخ بھی ناراض ہو گئے اور دیرینہ دوستی بھی ختم کردی۔ راقم نے عرض کیا، " تاریخی حقائق عقائد نہیں ہوتے۔ آپ میری بات غلط ثابت کردیں، میں اپنی بات کاٹ کر آپ کی بات لکھ دوں گا۔ کوئی لڑائی جھگڑا نہیں۔ یہ تو تحقیق و ریسرچ ہے جو بات ثابت ہوگی وہی لکھی جائے گی"۔ [1]

کتاب فاضل بریلوی اور ترک موالات پروفیسر صاحب نے امام احمد رضا کی کتاب "المحجۃ المؤتمنۃ" کی روشنی میں لکھی تھی —— تحریکِ خلافت اور تحریکِ ترک موالات عہد امام احمد رضا کی دو بڑی قاتل تحریکیں تھیں جن کے پیچھے مسلمانانِ ہند اور بڑے بڑے مولوی صاحبان، قائدین و لیڈران دیوانے ہو گئے تھے اور اپنے مذہبی تشخص تک کو داؤ پر لگا دیا تھا۔ علامہ عبدالباری فرنگی محلی، مولانا محمد علی و مولانا شوکت علی

---

[1] گفتنی وناگفتنی —— ابریلویہ کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ ۔ از علامہ شرف قادری ۔ مطبوعہ لاہور ۔ ص ۱۳

جیسے صاحبانِ علم وبصیرت گاندھی کی آندھی میں بہہ رہے تھے —— ہاں ، امام احمد رضا پر اس طوفان کا کوئی اثر نہ ہوا ۔ وہ مسلمانوں اور ان کے قائدین، مولویانِ کرام کو ان قاتل تحریکوں میں شمولیت سے اور ان کے ریشمین پھندوں میں اُلجھنے اور پھنسنے سے خبردار کرتے رہے ۔ امام احمد رضا مطعون کیے گئے لیکن حق کہنا ترک نہ کیا ۔ آخر دنیا نے دیکھا سچ وہی تھا جو امام احمد رضا نے کہا تھا ۔ ہر ایک کو اپنی غلطیوں پر نادم ہونا پڑا اور امام احمد رضا کی دینی وسیاسی بصیرت کا اعتراف کرنا پڑا ۔

فاضل پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب نے کتاب " فاضل بریلوی اور ترکِ موالات " میں انہیں باتوں پر روشنی ڈالی ہے اور امام احمد رضا کی دینی و سیاسی بصیرت اور مومنانہ شان کو اُجاگر کیا ہے ۔

(۲) کتاب فاضل بریلوی اور ترکِ موالات کے بعد پروفیسر موصوف نے امام احمد رضا پر ۱۹۷۳ء میں دوسری کتاب " فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں " تصنیف فرمائی جسے مرکزی مجلسِ رضا ، لاہور نے شائع کیا ۔ یہ کتاب مبارکپور ، بھارت سے بھی شائع ہوئی ۔ اس کے اب تک کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں —— اس کتاب کے ذریعہ پہلی بار علمی حلقوں میں امام احمد رضا کا مؤثر تعارف ہوا ۔ کتاب فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں کے سلسلے میں پروفیسر موصوف خود لکھتے ہیں :۔

" پھر جب راقم کی کتاب فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں ۱۹۷۳ء میں شائع ہوئی اور امام احمد رضا کی عرب وعجم میں ہمہ گیر مقبولیت کے جلوے دکھائے گئے تو ماہر القادری نے اپنے رسالے فاران کراچی میں ایک طویل مضمون لکھ کر امام احمد رضا کے مخالفین و

معاندین کو خبردار کیا کہ اگر دانشوروں نے امام احمد رضا کی عظمت و جلالت کے جلوے دیکھ لئے تو پھر اُن کی نظروں میں کوئی نہیں سمائے گا۔

یہی کتاب جب مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ بھیجی گئی تو وہاں شعبۂ دینیات کے صدر پروفیسر ڈاکٹر محمد رضوان اللہ مرحوم نے اپنے ساتھی پروفیسر کو دکھائی۔ انہوں نے پڑھ کر بیک زبان کہا کہ اس سے قبل ہم سخت غلط فہمی میں مبتلا تھے"۔ ؎۱

(۳) ۱۹۷۵ء میں ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب نے "انسائیکلوپیڈیا آف اسلام" لاہور (چیئرمین ڈاکٹر سید عبداللہ) کے لئے ایک تحقیقی مقالہ لکھا جو امام احمد رضا کی شخصیت اور کارناموں کا ایک اجمالی جائزہ تھا۔ یہ مقالہ انسائیکلوپیڈیا کی دسویں جلد میں شائع ہوا۔ اس سے بھی اسکالروں کا حلقہ بہت متاثر ہوا۔ اسے بھی کتابی شکل دے دی گئی ہے۔

(۴) ۱۹۷۶ء میں پروفیسر موصوف نے امام احمد رضا کی شاعری پر ایک مختصر رسالہ مع تاثرات ادباء و ناقدین رقم فرمایا۔ بنام عاشقِ رسول اسے بھی مرکزی مجلسِ رضا، لاہور نے شائع کیا۔ یہ رسالہ عشق و عقیدت کا ایک ہنستا ہوا گلاب ہے

پروفیسر موصوف نے اردو اسکالروں اور زبان و ادب کے مورخین کی ناانصا[فی] اور امام احمد رضا جیسے عظیم شاعر کو قصداً فراموش کردینے کی حرکات پر احتجاج بھی کیا ہے اور اظہار تاسف بھی :-

"شعرائے اردو کے تذکرے چھوٹے موٹے شاعروں سے بھرے

؎۱ پیش لفظ۔ البریلویہ کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ۔ ص ۱۴

پڑے ہیں مگر جس کا ذکر کیا جانا چاہیئے تھا، نہ کیا گیا ——
شاعروں نے اس لئے چھوڑا کہ وہ عاشقِ صادق تھا، وہ کسی کا شاگرد نہ تھا۔ شاگرد تو غالب بھی کسی کا نہ تھا مگر وہ عاشقِ صادق نہ تھا وہ محبت سے کھیلتا تھا، اس لئے سب نے اُس کو یاد رکھا ——
ظاہر پرستوں کو شراب وکباب اور جھوٹی محبت میں بہت مزہ آتا ہے، سچی محبت میں اُن کے لئے کوئی کشش نہیں —— اور علماء نے اس لئے چھوڑا کہ وہ سچی محبت کی بات کرتا تھا۔ وہ اپنے محبوب کا فداکار اور جانثار تھا۔ غرض سب نے چھوڑا مگر اس کے رب نے اُسے نہ چھوڑا۔ اُس کے محبوب نے اُس کو نہ چھوڑا۔ ہاتھ پکڑا اور ایسا اُٹھایا کہ پاک و ہند کے گلی کوچے اس کے نغموں سے گونج اُٹھے ——
فرزانوں کی بستی میں وہ ایک دیوانہ تھا جس نے محبت کے چراغ روشن کیے۔ جس نے سُونی محفلوں کو باغ و بہار بنا دیا جس نے کشتِ ویراں کو لالہ زار کیا۔" [1]

(۵) ۱۹۷۸ء میں امام احمد رضا پر پروفیسر موصوف نے انگریزی میں ایک تحقیقی مقالہ NEGLECTED GENIUS OF THE EAST (مشرق کا فراموش کردہ عبقری) لکھا۔ کتابی شکل میں اسے مرکزی مجلسِ رضا، لاہور نے شائع کیا۔ دیگر جگہوں سے بھی یہ شائع ہوا ہے۔

(۶) ۱۹۷۸ء/۱۹۷۹ء کے درمیان امام احمد رضا کے عربی و فارسی مکاتیب پر مبنی ایک تحقیقی مقالہ بنام "تنقیدات و تعاقباتِ امام احمد رضا" رقم فرمایا۔ اس مقالے میں امام احمد رضا کے سیاسی مسلک کا جائزہ لیا گیا ہے اور دلائل و شواہد کی

---

[1] عاشقِ رسول، ص ۵، ۶، ۷

روشنی میں اُن کے عہد کے سیاسی ماحول کا تنقیدی جائزہ بھی پیش فرمایا ہے۔ ۱۹۹۰ء میں اس مقالہ کو مکتبہ نبویہ، لاہور نے شائع کر دیا ہے۔ یہ ایک ضخیم کتاب ہے۔ حضرت امام احمد رضا اور حضرت علامہ عبدالباری فرنگی محل کے درمیان جو خط و کتابت ہوئی ہے۔ تحریکات خلافت و ترکِ موالات کے زمانے میں اور جن میں امام موصوف نے حضرت فرنگی محلی کا تعاقب کیا ہے۔ تمام حالات پر بھرپور روشنی ڈالی گئی ہے۔ امام احمد رضا کی سیاسی بصیرت کا آئینہ دار ہے۔ یہ کتاب تحریکِ آزادیٔ ہند میں قابلِ قدر اضافہ ہے اور نوجوانانِ ملت کے لئے خصوصیت سے مطالعہ کے لائق ہے۔

کاش امام احمد رضا کے ہم عصر مولوی صاحبان اور لیڈرانِ قوم امام کے سیاسی نظریات کو قبول کر لیتے اور دو قومی نظریہ کا جو تصور امام موصوف نے دیا تھا اس پر اُسوقت غور و فکر کر کے سوجھ بوجھ سے کام لیتے تو آج نقشہ ہی کچھ اور ہوتا۔

(۷) ۱۹۸۱ء میں پروفیسر موصوف نے اعلیٰحضرت فاضل بریلوی کی سوانح پر ایک علمی و تحقیقی کتاب مرتب فرمائی جو حیاتِ مولانا امام احمد رضا خاں کے نام سے مکتبہ نعمانیہ، سیالکوٹ نے شائع کی۔ یہ کتاب ادارۂ تحقیقاتِ امامِ احمد رضا بمبئی سے بھی شائع ہو گئی ہے۔

(۸) پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب مدظلہٗ نے ۱۹۸۱ء میں خلیفۂ اعلیٰحضرت، حضرت علامہ مولانا بُرہان الحق جبلپوری علیہ الرحمہ کی اعلیٰحضرت کے بارے میں یادداشتوں کو مرتب کیا جو مرکزی مجلسِ رضا، لاہور سے اکرام امام احمد رضا کے نام سے شائع ہوئی۔

(۹) گناہِ بے گناہی ۱۹۸۱ء میں لکھی گئی پروفیسر صاحب کی ایک معرکۃ الآرا تحقیقی کتاب ہے۔

تحقیقی کتاب ہے

سیدّ احمد رائے بریلوی اور اُن کے دستِ راست مولوی اسمٰعیل دہلوی کو تحریکِ آزادئ ہند کے اولین مجاہدین اور ہیروؤں میں گنایا جا رہا ہے جب کہ حقیقت یہ تھی کہ انگریزوں ہی کے اشاروں پر یہ استاذ شاگرد پٹھانوں کے قتال کے لئے گئے تھے اور نام دے دیا گیا جہاد کا۔ ان کے پیروؤں کا بھی یہی حال رہا کہ برٹش گورنمنٹ کے وظیفہ خوار اور نمک حلال رہے اور جب ہندوستان انگریزوں کے چنگل سے نکل گیا تو یہ انگریزوں کے ایجنٹ مجاہد و سورما اور ملک و قوم کے وفادار بنا کر پیش کر دیئے گئے اور وہ جو عمر بھر رسولِ مقبول علیہ السّلام اور اُمتِ رسول علیہ السّلام کی ناموس کی خاطر ہر باطل سے نبرد آزمائی کرتا رہا جو غداروں کے چہرے بے نقاب کرتا رہا۔ انگریزی حکومت، انگریزی تعلیم، انگریزی کلچر سے نفرت کرتا رہا اور مسلمانوں کو نفرت دلاتا رہا۔ اُسے انگریز نواز بنا کر پیش کیا گیا اور اس طرح مردِ خدا اور غیرت مند عاشقِ مصطفٰے اور محسنِ قوم و ملت امام احمد رضا کو بدنام کرنے کی مہم چھیڑی گئی۔

فاضل پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نے امام احمد رضا کے مخالفین و معاندین کے جھوٹ کو غلط ثابت کر دیا اور گناہِ بے گناہی لکھ کر فاضل بریلوی کی انگریز دشمنی کو دلائل و شواہد کی روشنی میں ثابت کر دیا۔ اس طرح تاریخ کو غلط موڑ دینے والے عیارانِ زمانہ کو زبردست تازیانہ لگایا ـــــــ

اِس کتاب کی اشاعت کے بعد غدارانِ ملت کی ٹولی میں بھونچال آگیا ـــــــ حضرتِ رضا کی طرف سے غلط فہمی رکھنے والوں کی آنکھیں کھل گئیں۔ سچے کا بول بالا ہوا اور جھوٹوں کا منہ کالا ہوا۔

یہ کتاب مرکزی مجلسِ رضا، لاہور نے شائع کی۔ بعد میں المجمع الاسلامی،

مبارکپور (بھارت)، ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کراچی، رضا اکیڈمی لاہور، رضا انٹرنیشنل اکیڈمی، صادق آباد نے شائع کیا اور حیدرآباد سندھ سے بھی یہ کتاب شائع ہوئی۔

(۱۰) سنہ ۱۹۸۲ء میں امام احمد رضا کی پندرہ جلدوں پر مشتمل سوانحی خاکہ پیش کیا جسے ادارۂ تحقیقات احمد رضا نے دائرۂ معارفِ امام احمد رضا کے عنوان سے شائع کیا۔ یہ تفصیلی خاکہ جامعات، کلیات اور تحقیقی اداروں کے لئے مرتب کیا گیا ہے۔ اس میں حضرت فاضل بریلوی کی غیر مطبوعہ تصانیف کے نادر عکس بھی شامل ہیں۔

پروفیسر موصوف نے ایک بہت ہی اہم اور بہت ہی مشکل کام انجام دیا اور اس خاکہ کو دیکھ کر فاضل پروفیسر صاحب کی قابلیت اور امام احمد رضا سے ان کی پُرخلوص محبت اور ان کے دینی جذبے کی داد دینی پڑتی ہے۔ یہ خاکہ ثابت کرتا ہے کہ پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب حقیقتاً ماہرِ رضویات کہے جانے کے مستحق ہیں۔

اس خاکہ کے مشمولات اس طرح سے ہیں۔

پہلی جلد ــــ حالات	دوسری جلد ــــ مذہبیات
تیسری جلد ــــ فقہیات	چوتھی جلد ــــ سیاسیات
پانچویں جلد ــــ ادبیات	چھٹی جلد ــــ فلسفہ و سائنس
ساتویں جلد ــــ ادبیات و ایجادات وغیرہ	آٹھویں جلد ــــ اولاد و خلفاء و تلامذہ
نویں جلد ــــ مصنفات و مؤلفات وغیرہ	دسویں جلد ــــ مکتوبات و خطبات وغیرہ
گیارہویں جلد ــــ تاثرات	بارہویں جلد ــــ حیثیات
تیرھویں جلد ــــ تحقیقات و اثرات	چودہویں جلد ــــ شجرات و سندات وغیرہ
پندرھویں جلد ــــ نوادرات	

ہر جلد کے پھر باب بنائے گئے

پہلی سے تیسری جلد تک	ـــــــ	ہر ایک کے گیارہ باب
چوتھی جلد	ـــــــ	تیرہ باب
پانچویں جلد	ـــــــ	سات باب
چھٹی جلد	ـــــــ	چھ باب
ساتویں جلد	ـــــــ	چھ باب
آٹھویں جلد	ـــــــ	آٹھ باب
نویں، دسویں جلد	ـــــــ	ہر ایک کے نو باب
گیارہویں جلد	ـــــــ	سات باب
بارہویں جلد	ـــــــ	آٹھ باب
تیرہویں جلد	ـــــــ	نو باب
چودھویں جلد	ـــــــ	ایک باب
پندرھویں جلد	ـــــــ	چھ باب

اس سوانحی خاکہ دائرہ معارف امام احمد رضا کے حرفِ آغاز میں پروفیسر صاحب لکھتے ہیں :۔

"راقم السطور نے ۱۹۷۰ء میں امام احمد رضا (۱۸۵۶ء ـــ ۱۹۲۱ء) کے حالات و افکار کی طرف توجہ کی اور امام احمد رضا کے سیاسی افکار پر پہلی کتاب فاضل بریلوی اور ترکِ موالات پیش کی جو ۱۹۷۱ء میں مرکزی مجلسِ رضا لاہور (پاکستان) سے شائع کی، اس کے بعد اس کے پانچ ایڈیشن اور شائع ہوئے ـــ امام احمد رضا کے حالات و افکار سے متعلق دوسری کتاب فاضل بریلوی علمائے حجاز

کی نظر میں پیش کی جو ۱۹۷۳ء میں مرکزی مجلسِ رضا، لاہور نے شائع کی۔ اس کے بعد چار ایڈیشن لاہور سے شائع ہوئے اور چھٹا ایڈیشن المجمع الاسلامی، مبارکپور (بھارت) نے شائع کیا۔

اِن دونوں کتابوں کی اشاعت کے بعد پاک و ہند اور بیرونی ممالک کے دانشوروں کی طرف سے پے درپے تقاضے آنے لگے کہ امام احمد رضا کی جدید انداز پر ایک مبسوط سوانح لکھی جائے۔ راقم السطور نے اس مہم کو سر کرنے کا وعدہ کر لیا اور مواد کی فراہمی شروع کر دی جس کو اب دس برس ہوتے ہیں ——— دس برس مسلسل تلاش و جستجو کے بعد اب یہ انکشاف ہوا کہ جس کام کو اتنا آسان سمجھا تھا وہ اتنا آسان نہیں تھا --- بہر حال حیاتِ امام احمد رضا کے لئے راقم السطور نے جب خاکہ مرتب کرنا چاہا تو محسوس ہوا کہ یہ حیات ایک انسائیکلو پیڈیا کی شکل اختیار کر جائے گی۔ چنانچہ یہی ہوا اور پندرہ مجلدات کا خاکہ مرتب ہوا جو اس وقت پیش کیا جا رہا ہے --- مجوزہ ۱۵ مجلدات میں بعض مجلدات تو ایسی ہیں کہ اگر ان کو وسعت دی جائے تو ایک جلد کی کئی کئی جلدیں بن جائیں مگر سرِ دست اختصار و اجمال کو پیشِ نظر رکھا ہے۔ [1]

آگے چل کر اسی حرفِ آغاز میں اپنی اور قوم کی پست ہمتی اور تنہا فرد امام احمد رضا کی علو ہمتی، اولوالعزمی اور عبقریت و تبحر کا اس طرح ذکر کرتے ہیں:-

"آج ہماری ہمتیں اتنی پست ہیں کہ پندرہ مجلدات پر مشتمل امام احمد رضا کا سوانحی انسائیکلو پیڈیا مرتب کرنا دشوار نظر آتا ہے۔

---

[1] ص ۹/۱۱ حرفِ آغاز دائرہ معارف احمد رضا

لیکن امام احمد رضا کی ہمتِ بلند کو مرحبا کہیے کہ انہوں نے صرف فتاویٰ کی جہازی سائز کی بارہ جلدیں مرتب کر ڈالیں اور ان کے حوصلے کو حبّذا کہیے کہ پچاس سے زیادہ علوم و فنون پر ہزار سے زیادہ کتب و رسائل لکھ ڈالے۔

تحقیقی اور تاریخی نقطۂ نظر سے چودہویں صدی ہجری میں عالمِ اسلام میں امام احمد رضا کی نظیر نہیں ملتی۔ عقیدت کی بنا پر جسے چاہے بڑا کہہ دیجئے اور جس کے ساتھ چاہے مبالغہ آمیز جھوٹی سچی باتیں منسوب کر دیجئے مگر تاریخ و تحقیق میں عقیدت کا گزر نہیں، یہاں سنی سنائی باتوں پر بھروسہ نہیں کیا جاتا — یہاں دیکھا جاتا ہے، یہاں پرکھا جاتا ہے — تو جب دیکھنے اور پرکھنے کی بات آتی ہے تو وہی کھرا نظر آتا ہے اور اپنے معاصرین کا امام معلوم ہوتا ہے — — — المختصر اہلِ تحقیق متوجہ ہوں گے تو قدم قدم پر یہ عالم پائیں گے ؎

مجبور یک نظر آ، مختار صد نظر جا" [۱]

— پروفیسر مسعود احمد صاحب نے رضا پر قلم اُٹھایا تو جمود ٹوٹنے لگا اور عالم یہ ہوا کہ متعدد جگہوں پر امام احمد رضا پر تحقیق و تحریری کام کے لئے ادارے و اکیڈمیاں قائم ہونے لگیں اور لوگوں کے حوصلے بلند ہونے لگے۔ مصنف بھی اُبھرے، مصنف گر بھی اُٹھے اور منتظم و مہتمم نیز ریسرچ اسکالر بھی اُبھرے اور ہر طرف حرکت و عمل کی گہما گہمی نظر آنے لگی — بھارت میں المجمع الاسلامی مبارکپور، جامعہ اشرفیہ مبارکپور میں کام کی تیزی بڑھ گئی۔ بریلی میں ادارہ

[۱] حرفِ آغاز دائرہ معارف امام احمد رضا ص ۱۳

تصنیفاتِ رضا قائم ہوا اور اعلیٰ حضرت کی چند کتابیں شائع ہوئیں۔
پاکستان میں سنہ ۱۹۸۰ء میں سید ریاست علی قادری علیہ الرحمہ نے ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کی داغ بیل ڈال دی تھی۔ مسعود احمد صاحب نے اس داغ بیل کو اپنے قلم سے مضبوط کر دیا۔ مرکزی مجلسِ رضا، لاہور تو فعّال تھا ہی، اس کی فعالیت میں مزید تیزی آگئی۔

ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کے بانی و سرپرست حضرت سید ریاست علی قادری خلیفۂ حضور مفتیِ اعظم بریلوی (رحمۃ اللہ علیہم) نے ادارہ کی داغ بیل کے وقت سے ہی پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب کی قلمی معاونت حاصل کر لی اور ہمیشہ ان کے مشوروں پر عمل کرتے رہے۔ آج پروفیسر صاحب ادارۂ ہذا کے سرپرستوں میں ہیں

(۱۱) امام احمد رضا اور عالمِ اسلام۔ پروفیسر مسعود صاحب کی یہ کتاب بھی اپنی نوعیت کی منفرد کتاب ہے

مکّہ معظمہ، مدینہ منورہ میں ان دو مقدس شہروں کے مشاہیر علماء و مشائخ کے علاوہ دیگر بلادِ اسلامیہ کے علماء و فضلاء، مفتیانِ کرام و مشائخ عظّام نے امام احمد رضا کی جیسی پذیرائی کی، اُن کی علمی وجاہت کے آگے جس طرح عقیدت کی جبینیں خم کیں، اُن کے فتاویٰ کی تصدیق کی، اُن کی کتابوں پر تقریظات لکھیں، اُن پر تاثرات پیش کیے، ان سے خلافت و اجازت لی اور ان کو اسناد دیں ---- وغیرہ وغیرہ —— اس طرح کی عزت و تکریم عہد امام احمد رضا سے لے کر اب تک کسی بھی عالم یا کسی بھی فرد کو نصیب نہیں ہوئی —— لیکن خدا بُرا کرے تعصب اور تنگ نظری کا کہ عیارانِ زمانہ نے امام موصوف کی اس توقیر کو بھی مجروح کرنے اور چھپانے

کی پوری پوری کوشش کی لیکن سچائی کو کہاں تک اور کب تک چھپایا جا سکتا ہے اور جو عزت خدا اور اس کے رسول کی طرف سے بندۂ خدا اور عبدِ مصطفےٰ کو مل جاتی ہے اُسے ذلت میں کون تبدیل کر سکتا ہے۔

جن حقائق سے غیر تو غیر اپنوں میں بھی بیشتر ناواقف تھے اور خصوصاً جدید تعلیم یافتہ حلقہ اور دانشور طبقہ قطعاً لاعلم تھا۔ اس کتاب میں ڈاکٹر مسعود صاحب نے اِن حقائق کو حوالوں کے ساتھ پیش کیا اور غلط فہمیوں کی دیواریں ڈھا دیں۔

مسعود احمد صاحب نے عالم اسلام کے علماء کے تأثرات (امام احمد رضا پر) عربی زبان میں یکجا کیا اور سوانحی حالات کا اضافہ کر کے (اصل تأثرات کے عکس مع ترجمہ) ایک علمی و تحقیقی کتاب تیار کی۔ اس کتاب کو ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی نے شائع کیا۔

مجلّہ فکر و نظر کے لئے مقالہ اور ایک اہم واقعہ:۔

۱۹۸۰ء میں ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد کے مجلّہ فکر و نظر کے لئے پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب نے حیاتِ امام اہلِ سنت کے عنوان سے مقالہ روانہ کیا۔ مقالہ بورڈ کے سامنے پیش ہوا اور منظور ہوا اور ماہنامہ فکر و نظر کے شماروں (اپریل، مئی، جون ۱۹۸۰ء) میں شائع ہوا۔ چونکہ مقالہ نہایت وقیع اور تحقیقی تھا، اسلئے ادارے کے ڈائریکٹر ڈاکٹر عبدالواحد ہالی پوتہ نے کتابی صورت میں شائع کرنے کی ہدایت فرمائی۔ مگر یہ اشاعت مسلسل تاخیر کا شکار ہوتی رہی۔ بعد میں معلوم ہوا کہ ادارے کی مطبوعات کی طباعت و اشاعت کے ذمہ دار جمعیۃ العلماء ہند کے سیکرٹری کے صاحبزادے ہیں۔ اس لئے انہوں نے

ڈائریکٹر صاحب کی ہدایت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنا منصبی فریضہ ادا کیا
بہرحال بعد میں یہ مقالہ میں شائع ہوا۔ البتہ شرارت یہ کی کہ پہلی قسط آخر میں شائع
کی اور بقیہ دو قسطیں پہلے شائع کیں
یہ واقعہ راقم السطور عبدالنعیم عزیزی کو خود محترم پروفیسر مسعود احمد صاحب
مدظلہ العالی نے سنایا

(۱۲) یہی مقالہ بعد میں حیاتِ امامِ اہلِ سنّت کے نام سے کتابی شکل میں
لاہور، فیصل آباد، کراچی اور مبارکپور سے شائع ہوا۔

(۱۳) ۱۹۸۳ء میں امام احمد رضا کے حالات و افکار پر اُجالا قلم برداشتہ
لکھا گیا ہے۔ مگر پچاس سے زیادہ کتابوں کے حوالے اس میں موجود ہیں۔ یہ مقالہ
ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی، حیدرآباد (سندھ) اور المجمع الاسلامی،
مبارکپور (بھارت) سے شائع ہو چکا ہے۔

یہ کتاب بڑے دلکش انداز میں لکھی گئی ہے۔ اس میں ادبی اور تحقیقی دونوں رنگ
ہیں۔ انداز بیاں نیا ہے۔ امام احمد رضا کے تجدیدی، علمی، دینی، ملی، سماجی،
اصلاحی، ادبی، سائنسی کارناموں کا بڑے ہی دلنشین پیرائے میں ذکر کیا گیا ہے۔
پروفیسر صاحب قبلہ اس کتاب میں مخالفینِ امام احمد رضا کی بوکھلاہٹ
اور مورخین کے ظلم و تعصب کا نقشہ کس قدر شستہ انداز میں کھینچتے ہیں:۔

ہم دفن کر چکے تھے فلاں پروفیسر نے قبر سے نکالا ہے

(۱) "جب امام احمد رضا کا اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک چرچا
ہونے لگا اور محققین و دانشوروں کی تیرہ سالہ جدوجہد رنگ لائی۔
یہ بات احمد رضا کے مخالفین کو نہ بھائی —— وہ فکر میں پڑ گئے،

کریں تو کیا کریں؟ ایک فاضل نے یہاں تک فرمایا کہ احمد رضا کو ہم دفن کر چکے تھے فلاں[ع] پروفیسر نے قبر سے نکالا ہے۔ اب دوبارہ دفن کرنے میں نصف صدی لگے گی[۱]

(ب) "ہماری تاریخ کا یہ المیہ ہے کہ جنہوں نے دین و ملت کی بے لوث خدمت کی وہ پس منظر میں چلے گئے اور جنہوں نے اِن کے مقابلے میں معمولی خدمات انجام دیں، مبالغہ آرائی سے اِن خدمات کو رائی کا پہاڑ بنا کر دکھایا گیا —— پڑھنے والے چاہِ ظلمات میں حقائق کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے تھک گئے پتہ نہیں چلتا۔ تاریخ نگاری کا یہ عظیم المیہ ہے۔ پچھلوں نے چند شاعروں، چند نثر نگاروں، چند عالموں، چند مجاہدوں کے نام دے دیئے۔ برسوں سے وہی چلے آرہے ہیں۔ کوئی پوچھنے والا نہیں کہ ان کے علاوہ بھی کوئی ہے؟"[۲]

(۱۴) ۱۹۸۶ء میں رہبر و رہنما کے نام سے امام احمد رضا علیہ الرحمہ کی قیادت، دینی و ملّی رہنمائی پر ایک جامع مقالہ قلمبند کیا۔ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کراچی نے اسے کتابی شکل میں شائع کر دیا ہے۔ لاہور اور بمبئی سے بھی یہ چھپ چکا ہے۔

(۱۵) ۱۹۸۹ء —— ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب نے رضویات پر مختلف قلمکاروں کے مقالات و مضامین پر جو مقدمات لکھے ہیں، اُسے آئینہ رضویات کے نام سے ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی نے شائع کیا۔ یہ مقدمات صاحبزادہ وجاہت رسول قادری صاحب اور پروفیسر مجید اللہ قادری صاحب نے جمع کیئے ہیں۔

---

[۱] اُجالا ص ۸۴   [ع] پروفیسر محمد مسعود احمد

[۲] 〃 〃 ۵۱

(۱۶) ۱۹۹۰ء۔ غریبوں کے غمخوار — امام احمد رضا کے وصایا پر ایک تاثراتی تحریر ہے۔ رضا اکیڈمی لاہور اور رضا انٹرنیشنل اکیڈمی، معارفِ رضا کراچی اور ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، بمبئی، رضا لائبریری کلیان (بھارت) نے شائع کیا ہے۔

امام احمد رضا نے اپنے وصایا میں ایک وصیت یہ بھی کر رکھی تھی کہ اُن کے انتقال کے بعد:

"فاتحہ کے کھانے سے اغنیا کو کچھ نہ دیا جائے، صرف فقراء کو دیں اور وہ بھی اعزاز و خاطر داری کے ساتھ نہ کہ جھڑک کر — غرض کوئی بات سنت کے خلاف نہ ہو" ؎۱

امام احمد رضا نے غرباء کے کھانے کے لئے مندرجہ ذیل اشیاء کی وصیت فرمائی تھی:-

- دودھ کا برف خانہ ساز
- مرغ بریانی
- بکری کا شامی کباب
- پراٹھے اور بالائی
- فیرنی
- سوڈے کی بوتل
- گوشت بھری کچوری
- سیب کا پانی
- انار کا پانی
- دودھ کا برف
- اردکی پھریری دال مع ادرک ولوازم ؎۲

منکرینِ فاتحہ و نیاز، ظالمانِ زمانہ نے امام موصوف کی اس وصیت پر منہ بھر بکواسیں کیں — لیکن امام کو غریبوں کا کتنا خیال تھا — غریبوں کے آقا — انیس الغریبین، محبّ الیتامیٰ والمساکین صلی اللہ علیہ وسلم کے اس

؎۱، ؎۲ - امام احمد رضا: وصایا شریف، محررہ ۲۸ اکتوبر ۱۹۲۱ء، مطبوعہ لاہور

غلام وجد امام احمد رضا کو آقا کے غریب غلاموں سے ایسی محبت تھی کہ ان کے لئے ایسا شاندار اہتمام کرایا۔ فاضل پروفیسر صاحب نے بہت ہی خوبصورت اور دلنشین انداز میں امام احمد رضا کی اس وصیت پر روشنی ڈالی ہے اور انہیں غریبوں کا سچا ہمدرد اور غمخوار ثابت کیا ہے جو یقیناً حق ہے۔

کتاب کے آخر میں پروفیسر صاحب امام احمد رضا کو کس طرح عقیدت کا خراج پیش کرتے ہیں، ملاحظہ ہو:

"اے احمد رضا — اے غریبوں کے غمخوار — اے مسکینوں کے دلدار — اے مظلوموں کے دادرس — اے بے کسوں کے فریادرس، تجھ پر ہزار بار سلام — ہاں! روحِ انسانیت تجھ کو سلام کرتی ہے — دلِ دردمند تجھ کو سلام کرتا ہے۔ چشمِ اشکبار تجھ کو سلام کرتی ہے ---- غریبوں کی فریادیں تجھ کو سلام کرتی ہیں ---- ہاں! —

- تو عاشقِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے
- تو دلدارِ مجتبےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے
- تو محبوبِ مرتضےٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم ہے
- تو نائبِ غوث الوریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے

تجھ پر سلام —— ہزار بار سلام" [1]

(۱۷) امام احمد رضا اور عالمی جامعات شائع کردہ انٹرنیشنل رضا اکیڈمی صادق آباد، رضا اکیڈمی لاہور۔ یہ کتاب ۱۹۹۰ء میں تحریر فرمائی گئی

[1] غریبوں کے غمخوار، ص ۱۶ - مطبوعہ رضا اکیڈمی۔ لاہور

امام احمد رضا پر ہند و پاک اور دُنیا کی دوسری یونیورسٹیوں اور جامعات کے پرُفیسروں نے جو مقالات و مضامین لکھے ہیں یا تاثرات پیش کیے ہیں اُن کا حوالہ ہے۔ نیز کن کن جامعات اور یونیورسٹیوں سے امام احمد رضا سے متعلق کن کن عنوانات پر اسکالرس ریسرچ ورک کر رہے ہیں۔ اِن کی تفصیل درج ہے۔ بہت ہی معلوماتی رسالہ ہے۔

دُنیا دیکھ رہی ہے —— اپنے دیکھ رہے ہیں، پرائے دیکھ رہے ہیں —— جلنے والے دیکھ رہے ہیں، چاہنے والے دیکھ رہے ہیں۔ امام احمد رضا کے نام اور کام کو چھپانے اور مٹانے والے دیکھ رہے ہیں کہ آج دُنیا امام کے نام کی مالا جپ رہی ہے۔ یونیورسٹیاں امام پر ریسرچ کا شعبہ کھول کر اپنا معیار و وقار بلند کر رہی ہیں۔ امام احمد رضا کا سکہ آج ہر ملک میں چل رہا ہے۔ امام کے نام کا ڈنکا امریکہ و افریقہ میں بج رہا ہے۔ برطانیہ اور ہالینڈ میں بج رہا ہے

چاہنے والے خوش ہو رہے ہیں اور جلنے والے شعلۂ حسد میں جل رہے ہیں —— ظلمتوں نے آفتاب کو لاکھ چھپانا چاہا مگر چھپا نہ سکیں انقلاب آکر رہا —— آج کا دور، رضا کا دور ہے ؎

کب تک نہ پھیلے گی عالم میں مہک تیری
پیغام لیے پھرتی ہے گھر گھر میں صبا تیرا

قلم مسعود اور کتابِ مسعود دونوں صبا بن کر شہر شہر اور گھر گھر رضا کے پیغام کو پہنچا رہے ہیں —— ادارے اور اکادمیاں رضا کا پیغام پہنچا رہی ہیں —— خود اس سلسلے میں عالی جناب پروفیسر مسعود احمد صاحب لکھتے ہیں :-

” آج سے اسی سال قبل عالمِ اسلام کی مسجدوں، مدرسوں،

خانقاہوں حتیٰ کہ حرمین شریفین سے امام احمد رضا کی مدح و ثناء میں آوازیں بلند ہوئیں۔ پھر نہ معلوم کیوں سنی ان سنی کردی گئیں۔ لیکن کسی کو مٹانے سے کوئی نہیں مٹتا۔ جب تک وہ مٹانے والا مٹانا نہ چاہے۔ اُس کریم نے نہ چاہا کہ امام احمد رضا کا نام مٹادیا جائے۔ اُس کے فضل و کرم سے وہ دور آیا جس دور کو امام احمد رضا کے تعارف و تعلیمات کی نشاۃِ ثانیہ کا دور کہا جا سکتا ہے۔ اس دور میں جامعات و کلیات کے استادوں اور دانشوروں، ادارہ ہائے تحقیقاتِ علمیہ کے محققوں اور اسکالروں، عدالت ہائے عالیہ کے ججوں اور وکیلوں، مملکت کے گورنروں اور وزیروں، عساکرِ اسلامیہ کے کمانڈروں اور سپہ سالاروں اور میدانِ صحافت و سیاست کے صحافیوں اور سیاستدانوں نے یک زبان ہو کر امام احمد رضا کے علمی کمالات اور عبقریت کا کھلے دل سے اعتراف کیا اور ہر طرف سے تحسین و آفرین کی آوازیں بلند ہونے لگیں —— آیئے آپ بھی یہ آوازیں سنیں اور اللہ کا شکر ادا کریں کہ دورِ جدید کی اندھیروں میں اُس نے اپنے کرم سے اُجالے کی طرف رہنمائی فرمائی۔

اے رضا جانِ عنادل تیرے نغموں کے نثار
بلبلِ باغِ مدینہ ترا کہنا کیا ہے!" [۱]

(۴۸) گویا دبستاں کھل گیا —— اس کتاب میں مسعود احمد صاحب نے "امام احمد رضا — ماہ و سال کے آئینے میں" (حیات کی جھلک ایک

[۱] گویا دبستاں کھل گیا، مطبوعہ لاہور۔ ص ۴

نظریں) کے ساتھ ساتھ ——

(۱) علماء و مشائخ (۲) شیخ الجامعہ اور وائس چانسلرز

(۳) چیئرمین اور ڈائریکٹر (۴) پروفیسرز (پاکستان، ہندوستان، قاہرہ، ریاض، کابل، نیویارک، لائیڈن، لندن اور نیو کاسل) (۵) جج

(۶) وزراء اور کمانڈر (۷) ادیب اور دانشوروں کے تاثرات

امام احمد رضا پر جمع کر دیا ہے اور یہ بڑا اہم کام ہے

دُنیا والے دیکھیں کہ امام کے لئے اونچے اونچوں اور بڑے بڑوں کی کیسی کیسی صدائیں بُلند ہو رہی ہیں —— اسی کتاب کے اخیر میں مسعود احمد صاحب لکھتے ہیں:

"آیئے آپ بھی یہ آوازیں سنیں اور اللہ کا شکر ادا کریں کہ دورِ جدید کے اندھیریوں میں اس نے اپنے کرم سے اُجالے کی طرف رہنمائی فرمائی۔ ہاں ؎

اے رضا جانِ عنادل ترے نغموں پہ نثار

بُلبُلِ باغِ مدینہ ترا کہنا کیا ہے!" [1]

نوٹ:- قبلہ پروفیسر صاحب کے دو مقالات:-

(۱) "امام احمد رضا اور جدید و قدیم سائنسی نظریات"، جو عنوان میں تھوڑی سی تبدیلی کے بعد مثلاً —— "جدید و قدیم سائنسی افکار و نظریات" اور امام احمد رضا و علوم جدیدہ و قدیمہ" کے علیحدہ علیحدہ ناموں سے معارف رضا کراچی، اشرفیہ، مبارکپور وغیرہ میں شائع ہوا ہے۔ کئی سال قبل بلرام پور ضلع گونڈہ (بھارت) سے کتابی شکل میں بنام احمد رضا اور علوم جدیدہ وقدیمہ

[1] گویا دبستان کھل گیا، مطبوعہ لاہور

شائع ہو چکا ہے اور اسی نام سے ۱۹۹۰ء میں مرکزی مجلس امامِ اعظم، لاہور سے بھی شائع ہوا ہے۔

(۲) اسی طرح مقالہ "سرتاج الفقہا" جو ۱۹۸۴ء میں معارفِ رضا کراچی میں شائع ہوا ہے کتابی شکل میں مرکزی مجلس امام اعظم، لاہور سے شائع ہو چکا ہے۔

تأثرات اور نذرانۂ عقیدت کی جھلکیاں

(۱) علّامہ شمس الحسن شمسؔ بریلوی

"اس مد میں مشہور قلمکار پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب (سابق سیکرٹری محکمہ تعلیمات، حکومت سندھ) کی خدمات لائق صد تحسین ہیں کہ ہر سال اس کانفرنس (امام احمد رضا کانفرنس) کے موقع پر امام احمد رضا قدس اللہ سرہٗ پر ان کی نگارشں تو منصۂ شہود پر آئی اور لوگ اس نابغۂ روزگار سے متعارف ہوتے چلے گئے جس کو معاندین نے فراموش کرا دینے کے لئے بغض و عناد کے تہ بہ تہ پردے ڈال دیئے تھے ...." [۱]

علّامہ شمس نے پروفیسر صاحب کی تقرری بطور سیکرٹری محکمہ تعلیمات حکومت سندھ پر یہ تاریخی شعر کہا۔

محترمی مسعود احمد کو ہو مبارک یہ منصب والا
تم ہی تاریخ منصبِ نو کی شمسؔ کہدو "نظامت زیبا"
۱۴۱۱ھ

(۲) سید ریاست علی قادری علیہ الرحمہ، کراچی

(i) "آپ کی خدمات اسلام کی سربلندی اور خصوصاً عالمِ اسلام کی ایک

---

[۱] صاحب فیضِ رضا، ص ۲۱، ۲۶، ۲۷، مطبوعہ کراچی ۱۹۹۲ء

نابغۂ روزگار شخصیت یعنی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ پر تحقیق و تدوین کے سلسلے میں کسی سے پوشیدہ نہیں۔ آپ کی ان بے لوث خدمات کا کون معترف نہیں۔ ہم یہ بات بڑے وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ اب حضرت امام احمد رضا کا نام ذہن میں آتے ہی ایک اور نام فوراً لوگوں کے ذہن میں آتا ہے وہ آپ ہی کا اسمِ گرامی ہے۔"

(مکتوب بنام پروفیسر مسعود احمد، محررہ ۲۶ اگست ۱۹۹۱ء، از کراچی)

(ب) اللہ تعالیٰ آپ کے درجات میں بلندی فرمائے۔ دُنیائے رضویّت پر آپ کی خدمات و احسانات کا بدلہ اگر پوری دُنیائے رضویّت بھی ادا کرنا چاہے تو ناممکن ہے۔" (مکتوب محررہ یکم جنوری ۱۹۹۲ء از کراچی) [1]

(۲) علامہ محمد ابراہیم خوشتر صدیقی

(ا) "محبِّ رضا، ہدیہ سلام مسنون" [2]

(ب) مسعودِ ملّت کے حج و زیارات ۱۹۹۱ء کے موقع پر علامہ موصوف نے چند تاریخی مادے رقم کئے تھے۔ اِن میں ایک یہ بھی جو امام احمد رضا کے تعلق سے ہے، انہوں نے مسعودِ ملت کو محبِ رضا کہہ کر یاد کیا ہے اور سلامِ سُنّت کا ہدیہ پیش کیا ہے۔

(۳) ڈاکٹر اختر البستوی، گورکھپور

" آپ کی شخصیت عالمِ اسلام اور دُنیائے ادب اُردو دونوں کے لئے

---

[1] تجلیاتِ شمس، از مولانا عبد النعیم عزیزی، مطبوعہ کراچی ۱۹۹۳ء،

[2] منزل بہ منزل، از محمد عبد الستار طاہر، مطبوعہ کراچی

باعث تکریم ہے ...... خاص طور پر امام احمد رضا علیہ الرحمہ کی علمی، دینی اور شعرِ جلیلہ کے متعلق جو تحقیقی، تنقیدی، اور تشریحی کام آپ نے کیا ہے اور جس طرح ان کے فکر و فن کی بلندیوں سے اردو داں عوام کو روشناس کرانے کی انتہائی کامیاب و مستحسن کوشش کی ہے۔ اسے اہل اسلام اور اہلِ اردو کبھی فراموش نہیں کر سکتے ......" ؎۱

(مکتوب بنام پروفیسر مسعود احمد، محررہ ۲۶؍دسمبر ۱۹۸۹ء)

(۵) محمد بناء، ڈربن (جنوبی افریقہ)

"دُنیائے سُنّیت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کی بہت ہی ممنون ہے جنہوں نے مجددینِ اسلام میں سے ایک عظیم مجدد کے پیغام اور تعلیمات کو پھیلانے کے لئے اپنی ساری زندگی وقف کر دی ہے۔ پروفیسر صاحب نے مغربی دُنیا اور انگریزی جاننے والی دُنیا کی دوسری قوموں میں امام احمد رضا علیہ الرحمہ کا خوب تعارف کرایا ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عاشق کی علمی خدمات کی طرف دُنیا کو متوجہ کرانے کے لئے پروفیسر مسعود احمد صاحب کا خاص طور پر انتخاب فرمایا ہے تو ہمیں ذرہ برابر تعجب نہ ہوگا۔" ؎۲ (ترجمۂ انگریزی)

پروفیسر صاحب کے القابات

آج دُنیائے سُنّیت بلکہ دُنیائے علم وادب و تحقیق پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

؎۱ منزل بہ منزل، از محمد عبد الستار طاہر، مطبوعہ کراچی ۱۹۹۲ء، ص ۲۳

؎۲ " " " " " " "

صاحب مدظلہ العالیٰ مندرجہ ذیل القابات سے یاد کئے جاتے ہیں اور لکھنے والے ان کے لئے اس طرح لکھتے ہیں:۔

۱۔ ماہر رضویات
۲۔ مسعودِ ملت
۳۔ سعادتِ لوح و قلم [1]

علیگڑھ مسلم یونیورسٹی میں مسعودِ ملت کا استقبال

ایشیاء کی سب سے بڑی مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں آج سے بیس سال قبل نہ تو امام احمد رضا کا کوئی نام لیوا تھا اور نہ ہی وہاں امام احمد رضا کے کام سے کسی کو کوئی دلچسپی تھی۔ ۱۹۷۶ء میں البتہ ماہنامہ المیزان کے امام احمد رضا نمبر میں — پروفیسر ڈاکٹر نسیم قریشی اور ڈاکٹر حامد علی خاں جیسے لوگوں کے مقالات اور تاثرات شائع ہوئے۔ ڈاکٹر مختار الدین آرزو اور حکیم غلیل احمد جائسی تو اپنے تھے۔ بہرحال ان حضرات کے مضامین و مقالات ماہنامہ المیزان ہی میں دیکھنے کو ملے۔

بہت پہلے پروفیسر افتخار اعظمی نے امام احمد رضا کی نعتیہ شاعری پر اپنا ایک تاثر پیش کیا تھا [2] اور ڈاکٹر سر ضیاء الدین اس سے بھی بہت پہلے خدمتِ امام میں حاضر ہوتے تھے ریاضی کے لاینحل مسئلہ کے حل کے لئے [3] بہرحال علی گڑھ یونیورسٹی میں ان کے سوا امام احمد رضا یا امام احمد رضا والوں کے لئے کوئی گنجائش نہ تھی۔ ہاں ۱۹۸۰ء کے بعد اس یونیورسٹی میں بھی ایک دھماکہ محسوس کیا گیا۔

---

[1] منزل بہ منزل + امام احمد رضا اور ردِ بدعات و منکرات + آئینہ رضویات
[2] ارمغانِ حرم ص ۱۴۱، بحوالہ مولانا احمد رضا خاں کی نعتیہ شاعری از ملک بشیر محمد اعوان
[3] اکرامِ امام احمد رضا از پروفیسر محمد مسعود احمد، مطبوعہ لاہور۔

رضا کے نام پر جبکہ پروفیسر محمد مسعود احمد نے قلم اُٹھایا اور رضا پر ان کی پہلی علمی اور تحقیقی کتاب " فاضل بریلوی اور ترکِ موالات " منظرِ عام پر آئی۔ علامہ سید ظہیر احمد زیدی، حکیم محمد خلیل احمد جائسی اور چند طلبہ جو شہزادۂ اعلیٰ حضرت مفتیٔ اعظم ہند علامہ مصطفےٰ رضا خاں کے مُرید تھے، نے مِل کر تعلیمات نامی ایک سہ ماہی رسالہ نکالا اور امام احمد رضا پر مضامین اس میں چھپنے لگے۔ نیز چند لوگ مل کر ہفتہ، پندرہ روزہ اور کبھی کبھی ایک ماہ میں امام احمد رضا کے سلسلے میں مذاکرہ وغیرہ کرنے لگے، تو کچھ چرچا امام موصوف کا وہاں ہونے لگا۔ اور پھر مولانا محمود احمد بریلوی کا امام احمد رضا کی عربی شاعری پر ایم فِل کرنے کا رجسٹریشن ہوا اور انہوں نے یہ کام مکمل کیا۔

اللہ کا شکر ہے کہ برف پگھلنے لگی ہے۔ کچھ کچھ جمود ٹوٹ رہا ہے اور اب دسمبر ۱۹۹۲ء میں جب پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب علیگڑھ یونیورسٹی میں پہنچے تو اُن کا شایانِ شان استقبال ہوا۔ امام احمد رضا پر تقریریں ہوئیں اور پروفیسر مسعود احمد صاحب نے خود بھی امام موصوف پر علمی و تحقیقی اور پُرمغز تقریر فرمائی اور دانشورانِ علی گڑھ حیرت و مسرت سے سُنتے رہے۔

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے مسلم طلبہ کی تنظیم "مسلم اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن" (ایم۔ ایس۔ او) آف انڈیا، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی یونٹ نے ۲۸ نومبر ۱۹۹۲ء کو کینیڈی ہال میں استقبالیہ دیا، جو کہ زیرِ سرپرستی پروفیسر ایم۔ این۔ فاروقی وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علیگڑھ اور زیرِ صدارت پروفیسر اے۔ ایچ صدیقی پرو وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علیگڑھ منعقد ہوا۔

" ایم۔ ایس۔ او " کا دعوت نامہ ملاحظہ ہو :

MUSLIM STUDENTS' ORGANIZATION
(M.S.O.) OF INDIA
ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY UNIT
cordially invites you
at
ANNUAL CONFERENCE
(on 28th November, 1992, at 70.30 P.M.)
Venue:- KENNEDY HALL
Under the Patron-ship of
PROF. M. N. FARUQUI
(Vice-Chancellor, A.M.U.)
Chief Guest:- PROF. M. MASUD AHMAD
(Pakistan)
ALLAMA ARSHAD-UL QUADRI and other
eminent ULAMA
will address.
PROF. A. H. SIDDIQUI
(pro Vice-Chancellor, A.M.U.)
will preside over the function.
Thanks

پروگرام شام ۱/۲ ۷ بجے شروع ہوا۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نے خصوصی خطاب فرمایا اور امام احمد رضا کا تعارف کراتے ہوئے ان کی دینی، تجدیدی، اصلاحی، علمی و ادبی کارناموں پر روشنی ڈالی۔ غالباً یہ پہلا موقع ہے کہ علیگڑھ مسلم یونیورسٹی میں امام احمد رضا کا اس شاندار طریقے سے چرچا ہوا اور امام احمد رضا پر کام کرنے والے کسی دانشور کی اس طرح پذیرائی ہوئی اور اس کی باتوں کو بغور سُنا گیا اور کسی نے بھی کوئی سوال وجواب یا تنقید دوران تقریر یا بعداز تقریر نہیں کی بلکہ کھلے دل سے امام احمد رضا کی عبقریت اور اُن کی عظمت کو تسلیم کیا گیا۔

یہ بھی پروفیسر مسعود احمد کا ایک کارنامہ ہے کہ پہلی بار برصغیر کی اس عظیم یونیورسٹی میں امام احمد رضا کا بھرپور تعارف ہوا اور غلط فہمیوں کے غبار وگہر چھٹے اور امام پر کام کئے جانے کی فضاء اس یونیورسٹی میں ہموار ہوئی۔

پروگرام کی تفصیل اس طرح ہے:

۱۔ تلاوتِ قرآنِ پاک

۲- نعت خوانی
۳- مسلم اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن کا تعارف
۴- نعت خوانی
۵- دیگر مقررین کی تقریر
۶- مہمانِ خصوصی پروفیسر محمد مسعود احمد کی تقریر
۷- صدارتی تقریر (پرو۔ وائس چانسلر پروفیسر ابوالحسن صدیقی)

شہرِ رضا میں ماہرِ رضویات کا استقبال

۲ر دسمبر ۱۹۹۲ء کو شہرِ رضا مرکز اہلِ سنّت بریلی شریف پہنچے رضا کے وطن اور سینوں کے دلکش اور رنگین چمن بریلی شریف میں خانوادۂ امام احمد رضا کے افراد اور یہاں کے علماء و دانش وروں نے ماہرِ رضویات پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب کا شاندار استقبال کیا اور ان کی علمی و ادبی خدمات نیز رضویات پر کئے گئے کاموں کو سراہا اور ہدیۂ تحسین پیش کیا۔
جامعہ نوریہ رضویہ بریلی شریف کے مہتمم نبیرۂ اعلیٰ حضرت مولانا منان رضا نے ادارۂ ہذا میں ڈاکٹر صاحب موصوف کو استقبالیہ دیا اور صدر المدرسین مولانا محمد حنیف خاں رضوی نے مہتمم جامعہ اساتذہ و طلبہ اور شہریوں کی جانب سے انہیں خوش آمدید کہتے ہوئے امتنان و تشکر کا ہدیہ پیش کیا۔
(سپاسنامہ اسی مجموعے کی زینت ہے)

مسعود ملت اور امام احمد رضا

پروفیسر مسعود احمد نے برِّصغیر اور اسلامی دُنیا نیز مستشرقین و مغرب کے

دیگر اسکالروں کے امام احمد رضا پر تاثرات کو یکجا کیا، شائع کیا اور لوگوں سے خط و کتابت کر کے امام کی کتابوں، امام پر کی گئی تحقیق اور امام پر کیئے گئے کاموں سے واقف کرا کے امام پر تاثرات و اظہارِ خیالات قلم بند کرلئے۔

○ —— پروفیسر محمد مسعود احمد نے ہر کتاب کو ٹو دی پوائنٹ، اصلیت و حقیقت پر مبنی لکھا۔ علمی و تحقیقی ساتھ ہی ساتھ دلکش ادبی و جمالیاتی انداز ہیں۔

○ —— مسعود احمد نے امام احمد رضا کے بارے میں رسائل و جرائد، مکاتیب و مخطوطات اور کتب خانے کھنگال ڈالے اور ہر مضمون و مقالہ اور ہر کتاب میں حوالے کے طور پر ان کی لائن لگادی۔ کاٹنے والے کہاں تک بات کو کاٹیں گے۔ شواہد پر شواہد موجود ہیں —— لہٰذا کیوں نہ کہا جائے کہ:

امام احمد رضا، مسعود ملّت کی نظر میں

○ —— مسعودِ ملّت رضاؔ اور کارِ رضا، مسلکِ رضا اور تعلیماتِ رضاؔ کے وکیل ہیں۔ ترجمان و ناشر ہیں اور رضاؔ پر اتھارٹی ہیں —— مسعود احمد رضا پر لکھتے ہیں تو کبھی ظُلم و ناانصافی پر اظہارِ تاسف کرتے ہیں، کبھی احتجاج کرتے ہیں، کبھی اپنوں کو بیدار کرتے ہیں، غیروں کو للکارتے ہیں، چیلنج کرتے ہیں اور اپنوں کی غیرت کو بھی للکارتے ہیں۔ رضاؔ کے ایک ایک انداز میں ایک ایک ادا کو دکھاتے ہیں —— رضاؔ کی بات کرتے ہیں تو عقیدت اور پیار لٹاتے ہیں۔ جانے کتنے انداز ہیں مسعودِ ملّت کے اور اُن کے قلم کے ——

آیئے چند کا نظارہ کیجئے اور پھر مسعودِ ملّت کو دُعاؤں کے ساتھ اس مقالہ کا باب بند کر کے کسی اور کو اُن کا شکریہ ادا کرنے کا موقع دیجئے ——

پروفیسر مسعود احمد کیا کیا لکھتے ہیں :۔

(۱) "راقم ۱۹۵۷ء سے برابر لکھ رہا ہے ۱۹۶۹ء تک امام احمد رضا کے مطالعہ سے محروم رہا۔ اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ ماسوا والدِ ماجد حضرت مفتی اعظم محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ راقم کے بیشتر اساتذہ کا تعلق امام احمد رضا کے مخالفین یا مخالفین کے موئیدین سے رہا۔ لیکن جب ۱۹۷۰ء میں مطالعہ کا آغاز کیا تو ایک اور ہی عالم نظر آیا، جس نے حیران و ششدر کر دیا۔ اللہ اکبر! حقیقت کیا تھی اور کیا بتایا گیا۔ اب جوں جوں مطالعہ کرتا ہوں، حیرانگی بڑھتی جاتی ہے۔" [1]

(۲) "بے نشانوں کا نشاں مٹتا نہیں مٹتے مٹتے نام ہو ہی جائے گا

ہمارے علمی اور تحقیقی رسائل مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے تذکرے سے یکسر خالی نظر آتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خود مولانا بریلوی کے متبعین نے ان کے آثارِ علمیہ کی تدوین کی طرف توجہ نہ کی اور دوسرے حضرات نے اس لئے توجہ نہ کی کہ جن تحریکوں اور اداروں سے ان کا تعلق رہا وہ کسی نہ کسی صورت میں مولانا بریلوی کے ہدفِ تنقید رہے۔ اس لئے ان حضرات نے یا تو بالکل نظر انداز کر دیا اور اگر ذکر بھی کیا تو اس طرح کہ مولانا بریلوی کی بھاری بھرکم شخصیت دب کر رہ گئی ہے۔

حقیقت میں مولانا بریلوی کی شخصیت اتنی ہمہ گیر ہے کہ سیرت کے تمام پہلوؤں کو سمیٹنا شخصِ واحد کے بس کی بات نہیں، اس کے لئے ایک ادارے کی ضرورت ہے جو خلوص و لگن کے ساتھ کام کرے اور مخیر حضرات یا حکومت کا اس کو تعاون حاصل ہو۔ گزشتہ دس برسوں میں راقم نے مولانا بریلوی پر کچھ کام

[1] گناہ بے گناہی از پروفیسر مسعود احمد، ص ۵

کیا ہے مگر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہنوز ساحلِ سمندر تک بھی رسائی حاصل نہ ہو سکی۔" [1]

(۳) " امام احمد رضا کے مختلف پہلوؤں پر کام کرنے کے لئے علم و اخلاص دونوں کی ضرورت ہے۔" [2]

(۴) " مخالفین کی طرف سے فاضل بریلوی پر متعدد الزامات لگائے گئے مثلاً

(ا) انہوں نے ایک نئے فرقے کی بنیاد رکھی

(ب) انہوں نے مسلمانوں کی تکفیر کی۔

(ج) انہوں نے بدعات کو عام کیا۔

(د) وہ انگریز کے خیر خواہ اور وظیفہ یاب تھے

(ہ) تحریکِ پاکستان میں کوئی حصہ نہ لیا" [2]

آگے چل کر غیروں ہی کے اقوال سے پروفیسر محمد مسعود احمد سارے الزامات غلط ثابت کر دیتے ہیں ــــ مزید لکھتے ہیں

" جس کسی سے اس کی مخالفت تھی اللہ اور رسول کے لئے۔ مخالفین کو اس دردمندانہ خطاب کی روشنی میں فاضل بریلوی کی اخلاص مندانہ تنقیدات اور بے داغ کردار کا جائزہ لینا چاہیئے" [3]

(۵) " ذاتی مطالعہ سے راقم اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ جب تک ایسا سرکاری یا نیم سرکاری ادارہ قائم نہیں ہو جاتا، جہاں مختلف علوم و فنون کے ماہرین جمع ہو کر امام احمد رضا پر کام کریں، کوئی جامع تحقیق ممکن نہیں، ویسے جزوی طور پر پاک و ہند اور بیرونی ممالک میں کام ہو رہا ہے۔ مگر انفرادی کوششوں سے

---

[1] گناہِ بے گناہی از مسعود احمد۔ ص ۵ (حرفِ آغاز)

[2] حیاتِ مولانا احمد رضا خاں بریلوی، ص ۶ (تقدیم)

[3] آئینہ رضویات، ص

اجتماعی کوشش بدرجہا بہتر ہے۔" [1]

(۶) " ان کی شخصیت معمولی شخصیت نہیں - ۱۴ ویں صدی ہجری کے آغاز ہی میں ان کا شہرہ پاک و ہند کی سرحدیں عبور کر کے حرمین شریفین، بلادِ اسلامیہ، برما، چین، روس، امریکہ اور افریقہ تک پہنچ گیا تھا اور وہ مرجع خاص و عام ہو گئے تھے۔ اس پر ان کے فتاویٰ گواہ ہیں۔" [2]

(۷) " امام احمد رضا اپنے وقت کے عظیم مدبر اور غیور سیاستدان تھے۔" [3]

(۸) " وہ کوہِ استقامت تھا، اُس نے حق کی خاطر ہر بے رام سے ٹکر لی اور اپنی ناموس و عزت کو سلام اور شارعِ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ناموس پر قربان کر دیا۔" [4]

(۹) " حضرت رضا بریلوی نظم و نثر دونوں میں باکمال تھے۔" [5]

(۱۰) مولانا احمد رضا خاں اس گلزارِ معرفت کے لئے نسیم سحری بن کر آئے، بلاشبہ اگر وہ نہ آتے تو اِس گلشن پر بہار نہ آتی۔ ؎

ہے مجھ سے گریبانِ گل صبح معطر
میں عطرِ نسیم چمن و باد صبا ہوں" [6]

(۱۱) " الغرض فاضل بریلوی کے خلفاء اور اُن کی اولاد و تلامذہ نے تبلیغ و اشاعتِ دین کے لئے انتھک کوشش و جہد کی۔" [7]

---

[1] جہانِ رضا، از مولانا مرید احمد چشتی، ص ۱۰، ۱۵
[2] حرفِ آغاز، پروفیسر مسعود احمد، آئینہ رضویات
[3] تقدیم " " دوام العیش
[4] افتتاحیہ " " تنقیدات و تعاقباتِ امام احمد رضا
[5] تقدیم " " امام نعت گویاں
[6] " " " مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی نعتیہ شاعری
[7] افتتاحیہ " " خلفائے اعلیٰ حضرت

(۱۲) "امام احمد رضا خاں نے اپنی علمی بصیرت کی بناء پر بڑے بڑے فلاسفر اور سائنسدانوں پر تنقید کی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کو اپنی تحقیق پر کتنا اعتماد تھا اور وہ فلسفۂ جدیدہ و قدیمہ میں کتنی مہارت رکھتے تھے۔" [۱]

(۱۳) "امام احمد رضا مسلمان سائنسدانوں کے نقطۂ نظر اور اندازِ فکر میں تبدیلی چاہتے ہیں کہ قرآن کی روشنی میں سائنس کو پڑھایا جائے یعنی کامل کی روشنی میں ناقص کو پرکھا جائے۔" [۲]

(۱۴) "امام احمد رضا منقولات و معقولات کے امام تو تھے ہی مگر وہ ایک سچے اور پکے مسلمان تھے۔" [۳]

(۱۵) "امام احمد رضا کو کون نہیں جانتا۔ یہ سب جانتے پہچانتے ہیں ...... امام احمد رضا کا عظیم مجموعۂ فتاویٰ "العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ" اُن کی فقاہت پر گواہ ہے ...... یہ امتیاز، یہ مقبولیت، یہ مرجعیت صرف اور صرف امام احمد رضا ہی کو حاصل تھی۔" [۴]

(۱۶) "امام احمد رضا نے زندگی کے ہر شعبہ میں ہم کو پیغام دیا ہے۔ مذہبیات، درسیات، سیاسیات، معاشیات، معقولات، عمرانیات وغیرہ وغیرہ۔ ان کے بیانات پر عمل کر کے ہم بہت کچھ پا سکتے ہیں۔ آیئے ان کی ہدایت کو گوشِ دل سے سنیں اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کریں تاکہ دین و دنیا کی فلاح پا سکیں۔" [۵]

کہاں تک لکھی جائیں مسعود و رضا کی باتیں ——— یہ افسانہ نہیں داستان

---

[۱] امام احمد رضا اور علومِ جدیدہ و قدیمہ از پروفیسر مسعود احمد، ص ۹
[۲] " " " " " ص ۲۴
[۳] رہبر و رہنما، پروفیسر مسعود احمد، ص ۵
[۴] " " " ص ۲/۳
[۵] " " " ص ۲۴

حقیقت ہے ــــ یہ ذکر ــــ ذکر کو لذّت اور فکر کو قوّت عطا کرتا ہے ــــ یہ مُحبّ و محبوب کی باتیں ہیں۔ ممدوح و مدّاح کی باتیں ہیں ــــ حق و صداقت کی باتیں ہیں ــــ حسُن و عشق کی باتیں ہیں ــــ علم و قلم اور علم و قلم والوں کی باتیں ہیں ــــ معرفت کی باتیں ہیں ــــ

محبوب ــــ جمال و کمال والا ہے ــــ اور اُس کے جلوؤں کو دکھانے والا اس کا والہ و شیدا بھی بڑی سج دھج والا ہے ــــ

مدنی محبوب نے بریلوی عاشق کو اپنے جمال و کمال کو ذرہ تابناک عطا کر کے اسے ایسا نوُر بار کر دیا ہے کہ بس عالم یہ ہے ؎

رشکِ قمر ہوں رنگِ رُخِ آفتاب ہوں
ذرّہ جو تیرا اے شہ گردوں جناب ہوں

تو اُسی مدنی محبوب نے اپنے بریلوی عاشق کے فدائی کو بھی جمالِ علم عطا کر دیا ہے اور اُس کے وجود کو اہلِ سنّت و جماعت کے لئے مُبارک و مسعود بنا دیا ہے ــــ اللہ اللہ! اس ہستیٔ مسعود ــــ مسعودِ ملّت کا جذبۂ عشق تو دیکھیے ــــ قربان جانے کو جی چاہتا ہے ــــ سُنیئے گوشِ ہوش سے سنیئے!

" ایک بار کچھ لوگوں نے مسعودِ ملّت سے سوال کیا؟ آپ تو رضوی نہیں ہیں۔ پھر امام احمد رضا پر تحقیق و جستجو اور لکھنے لکھانے میں کیوں لگے ہوتے ہیں۔"؟

دیوانے نے کیا جواب دیا ــــ اللہ اس مستانگی پر، فرزانگی پر قربان! ــــ فرمایا، " یہ بتایئے امام احمد رضا عاشقِ رسول تھے یا نہیں؟" ــــ ہاں معترضین بولے، " ہاں تھے تو!" ــــ " تو کیا عاشقِ رسول پر کام کرنا اچھا کام ہے بُرا" معترضین گونگے ہو گئے اور چلتے بنے۔

جذبۂ مسعود دیکھیے ـــــ عاشقِ رسول سے محبت بھی محبتِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسّلام ہے اور مسلکِ امام احمد رضا اور تعلیماتِ امام احمد رضا کو اُجاگر کرنا اور فروغ دینا بے شک مسلکِ حق اور تعلیماتِ مصطفوی کی اشاعت ہے۔ سُنیے مسعودِ ملّت کیا فرماتے ہیں:۔

"آگے بڑھیے اور ان کا دامن تھام لیجیے، جنھوں نے محمّد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم کا دامن تھاما ہے۔ ہاں! انھی دامن تھامنے والوں میں ایک وہ عاشق بھی تھا جس نے عالمِ اسلام میں عشقِ مصطفےٰ کی دھوم مچادی"[1]

زندہ باد ـــــ امام احمد رضا ـــــ زندہ باد

زندہ باد ـــــ مسعودِ ملّت ـــــ زندہ باد

---

[1] رہبر و رہنما از پروفیسر مسعود احمد، ص ۱

مآخذ و مراجع

کُتب :-

۱- محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر:- فاضل بریلوی اور ترکِ موالات مطبوعہ ۱۹۷۰ء لاہور
۲- فقیر محمد اعوان، ملک : مولانا احمد رضا خاں کی نعتیہ شاعری، مطبوعہ ۱۹۷۰ء لاہور
۳- محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر : عاشقِ رسول، مطبوعہ ۱۹۷۶ء لاہور
۴- مرید احمد چشتی، مولانا : جہانِ رضا، مطبوعہ ۱۹۷۷ء لاہور
۵- اختر الحامدی، مولانا : امام نعت گویاں، مطبوعہ ۱۹۷۷ء لاہور
۶- یاسین اختر مصباحی، مولانا : امام احمد رضا اور ردِّ بدعات و منکرات، مطبوعہ ۱۹۷۸ء الٰہ آباد
۷- احمد رضا خاں، امام : دوام العیش فی الائمۃ القریش، مطبوعہ ۱۹۷۹ء لاہور۔
۸- برہان الحق جبلپوری، مفتی : اکرام امام احمد رضا، مطبوعہ ۱۹۸۱ء لاہور
۹- محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر: گناہِ بے گناہی، مطبوعہ ۱۹۸۱ء لاہور
۱۰- محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر: حیات مولانا احمد رضا خاں بریلوی، مطبوعہ ۱۹۸۱ء سیالکوٹ
۱۱- محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر: دائرہ معارفِ امام احمد رضا، مطبوعہ ۱۹۸۲ء کراچی۔
۱۲- حسنین رضا خاں: مولانا : وصایا شریف، مطبوعہ ۱۹۸۲ء کراچی۔
۱۳- محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر: اُجالا، مطبوعہ ۱۹۸۳ء کراچی
۱۴- آر۔ بی۔ مظہری : جہانِ مسعود، مطبوعہ ۱۹۸۵ء کراچی

۱۵۔ محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر: رہبر و رہنما، مطبوعہ ۱۹۸۶ء کراچی

۱۶۔ محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر: آئینہ رضویات، مطبوعہ ۱۹۸۹ء کراچی

۱۷۔ محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر: غریبوں کے غم خوار، مطبوعہ ۱۹۹۰ء لاہور

۱۸۔ محمد عبدالستار طاہر: منزل بہ منزل مطبوعہ ۱۹۹۱ء حیدر آباد

۱۹۔ عبدالحکیم شرف قادری، مولانا: البریلویہ کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ، مطبوعہ ۱۹۹۱ء لاہور۔

۲۰۔ محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر: تنقیدات و تعاقبات امام احمد رضا، مطبوعہ ۱۹۹۱ء لاہور

۲۱۔ صاحبِ فیض رضا، مطبوعہ ۱۹۹۲ء کراچی

۲۲۔ محمد صادق قصوری: خلفائے اعلیٰ حضرت، مطبوعہ ۱۹۹۲ء کراچی

۲۳۔ محمد مسعود احمد، پروفیسر ڈاکٹر: گویا دبستاں کھل گیا، مطبوعہ ۱۹۹۲ء لاہور

۲۴۔ عبدالنعیم عزیزی، مولانا: تجلیاتِ شمس، مطبوعہ ۱۹۹۳ء کراچی۔

رسائل

۲۵۔ ماہنامہ المیزان بمبئی ۱۹۷۶ء (امام احمد رضا نمبر)

۲۶۔ مجلہ امام احمد رضا کانفرنس ۱۹۹۲ء کراچی

۱۵/۸/۲۰۰۴

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

ـــــــ دورِ حاضر کی ایک نادر شخصیت

علامہ مفتی محمد مکرم احمد شاہی امام مسجد جامع فتحپوری دھلی

قرآن مجید میں رب العالمین نے ارشاد فرمایا،
يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ○

(بقرہ : ۲۶۹)

ترجمہ: اللہ حکمت دیتا ہے جسے چاہے اور جسے حکمت ملی اُسے بہت بھلائی ملی اور نصیحت نہیں مانتے مگر عقل والے" ـــــــ

صدر الافاضل حضرت مولانا نعیم الدین مُراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ "حکمت" کی تشریح یوں فرماتے ہیں:۔

"حکمت سے یا قرآن و حدیث و فقہ کا علم مُراد ہے یا تقویٰ یا نبوت" ـــــــ حقیقت بھی یہی ہے کہ جسے اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہِ عظمت پناہ سے حکمت ملی اُسے بہت بھلائی ملی۔ الفاظ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حکمت ملنے پر صرف خیر نہیں فرمایا بلکہ خیر کثیراً فرمایا ہے۔ یعنی "بہت بھلائی" ـــــ آخرت کی چھوٹی سے چھوٹی نعمت کے آگے دُنیا کی بڑی سے بڑی نعمت بھی ہیچ ہے۔ جب آخرت کی چھوٹی نعمت کا اتنا عظیم مرتبہ ہے تو آخرت کی بڑی نعمت (خیر کثیر) کا کیا ٹھکانہ ہوسکتا ہے، پیچ ہے!

جسے خیرِ کثیر ملی وہ دارین میں سرفراز ہُوا۔

ہر ذی ہوش انسان یہ چاہتا ہے کہ اُسے بھلائی ملے، بُرائی نہ ملے — بھلائی بھی بہت ملے، کم نہ ملے۔ دُنیا میں ایسے لوگ بے شمار ہیں جو یہ جانتے ہوئے بھی کہ دُنیا بھی فانی ہے اور اس کی ہر چیز فنا ہونے والی ہے، ناپائیدار دُنیا کی فانی نعمتوں کے پیچھے بھاگتے نظر آتے ہیں —— ایسے لوگ اپنی بیش قیمت زندگی برباد کرتے رہتے ہیں اور انہیں اس ناقابلِ تلافی نقصان کا احساس تک نہیں ہوتا —— اگر یہ سب اللہ کے محبوب بندے دین کی حفاظت اور اس کو پھیلانے کا کام نہ کرتے تو آج دُنیا میں دین و مذہب کی اتنی روشنی نہ پھیلتی اور بندگانِ خدا ضلالت و گمراہی میں بھٹکتے رہتے۔ اُس نے ہر زمانہ میں دین کی خدمت کے لئے مخلوق میں سے کچھ بندوں کا انتخاب کیا، جنھوں نے اپنی زندگی کے ہر گوشے سے سیرتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی کو پھیلایا اور اپنی تمام زندگی اسی نیک کام کے لئے وقف کر دی ——

ایسی ہی ایک پاکیزہ کردار، تقویٰ شعار برگزیدہ شخصیت حضرت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب مدظلہٗ العالی کی ہے جن کی زندگی کا گوشہ گوشہ ملتِ اسلامیہ کے لئے انمول نادر و نایاب نعمت کا درجہ رکھتا ہے۔ سارے عالم میں قبلہ پروفیسر صاحب کا علمی و رُوحانی فیض کسی نہ کسی انداز میں پھیلا ہے اور پھیل رہا ہے۔ آج کے اِس دُنیا پرستی اور نفس پروری کے دور میں پروفیسر صاحب کی شخصیت بہت سی حیثیتوں سے قابلِ تقلید ہے۔ یہ کہنا بجا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں حکمت سے نوازا ہے جو وہ علوم قرآن اور علوم حدیث پر عبور رکھتے ہیں، زُہد و تقویٰ میں بے مثال ہیں، اتباعِ سُنّت اور عشقِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے مالا مال ہیں۔ آپ صوفیٔ باصفا، پیکرِ صدق و وفا،

منبعِ جود و سخا ہیں، اللہ تعالیٰ اُن کی عمر شریف میں برکت عطا فرمائے آمین!

تقسیمِ ہندوستان کا سانحہ برّ اعظم کا ایک ایسا تاریخی المیہ ہے جسے تاریخ کا ایک سیاہ باب کہنا چاہیے ——— ۱۹۴۷ء سے پہلے بھارت میں انگریزوں کی حکومت تھی۔ ہندوستانیوں نے اُن کو وطن چھوڑنے پر مجبور کر دیا تو انہوں نے اِس کا بدلہ لیا اور ہندوؤں مسلمانوں میں نفرت کا ایسا بیج بویا جس کا شجر بڑھ رہا ہے، گھٹنے کا کوئی امکان ہی نظر نہیں آتا ——— پاکستان تو وجود میں آگیا لیکن اس حادثہ میں لاکھوں گھر والے بے گھر ہو گئے، ہزارہا افراد نے اپنی جانوں سے ہاتھ دھو لیے۔ باطل پرستوں نے اہلِ اسلام کے خلاف اپنے دلوں کی آتشِ عداوت کو خوب بجھایا تھا، لاکھوں بچے یتیم و لیسیر بنا دیئے گئے۔ ہزارہا عورتیں بیوہ ہو گئیں۔ ۱۹۴۷ء کا ایک ایسا قیامت خیز منظر تھا جسے دیکھنے والے کبھی نہیں بھلا سکتے اور جس کے سُننے سے بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ دِل سے یہی دُعا نکلتی ہے کہ آئندہ کبھی اور کہیں بھی مسلمانوں کو ایسا قیامت خیز منظر دیکھنا نہ پڑے۔ آمین!

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب مدظلّہٗ کی عمر اُس وقت تقریباً اٹھارہ برس یا کچھ کم تھی۔ آغازِ شباب کے اِن حسین ایّام میں پورے انہماک کے ساتھ اپنے والدِ ماجد شیخ الاسلام ولیٔ کامل حضرت علامہ مفتیٔ اعظم محمد مظہر اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی سرپرستی میں علومِ دینیہ کی تحصیل میں مصروف تھے ——— اچانک تقسیمِ ہند کا قیامت خیز منظر پیش آگیا۔ اللہ کا حکم یہ ہوا کہ پروفیسر صاحب کے بڑے بھائی مولوی منظور احمد رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستان کو خیرباد کہہ کر حیدرآباد، سندھ کو اپنا مستقر بنایا۔ ابھی آپ کو حیدرآباد میں کچھ ہی روز ہوئے تھے کہ علیل ہو گئے اور تیمارداری کے لئے پروفیسر صاحب کو دہلی سے حیدرآباد جانا پڑا۔ یہ وہ وقت تھا

کہ سفر بالکل غیر مأمون تھا۔ گھر سے نکلنا مصائب و شدائد کو دعوت دینا تھا حضرت مفتیٔ اعظم کے ارشاد پر آپ حیدر آباد تشریف لے گئے۔ راستہ میں جن مشکلات کا سامنا ہُوا، اُن کی تفصیل سن کر پروفیسر صاحب کی دانشمندی اور عزم و استقلال کا اندازہ ہوتا ہے۔ اِس نو عمری میں بھی آپ سنجیدگی اور مستقل مزاجی کے اعلیٰ مراتب پر فائز تھے۔ کئی دِنوں کی متواتر مشقت اور صبر آزما مشکلات کا سامنا کرتے ہوئے جب پروفیسر صاحب حیدر آباد پہنچے تو اُس وقت برادرِ کلاں مولوی منظور احمد رحمۃ اللہ علیہ کو شدید بیمار پایا۔ وطن سے دُور، حالات سے چُور، گوناگوں مشکلات میں رنجور آپ مولانا موصوف کی تیمار داری میں مصروف ہو گئے۔ چند ہی ماہ بعد فاضلِ اجل مولوی منظور احمد نے داغِ مفارقت دیا، اور دُنیا سے رحلت فرما گئے۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔ پروفیسر صاحب کے لئے وقت کتنا مشکل ہوگا، اِس کا اندازہ ہر دردمند لگا سکتا ہے۔ نہ اپنا گھر تھا اور نہ در، پھوپھی صاحبہ کا سایہ ضرور تھا لیکن والدین کا سایۂ عاطفت وہاں موجود نہ تھا۔ سب ہی بھائی اور بہنوں سے دُور غربت کے ایام میں اپنی زندگی کو بنانا اور سنوارنا شروع کیا اور علوم متداولہ کی تحصیل میں ہمہ تن مشغول ہو گئے۔ جوان سال بھائی کی جدائی کا صدمہ تنہا ہی برداشت کیا اور اُس سرزمین کو ہمیشہ کے لئے اپنانے کا فیصلہ کر لیا جس سرزمین پر جوان العمر عالم و فاضل بھائی نے رحلت فرمائی تھی۔ آپ کے جدِ اعلیٰ فقیہ اللہ شاہ محمد مسعود علیہ الرحمۃ کا روحانی فیض تھا کہ قدم قدم پر فلاح و کامرانی نے آپ کا استقبال کیا اور حالات سازگار ہوتے چلے گئے۔ اِس نو عمری میں آپ نے اپنی سبھی خواہشاتِ نفسانیہ کو خیر باد کہدیا اور ہمہ تن تحصیل علم میں مشغول ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے دین کی خدمت کے لیۓ پروفیسر صاحب کو پروان چڑھانا تھا۔ کسے معلوم تھا کہ وطن سے ہجور یہ نو عمر طالب علم آگے چل کر آفتابِ عالمتاب کے منصب پر فائز ہوگا۔

طالب علمی کے دور سے ہی آپ بہت ذہین تھے۔ متعلقہ مضامین پر آپ کو عبور تھا اور آپ کی ذہانت کا چرچا اساتذہ اور طلباء میں یکساں تھا۔ تعلیم کے دوران ہی بے شمار طلبہ کی رہنمائی فرمائی اور ازراہِ محبت و ہمدردی فارغ اوقات میں طلبہ کو پڑھانا بھی شروع کر دیا۔ کبھی بھی آپ نے پڑھانے کا معاوضہ نہیں لیا بلکہ اپنے پاس سے ضرورتمندوں کی ہمیشہ مدد کی اور ایثار سے کام لیتے ہوئے اپنی ضروریات پر دوسروں کی ضروریات کو ترجیح دی۔ آپ کا نام طلباء میں مشہور ہو گیا اور شائقینِ علوم کا تانتا سا لگ گیا۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ پروفیسر صاحب نے کبھی کسی کو منع نہیں کیا۔ دن میں طلباء کو پڑھایا اور راتوں کو خود پڑھا۔ آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ یہ ایثار اور جذبہ اٹھارہ سال کی کم عمری میں غربت کے ایام میں حاصل ہونا اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت تھی۔ یہ سب آپ کے والدِ ماجد شیخ کامل مفتیٔ اعظم شاہ محمد مظہر اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا فیض تھا جو جاری رہا۔ دورانِ طالب علمی آپ نے کچھ کتابوں کے تراجم بھی کئے اور ہر طرح علمی فیض جاری رہا۔

علم و فضل

علم و فضل:۔ ہر امتحان میں پروفیسر صاحب نے نمایاں کامیابی حاصل کی اور ایم۔اے کے امتحانات میں طلائی اور نقرئی تمغوں سے آپ کو سرفراز کیا گیا اور ادبیات پر آپ کو بے مثال دسترس حاصل ہے جو آپ کی تصنیفات سے پوری طرح ظاہر و باہر ہے۔ پی۔ایچ۔ڈی کے لئے آپ نے خالصتاً دینی جذبہ کے تحت موضوع کا انتخاب فرمایا اور "اردو میں قرآنی تراجم و تفاسیر" کے عنوان سے نہایت شرح و بسط کے ساتھ تحقیقی مقالہ سپردِ قلم فرمایا جس کو ممتحنین نے بہت زیادہ پسند کیا اور آپ کو ڈاکٹریٹ کی ڈگری سے سرفراز کیا گیا۔ تحقیقی موضوع کے اس انتخاب سے آپ کے فطری دینی ذوق اور جذبہ کا پتہ لگتا ہے۔ اللّٰھم زد فزد۔

شفقت و محبت :- متداولہ علوم پر عبور کی شہرت نے پروفیسر صاحب کو ہر اک کی نظر میں محبوب و محترم بنا رکھا تھا۔ ۱۹۵۸ء میں آپ کالج میں شعبۂ اُردو کے لیکچرر ہو گئے۔ آپ کا طرزِ تدریس نرالا تھا۔ مُخلصانہ اور شفقانہ انداز میں درس دیتے جس سے طلباء کے ذہنوں میں اصلِ موضوع راسخ ہوتا چلا جاتا۔ کلاس میں پڑھایا ہوا مضمون سالوں یاد رہتا اور تلامذہ آپ سے شرفِ تلمذ پر فخر کرتے اِسی لئے ہمیشہ آپ کا نتیجہ اعلیٰ رہا۔ مزید برآں انتظامی اور علمی ممتاز صلاحیتوں کی وجہ سے بہت جلد آپ پر نظرِ انتخاب پڑی اور آپ کالج کے شعبۂ اُردو کے صدرِ باوقار بنائے گئے۔ ذمہ داریوں کی انجام دہی میں آپ نے صداقت و دیانت کا جو بے مثال مظاہرہ فرمایا اس سے آپ کی قدر و منزلت افسران اور اسٹاف کی نظروں میں دوبالا ہوتی چلی گئی۔ چند ہی سال میں آپ کالج کے پرنسپل مقرر فرما دیئے گئے۔ ۱۹۷۰ء سے ۱۹۹۲ء تک چھ متعدد کالجوں میں صوبہ سندھ میں درس کا ایک طویل وقفہ اسی جلیل القدر منصب پر گزرا۔ حکومتِ پاکستان آپ کی امانت اور دیانت، قابلیت اور حُسنِ انتظام کے لئے ہمیشہ آپ کو قدر سے دیکھتی رہی۔ آخر ایّام میں آپ کراچی میں وزارتِ تعلیم کے دفتر میں ایڈیشنل سیکرٹری کے عظیم عہدے پر فائز ہوئے۔ پروفیسر صاحب وزراء کے قرب کو دل سے مرغوب نہیں رکھتے تھے۔ آپ نے چند ماہ بڑی لگن کے ساتھ اس دفتر میں کام فرمایا اور تھوڑی مدت میں سالوں کے التواء میں پڑے ہوئے کام انجام دے دیئے۔ آپ کے ہوتے ہوئے ماتحتوں کو "حقِ خدمت" لینے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ اللہ کا کرنا ہوا کہ دوبارہ آپ سکھر میں پرنسپل کے عہدے پر مامور فرما دیئے گئے اور اسی منصب سے ریٹائر ہوئے ——— پروفیسر صاحب نے سروس کی طویل مدت میں کبھی بھی اپنے عظیم منصب

کا بے جا استعمال نہیں فرمایا بلکہ پوری مستعدی کے ساتھ کالج کی خدمت کو فرضِ اولین سمجھا۔ آپ نے سروس کو حصولِ زر کے لئے نہیں اپنایا بلکہ آپ کے سامنے آقائے دوجہاں رحمۃ للعالمین کی حدیثِ پاک تھی:

لان یھدی اللہ بک رجلا خیر لک من حمر النعم

"(اے علی! تمہارے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اگر ایک آدمی کو بھی راہِ ہدایت فرمادی تو یہ نعمت تمہارے لئے دُنیا کی بڑی سے بڑی دولت سے زیادہ قیمتی ہے"

چنانچہ پروفیسر صاحب نے سروس کو ملّت کی خدمت کا انمول موقع جانا اور ہزار ہا فرزندانِ توحید کو اپنے کردار و گفتار سے راہِ ہدایت عطا فرمائی۔ آپ کے حُسنِ اخلاق، معیاری ایڈمنسٹریشن اور فضل و کمال سے طلباء مرعوب رہتے تھے اور دل سے عزّت بھی کرتے تھے۔ آپ کے زمانۂ پرنسپل شپ میں ہر کالج برابر ترقی کرتا رہا۔ دُنیاوی علوم میں مہارت کے ساتھ آپ کے متشرّع تابناک نورانی چہرے کی زیارت سے طلباء کا باطن بھی جگمگا جاتا تھا۔ آپ کا ہر آرڈر طلباء کے لئے رحمت ہوتا تھا۔ یہ پروفیسر صاحب کی ایک ایسی نایاب اور نادر خصوصیت ہے جس کی مثال دوسروں میں ناممکن نہیں تو نادر الوجود ضرور ہے ——

پروفیسر صاحب کی مقبولیت اور احترام جتنا کالج میں تھا اُتنا ہی گھر میں اور رشتہ داروں میں بھی تھا۔ عام طور پر اسکالروں میں یہ صفت بہت کم پائی جاتی ہے۔ باہر کے لوگ تو فن پر مجبور ہونے یا بیرونی خلوص اور مصلحت پسندی کی وجہ سے تعریف کرتے ہوئے نظر آتے ہیں لیکن گھر والوں کی نظر میں اُن کا وہ احترام نہیں ہوتا جو باہر ہوتا ہے اس کی وجہ بالکل فطری ہے وہ یہ ہے کہ جو باہری لوگوں سے محبت کا برتاؤ کرتے ہیں اور گھر میں بچوں اور رشتہ داروں سے اُن کا برتاؤ محبت کا نہیں ہوتا بلکہ اُن پر برتری کا رُعب جھاڑتے ہیں تو اُن کو اپنوں میں مقبولیت

اور احترام حاصل نہیں ہوتا۔ پروفیسر صاحب اس صفت میں ممتاز ہیں۔ وہ جتنی اپنے دوستوں اور احباب سے محبت فرماتے ہیں اُتنی ہی محبت قریبی رشتہ داروں سے بھی فرماتے ہیں۔ آپ جتنی محبت اور شفقت تلامذہ پر فرماتے ہیں اُتنی ہی محبت قریبی رشتہ داروں بچوں پر اور روحانی اولاد (مُریدین) پر بھی فرماتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہر جگہ پر آپ کو یکساں عظمت و احترام حاصل ہے۔ آپ کے اندر لگتا ہے کہ غصّہ ہے ہی نہیں۔ نہ کبھی تلامذہ پر ناراض ہوتے کسی نے دیکھا اور نہ ماتحتوں پر، نہ اپنی اولاد پر اور نہ روحانی اولاد پر۔ لیکن آپ کی تربیت کا انداز اتنا پیارا ہے کہ محبّت اور شفقت سے ہی غصّہ کی ضرورت بھی پوری ہو جاتی ہے۔ بہت سے لوگ رُعب ڈال کر اور جا بے جا غصّہ ہو کر اپنا اثر ڈالنا چاہتے ہیں۔ پروفیسر صاحب اُس طرز کو پسند نہیں فرماتے اور بڑی کامیابی سے غلطیوں کی اصلاح فرما دیتے ہیں ـــــ اس طرف سب کو توجہ دینے کی ضرورت ہے اور تربیت کا یہی طریقہ مسنون بھی ہے تو کیوں کر کامیاب نہ ہو۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ کبھی غصّہ فرماتے تھے اور نہ کبھی بچوں کو ڈانٹتے اور نہ مارتے تھے۔ محبت سے ہی ہمیشہ اصلاح فرما دیتے تھے۔ پروفیسر صاحب نے اسی کی پیروی کی اور کامیاب ہوئے۔

فرض شناسی:۔ پروفیسر صاحب نے کالج کی ذمہ داریوں کو پورے اِنہماک کے ساتھ ساتھ انجام دینے کے ساتھ ساتھ ہمیشہ اپنے وقت کو مرتّب انداز میں تصنیف و تالیف اور تعمیری کاموں میں معروف رکھا۔ کالج کی پرنسپل شپ کی ذمہ داری کوئی کم نہیں ہوتی۔ آئے دِن فِتنے سر اُٹھاتے رہتے ہیں۔ اور پرنسپل حضرات مشکلات کا شکار رہتے ہیں۔ کچھ پرنسپل حضرات اپنے

افسرانِ بالا کی خوشامد اور چاپلوسی میں اس قدر مصروف ہو جاتے ہیں کہ انہیں اپنی ذمہ داری کا احساس ہی نہیں رہتا اور اصل ذمہ داری سے غفلت ہو جاتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے مشن میں ناکام ہو جاتے ہیں —— پروفیسر صاحب کی باعمل شخصیت کا فیض یہ تھا کہ کالج میں ہر ایک مصروفِ عمل نظر آتا تھا۔ اساتذہ بھی اپنے کام میں مصروف ہو جاتے تھے اور طلباء بھی۔ خال خال ہی پروفیسر صاحب کو تنبیہہ یا تاکید کرنے کی نوبت آتی تھی۔ اُستاد ہو یا طالب علم ہر اک اپنے پرنسپل کی فرض شناسی اور احساسِ ذمہ داری سے اخلاقی طور پر مرعوب نظر آتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ پروفیسر صاحب یکسوئی سے تالیف و تصنیف کے کام میں مصروف رہتے۔

حکامِ بالا سے بوقتِ ضرورت ملتے تھے لیکن پوری عظمت اور وقار کے ساتھ۔ کبھی نام و نمود یا شہرت کے لئے آپ کسی سے نہیں ملے۔ آپ کی شہرت پورے پاکستان میں تھی لیکن کبھی آپ نے اپنے لئے کسی افسر سے کوئی بات نہ کی۔ جب اور جہاں متعلقہ وزارتِ تعلیم نے ضرورت محسوس کی، تبادلہ کیا۔ آپ نے بلا تامّل قبول کیا۔ ایک وقت تو یہ بھی آیا کہ پروفیسر صاحب کو ٹھٹھی میں کالج کا پرنسپل بنا کر بھیجا گیا۔ آپ نے بخوشی قبول فرمایا۔ یہ وہ علاقہ تھا جہاں غیر مسلم آبادی ۸۰ فیصد یا کم و بیش تھی۔ آپ نے اس کالج کی تعمیر کرائی اور غیر مسلم طلباء میں وہ مقبولیت حاصل کی کہ شاید و باید —— آپ نے کبھی بھی کالج کے کسی فنڈ کو بے دریغ اسراف سے خرچ نہیں فرمایا اور ہر کالج کی تعمیر میں بے حد محنت فرمائی۔ پروفیسر صاحب کے حسنِ اخلاق کی وجہ سے غیر مسلم طلبہ و اساتذہ بھی بہت پسند کرنے لگے اور اسلام سے قریب آگئے۔ کالج میں آپ نے باجماعت نماز کی ادائیگی کا انتظام کیا اور اس طرح سے دین کی خدمت فرمائی۔ دو کالجوں میں مسجدیں بھی بنوائیں۔

جذبۂ خدمت:- اِس کے علاوہ سروس کے دوران آپ نے بے شمار اداروں کی علمی خدمت فرمائی۔ ادارۂ تحقیقاتِ امام رضا (کراچی) اس کی تابندہ مثال ہے۔ ادارہ کے کارکنان کے دل سے پوچھئے کہ وہ پروفیسر صاحب کے کتنے مرہونِ منت ہیں اور دل سے دُعا گو ہیں۔ اگر یہ کہا جائے تو درست ہو گا کہ اہلِ سُنّت کے روشن مینار پروفیسر صاحب ہیں جنھوں نے فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کا پرچار سارے جہاں میں فرما دیا اور مسلک اہلِ سُنّت کی خدمت فرمائی جس کی نظیر نہیں ملتی۔

کالج کے پرنسپل کا ایک بڑا مرتبہ ہوتا ہے۔ اُس کی شان و شوکت دیدنی ہوتی ہے۔ اُس کے پاس کار اور بنگلہ ہوتا ہے اور ٹیلیفون وغیرہ کی سہولیات بدرجہ اتم ہوتی ہیں۔ پروفیسر صاحب نے اِس قسم کے امور میں غایت درجہ احتیاط سے کام لیا۔ آپ نے سرکاری گاڑی یا سرکاری ٹیلیفون کو نجی ضرورت کے لئے استعمال نہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کے ماتحت اسٹاف اور طلباء نے اس احتیاط اور دیانت داری سے بہت کچھ سبق لیا اور اس احتیاط کی وجہ سے پروفیسر صاحب کی قدر و منزلت رُفقاء، طلباء اور ماتحتوں میں بہت بُلند ہوتی چلی گئی ——— آپ کی یہ خصوصیت رہی کہ آپ نے کبھی اپنے کام کو دوسروں کے سپُرد نہیں کیا بلکہ پورا وقت دے کر اپنے سے متعلقہ امور خود انجام دیا۔ البتہ اپنے ماتحتوں کے کام میں اُن کی رہنمائی فرما کر مدد کی جس سے ماتحت اسٹاف آپ کا گرویدہ ہو گیا۔ یہ مثال بھی بہت کم پائی جاتی ہے۔

تواضع و انکساری:- اپنے پاس آنے والوں کی خاطر تواضع میں آپ بہت فیاض اور خوش خلق ہیں۔ گھر آنے والوں کی خاطر تواضع بشاشت

کے ساتھ فرماتے ہیں۔ اس معاملہ میں آپ کی اہلیہ ماجدہ کا اخلاق اور ضیافت کا جذبہ بھی قابلِ تحسین ہے۔ اِن سب کے باوجود کبھی آپ نے سرکاری پیسہ میں سے اس کا حساب نہیں لیا۔ آپ کی زندگی کا ایک ایک گوشہ ایسا ہے جو سرچشمۂ رُشد و ہدایت ہے۔ جس نے لوگوں کے دِلوں پر انمٹ نقوش ثبت کئے ہیں۔ نتیجہ یہ تھا کہ آپ کے حلقہ میں کہیں بھی رشوت یا بد دیانتی کی کسی کو ہمت نہیں ہوتی تھی۔

دُنیا سے بے رغبتی:۔ تصنیف و تالیف کو آپ نے کبھی حصولِ زر کا ذریعہ نہیں بنایا۔ آجکل یہ بھی آمدنی کا بہترین ذریعہ ہے کہ کتاب لکھدی جائے اور رائلٹی کے نام پر پبلشرز سے معاوضہ حاصل کیا جائے۔ آپ نے اس حرص آمیز رسم کو عملاً ختم فرمایا۔ آپ نے جو بھی کتاب لکھی وہ معیاری پبلشرز کو بلا معاوضہ دی تاکہ پبلشرز کم قیمت پر اُسے زیادہ سے زیادہ طبع کرائے۔ یہ بھی خدمت کا ایک نہایت تابناک باب ہے جس پر مصنفین اور مؤلفین کو توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ آپ نے ہر عمل کو رضاءِ الٰہی کے حصول کے لئے کیا اور ماشاءاللہ وہ آپ کو حاصل ہوئی۔ اللہ کا شکر ہے کہ پروفیسر صاحب تقریباً ۷ تحقیقی تصانیف کے مصنف اور مؤلف ہیں جو نہ صرف برِاعظم ایشیا میں بلکہ سارے عالم میں مقبول ہیں اور ان کے تراجم عالمی زبانوں میں بھی شائع ہو رہے ہیں ــــــ پروفیسر صاحب کی تحریر میں شگفتگی اور شائستگی بدرجہ اتم پائی ہے۔ اِن تصانیف سے جہاں فرزندانِ توحید فیضیاب ہو رہے ہیں وہاں دیگر مذاہب کے پیرو بھی فیض یاب ہو رہے ہیں۔ اب تک پروفیسر صاحب نے جن موضوعات پر تصانیف فرمائی ہیں اُن میں سے چند اہم موضوعات یہ ہیں:۔

سیرتِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم، اتباعِ سُنّت کی اہمیت، قرآنِ کریم کی عظمت، قرآنِ کریم کا عالمی پیغامِ دعوت، قرآنِ کریم کے اُردو تراجم و تفاسیر، سوانح حضرت شاہ محمد غوث گوالیاری علیہ الرحمہ، سوانح حضرت امام ربّانی مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ، سوانح حضرت مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی علیہ الرحمہ، علم حدیث، علمِ فقہ، ادبیاتِ اُردو، ادبیاتِ فارسی، ادبیاتِ انگریزی، علامہ اقبال، تمدنِ ہندوستان، حیدر آباد کی معاشی تاریخ —— سینکڑوں فکر انگیز اصلاحی مضامین اور مقالات[1] (ان کی مکمل تفصیل قبلہ پروفیسر صاحب کی سوانح کے حوالے سے سرہند پبلیکیشنز کے زیرِ اہتمام شائع ہونے والی کتاب منزل بہ منزل مرتبہ محمد عبدالستار طاہر۔ میں ملاحظہ فرمادیں۔ منزل بہ منزل دسمبر ۱۹۹۲ء تک کی تحریرات کی ببلوگرافی ہے)

ابھی تصانیف کا سلسلہ جاری ہے۔ پروفیسر صاحب بڑی محنت اور کاوش کے ساتھ سیرتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک جامع مبسوط کتاب تحریر فرما رہے ہیں جس میں آقائے دوجہاں، رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت اور صداقت دوسرے ادیان کی روشنی میں ثابت فرمائیں گے۔ تاکہ یہ کتاب عالمی طور پر دعوت الی اللہ کی اہمیت کی حامل ہو۔ یہ کتاب نہ صرف فرزندانِ توحید کے لئے بلکہ دیگر ادیان کے ماننے والوں کے لئے بھی بے حد مُفید اور قابلِ مطالعہ ہوگی۔ انشاءاللہ یہ مبسوط تصنیف اپنی نوعیت کی بے مثال اور یکتا تصنیف ہوگی۔

پروفیسر صاحب کے ساتھ ایک نہایت تعجب خیز بات یہ ہے کہ آپ کی بیشتر بلکہ سب ہی تحقیقی عظیم تصانیف سروس کے زمانہ کی ہیں جو آپ کا بے حد مصروف

---

[1] ہماری درخواست ہے کہ پروفیسر صاحب اپنی سروس کے زمانے کے جو تجربات ہیں انہیں بھی قلمبند فرمائیں تاکہ آنے والی نسلوں کو اس سے فائدہ ہوسکے۔ آپ کی یہ تصنیف اساتذہ اور طلباء نیز حکومتِ پاکستان کے لئے انمول سرمایہ ہوگی۔ اگر پاکستانی سرکار ماہر تعلیم پروفیسر صاحب کی نگرانی میں کورسز کا نصاب تیار کرادے تو درحقیقت ملک کی خدمت ہوگی۔

زمانہ تھا۔ اِس بات سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اگر کوئی اپنے وقت کو منظم اصولوں کے مطابق گزارنے کا عہد کرلے تو اللہ تبارک و تعالیٰ بھی اُس کی دستگیری فرماتا ہے۔ اور اُس پروردگار کی دستگیری کے بعد وسائل تابع اور فرماں بردار ہوتے چلے جاتے ہیں۔ جس "وقت" کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ کسی کے لئے نہیں رُکتا اور تیزی سے گزرجاتا ہے وہی "وقت" اللہ والوں کے تابع نظر آتا ہے اور وہ اپنے بڑے بڑے کام اسی مختصر سے وقت میں انجام دے دیتے ہیں۔ پروفیسر صاحب مدظلہ کی عظیم تصانیف اِس دعوے کی شہادت کے لئے کافی ہیں ——

تعلیمی میدان میں اتنی کامیاب کارکردگی کے ساتھ قابلِ قدر بات یہ ہے کہ پروفیسر صاحب سب ہی کے ساتھ بلا امتیاز محبت اور اخلاق کا معاملہ کرتے ہیں۔ آپ کا عمل احادیث شریفہ کی روشنی میں ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ رشتے ناطے جوڑو اُن سے بھی جو جوڑتے ہیں اور اُن سے بھی جو توڑتے ہیں۔ تمہارے لئے تمہارا عمل ہے، اگر کوئی رشتے توڑتا ہے اور اپنے مُسلم بھائی بہن سے تین دن سے زیادہ بول چال بند کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی میں آجاتا ہے

شفقت و محبّت:۔ آپ کی زندگی کا ایک اور تابناک گوشہ یہ بھی ہے کہ بے حد مصروفیات کے باوجود آپ احباب کی دلجوئی میں سُنتِ سَنیّہ کی پوری پیروی فرماتے ہیں۔ احباب کی دعوت قبول فرماتے ہیں اور کبھی ناگواری کا اظہار بھی نہیں فرماتے۔ آپ اپنی مصروفیات کو دوسروں پر بوجھ بنا کر نہیں پیش فرماتے بلکہ احباب کی خاطر خود بھی مشکلات کو جھیلتے اور برداشت کرتے ہیں۔

حضرت پروفیسر صاحب شیخِ طریقت بھی ہیں۔ آپ کے مُریدین کی تعداد الحمدللہ کافی ہے اور آپ کا روحانی فیضان جاری ہے۔ مُریدین ہر طرح کے ہوتے ہیں،

باادب بھی اور بے ادب بھی۔ آپ مُریدین کی اصلاح اور تربیت میں بڑی برداشت اور عفو و صلح سے کام لیتے ہیں۔ کچھ مشائخ اپنے مُریدین کو ڈانٹتے اور مارتے بھی ہیں۔ کچھ مشائخ مُریدین سے ملازموں اور نوکروں کا برتاؤ کرتے ہیں۔ پروفیسر صاحب کا معاملہ ہی نرالا ہے۔ آپ کی زندگی کا ہر گوشہ سُنّت کی پیروی کا آئینہ دار ہے۔ مُریدین پر آپ کی عظمت کی ہیبت نہیں ہوتی۔ وہ محبت سے قریب آتے چلے جاتے ہیں۔ آپ کی مجالس میں ظرافت اور علمیت کا مناسب امتزاج ہوتا ہے۔ مُریدین آدابِ مجلس سیکھنے میں پریشان نہیں ہوتے بلکہ بغیر کسی مشکل کے آدابِ مجلس سے آشنا اور اس کے خُوگر ہو جاتے ہیں۔

آپ مُریدین کو زیادہ اوراد و وظائف کی تلقین بھی نہیں فرماتے بلکہ اس بارے میں آپ کا عمل اپنے مُرشد و والدِ ماجد شیخ الاسلام حضرت مفتیِ اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ کے طرز پر ہے۔ حضرت قبلہ مفتی صاحب علیہ الرحمہ اپنے مُریدین کو ادائیگی فرائض، تلاوتِ قرآنِ کریم اور اتباعِ سنّت کی تاکید فرماتے زیادہ سے زیادہ استغفار اور درودِ پاک کا ورد بتاتے۔ بس یہی پروفیسر صاحب کا طریقہ ہے۔ آپ مُریدین کے اندر اپنی نظرِ فیض اثر سے وہ ملکہ پیدا فرما دیتے ہیں کہ وہ خود بخود شریعت اور سُنّت کے خُوگر ہوتے چلے جاتے ہیں۔ آپ کے مُریدین سُنّت سے آراستہ اور شریعت سے واقف ہوتے ہیں۔ غیر شرعی اور لایعنی باتوں سے احتراز کرنے کا ملکہ اُن کے اندر بدرجۂ اتم پایا جاتا ہے۔ احباب و مُریدین پر مشتمل ایک روحانی محفل کراچی میں ہر ماہ منعقد ہوتی ہے جس کی سرپرستی اور نگرانی خود پروفیسر صاحب فرماتے ہیں۔ یہ ماہانہ محفل کیا ہوتی ہے، ایک اصلاحی کورس ہوتا ہے۔ اس محفل میں ہر طرح کی تربیت ملحوظِ خاطر رہتی ہے جو نوآموز ہوتے ہیں اُن کی حیثیت کے مطابق رہنمائی کی جاتی ہے۔ مختصر اور

جامع بیان ہوتا ہے جس میں سُنّتِ سنیہ کی تعلیم بڑے حسین اور دلچسپ پیرائے میں کی جاتی ہے۔ اِس محفل کی رونق اور فیض قابلِ رشک ہوتا ہے۔ اِس میں شریک ہونے والے ہر ماہ اِس محفل کا انتظار کرتے ہیں اور فیضیاب ہوتے ہیں —— آپ بڑی سے بڑی بیماری پر اللہ کا شکر فرماتے ہیں۔ برداشت بے پناہ ہے۔ زبان سے کلمۂ شکوہ نہیں ادا فرماتے۔ اسی بات کی تلقین عملاً مُریدین کو ہو جاتی ہے اور وہ بھی صبر کا پیکر بن جاتے ہیں۔

پروفیسر صاحب اپنے اخلاقِ کریمانہ سے محبّت کا برتاؤ فرماتے ہیں اور ہر خط لکھنے والے کو خط کا جواب بڑی مستعدی اور پابندی سے عنایت فرماتے ہیں۔ اس سلسلہ میں بھی پروفیسر صاحب اپنے والدِ ماجد شیخِ کامل حضرت مولانا مفتی محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ کی عادت شریفہ کے مطابق عمل فرماتے تھے۔ حضرت قبلہ مفتی صاحب کی بھی یہ عادت شریفہ تھی کہ ہر خط لکھنے والے کو بڑی پابندی سے خطوط کا جواب عنایت فرماتے تھے اور باوجود ضعف، علالت اور نقاہت کے بھی خود ہی خطوط کے جوابات تحریر فرماتے تھے۔ حضرت پروفیسر صاحب مدّظلہ کی بھی یہی عادت شریفہ ہے۔ آپ نے ہر زمانہ میں اپنے محبّین کی بھرپور دلجوئی فرمائی اور کبھی خطوط کے سلسلہ میں لاپرواہی نہیں فرمائی۔ بلکہ محبّین کے خطوط ملنے میں اگر تاخیر ہوتی ہے تو آپ خود کرم فرماتے ہیں اور خیریت کا استفسار فرماتے ہیں۔ آپ کا یہ عمل بھی سُنّت کا آئینہ دار ہے۔

پروفیسر صاحب کے شاگردوں کا دائرہ احباب و متوسلین بے حد وسیع ہے۔ سارے عالم میں تقریباً آپ کے تلامذہ پائے جاتے ہیں۔ چونکہ آپ کے پاس آنے والے خطوط علمی ہوتے ہیں۔ اکثر خطوط میں نہایت دقیق معاملات میں استفسار ہوتے ہیں جن کا آپ کا تحقیقی جواب لکھتے ہیں۔ اس طرح آپ کا فیض

بلاواسطہ اور بالواسطہ جاری رہتا ہے ـــــــ پروفیسر صاحب خطوط کے جواب خود ہی لکھتے ہیں۔ آپ نے کبھی کسی سے یہ مطالبہ نہیں فرمایا کہ جوابی لفافہ ساتھ رکھیں۔ یہ آپ کی فیاضی اور غایت محبت کی اعلیٰ مثال ہے۔

پروفیسر صاحب کی ایک خصوصیت ایسی ہے جو سب پر غالب ہے اور وہ ہے چھوٹوں سے محبت اور اُن کی ہمت افزائی۔ آپ میں حسد اور خود پسندی نام کو بھی نہیں ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ لوگ اپنے چھوٹوں کی ہمّت افزائی نہیں کرتے بلکہ ہر جگہ خود ہی آگے رہنا پسند کرتے ہیں۔ پروفیسر صاحب نے ہمیشہ کم علم اور چھوٹوں کی ہمت افزائی فرمائی اور انہیں آگے بڑھایا ہے۔ اسی جذبۂ شفقت کا اثر ہے کہ آج آپ کے مُریدین میں آپ کی اس تربیت کی مثال ملتی ہے اور نجی مجالس میں آپ کے مُریدین اور محبّین کامیابی سے تقریر کرتے ہیں اور تحریر کا ملکہ پا چکے ہیں۔ روحانی تربیت کے سلسلہ میں بھی پروفیسر صاحب کامل حضرت قبلہ مفتیٔ اعظم علیہ الرحمۃ کے نقشِ قدم پر ہے۔ آپ عمومی مجالس میں لمبی لمبی تقاریر کو پسند نہیں فرماتے تھے، یہی پروفیسر صاحب کا طریقہ ہے۔ آپ کی محفل اتباعِ شریعت کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ مجلس میں لا یعنی باتوں کا کوئی حصّہ نہیں ہوتا۔ غیبت اور الزام تراشیوں سے آپ کی محفل خالی ہوتی ہے۔ مجلس میں خشکی نہیں ہوتی بلکہ اتباعِ سُنّت میں ظرافت اور شائستگی کا امتزاج ہوتا ہے۔ کم اور کام کی بات پر آپ کا دھیان ہوتا ہے۔ اسی صحبت کا اثر ہے کہ آپ کے صحبت یافتہ مُریدین اور مُحبّین بھی اس پر عمل کرتے ہیں اور گناہ سے بچے رہتے ہیں

پروفیسر صاحب کے مزاج میں سادگی اور تواضع ہے۔ پاکیزگی، عفت، شرم وحیا میں آپ لاثانی ہیں۔ الحیاء شطر الایمان (حدیث پاک)

"حیا ایمان کا جزو ہے" پر آپ کا پورا عمل ہے۔ لباس میں، قول و فعل میں، کردار اور گفتار میں آپ عاجزی اور سادگی کو پسند فرماتے ہیں۔ وہ تکلف جو افسران یا مشائخ میں پائے جاتے ہیں، آپ اُن سے دُور رہے اور اسی کی تاکید فرماتے رہے۔ آپ کا سلوک بڑوں اور چھوٹوں کے ساتھ محبت اور خلوص کا ہوتا ہے۔ ماتحتوں سے محبت کا برتاؤ کرنا اور ملازموں کے کاموں کو ہلکا کرنا آپ کا طرۂ امتیاز ہے۔ اسی وجہ سے آپ ہر کالج اور ہر دفتر میں محبوب رہے اور آپ کا تبادلہ اسٹاف اور ملازموں کے لئے ایک دوست کی جُدائی کا وحشت اثر ہوا کرتا تھا۔ اسٹاف آبدیدہ ہو کر آپ کو رُخصت کرتا تھا اور ساری زندگی آپ کی سادگی اور محبت کو یاد رکھتا تھا۔

اس عاجزی اور تواضع کا ثمرہ ہے کہ پروفیسر صاحب اسٹیج پر تشریف رکھنے سے گریز فرماتے ہیں۔ آپ اپنی سادگی میں ایک بہترین مثال ہیں۔ خدمات کے سلسلہ میں آپ کو جو سرکاری اعزازات سے نوازا گیا اُس میں بھی آپ نے اپنے صاحبزادے مسرور میاں کو اعزاز کے وصول کرنے کا حکم دیا اور خود احتراز فرمایا۔ اس طرز میں آپ نے دو اصول باتوں پر عمل فرمایا۔ ایک تو یہ کہ انسان کو دُنیاوی اعزازات کے مقابلہ میں آخرت کے اعزازات کو حاصل کرنے کی فکر کرنی چاہیئے اور دوسرے اسٹیج پر نمود و نمائش سے احتراز کرنا۔

آپ ہمیشہ اپنے چھوٹوں کی غلطیوں کی نشاندہی بڑی محبت سے فرماتے ہیں۔ اصلاح کا انداز اس قدر پیارا ہوتا ہے کہ دل بھی نہ ٹوٹے اور اصلاح بھی ہو جائے۔ اس کا تجربہ بے شمار مواقع پر اکثر و بیشتر لوگوں کو ہوا ہے۔ خود عاجز کو تجربہ ہے۔ احقر اوائل عمری سے ہی پروفیسر صاحب سے خط و کتابت کا خوگر تھا۔ دس گیارہ سال کی عمر سے برابر خط و کتابت کا شوق رہا۔ ماشاءاللہ پاکستان میں

عاجز کے رشتہ دار بہت ہیں لیکن پروفیسر صاحب کی دلجوئی اور شفقت نے اس کی ہمت بندھائی۔ آپ میر پور خاص، کالج میں تھے، یہ غالباً ۱۹۶۳ء کی بات ہے۔ احقر نے پروفیسر صاحب کو خط لکھا اور حیدر آباد کی اسپیلنگ HAIDERABAD لکھدی۔ پروفیسر صاحب نے جواب میں خط لکھا اور بڑی محبت کے ساتھ احقر کی غلطی کی نشاندہی فرمائی اور انگلش میں حیدر آباد کی اسپیلنگ بڑے اور چھوٹے انگریزی حروف میں لکھ کر بھیجی۔ گویا آپ یہ چاہتے ہوں کہ میں دونوں طرح اس کی مشق کروں۔ چنانچہ اس روز جو احقر کی اصلاح ہوئی آج تک وہ نقوش ذہن میں محفوظ ہیں۔ اگرچہ وہ پوسٹ کارڈ محفوظ نہیں رہا لیکن وہ تحریر اور اصلاحی نقوش اب بھی ذہن میں محفوظ ہیں۔ اسی طرح بیشمار موقعوں پر آپ نے عربی، فارسی، اردو اور انگریزی الفاظ کی اصلاح فرمائی اور یہ نقوش بحمدللہ محفوظ ہیں۔ اس انداز میں بھی پروفیسر صاحب کا انداز نرالا اور اچھوتا ہے۔ سچ ہے اللہ تعالیٰ نے پروفیسر صاحب کو حکمت بدرجۂ اتم عطا فرمائی ہے۔ دنیا میں اُن کا مقام و منصب اعلیٰ ہے، انشاء اللہ آخرت میں بھی اُن کا مقام نہایت اعلیٰ اور ارفع ہوگا —— اللہ تعالیٰ پروفیسر صاحب کو عمرِ دراز عطا فرمائے اور صحت و تندرستی سے نوازے تاکہ ملک و ملت زیادہ سے زیادہ فیضیاب ہو سکے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ و آلہ و بارک وسلم

آئینۂ رضویات

(حصّہ دوم)

— مرتّبہ —

محمّد عبدالستّار طاهر

سیرت

سوانح امام احمد رضا

مؤلف صاحبزادہ محمد نور المصطفیٰ

" جامع ابو حنیفہ، کالج روڈ سیالکوٹ کے خطیب انجمن طلبہ اسلام پاکستان کے سابق صدر، مکتبہ کریمیہ رضویہ کے ناشر، دار العلوم چشتیہ رضویہ کے بانی و ناظم اعلیٰ جناب علامہ ابو الفیض محمد عبد الکریم ابدالوی چشتی رضوی مؤلف "ضرب مجاہد" کے فرزند ارجمند صاحبزادہ محمد نور المصطفیٰ صاحب نے اپنے انداز میں سوانح امام احمد رضا کو مرتب کیا۔ جو ذکر رضا کے نام سے خانقاہ ڈوگراں ضلع شیخوپورہ سے شائع ہو چکی ہے۔"

شیخ عبد الفتاح ابو غدہ

پروفیسر کلیۃ الشریعۃ

(محمد بن سعود یونیورسٹی (ریاض) سعودی عرب)

"میرے ایک دوست کہیں سفر پر جارہے تھے، ان کے پاس فتاویٰ رضویہ کی ایک جلد موجود تھی۔ میں نے جلدی جلدی میں ایک عربی فتوے کا مطالعہ کیا، عبارت کی روانی اور کتاب وسنت واقوال سلف سے دلائل کے انبار دیکھ کر میں حیران وششدر رہ گیا اور اس ایک ہی فتوے کے مطالعے کے بعد میں نے یہ رائے قائم کر لی کہ یہ شخص کوئی بڑا عالم اور اپنے وقت کا زبردست فقیہ ہے۔" (ترجمۂ عربی)

(امام احمد رضا، ارباب علم ودانش کی نظر میں، ص ۱۹۴)

(۴۲)

پروفیسر عبد الشکور شاد

(کابل یونیورسٹی، کابل افغانستان)

"علامہ موصوف کی تحقیقی کاوشیں اس قابل ہیں کہ تاریخ ثقافت اسلامی ہندوستان و پاکستان میں بالتفصیل ثبت ہوں اور تاریخ علم و فرہنگ افاغنہ اور آریانا دائرۃ المعارف کو لازم ہے کہ اسمائے گرامی کو ساری مؤلفات کے ساتھ اپنے اداروں میں محفوظ کرے۔"

(پیغامات یوم رضا۔ ص ۳۳)

باسمہٖ تعالیٰ

تقدیم

برادرم مولانا صاحبزادہ محمد نور المصطفیٰ زید مجدہٗ قابلِ مبارک باد اور لائق تحسین ہیں کہ انہوں نے ذکرِ رضا کے عنوان سے امام احمد رضا کی مختصر سوانح مرتب کی ہے۔ انہوں نے اس میں سیرت کے تمام گوشوں پر روشنی ڈالی ہے۔ مثلاً خاندان، ولادت، طفولیت، تعلیم و تدریس، ذہانت و فطانت، بیعت و خلافت، زیارتِ حرمین شریفین، نعت گوئی اور شاعری، اخلاق و عادات، معمولات، سیاسی بصیرت، وعظ و ارشاد، خلفاء، تصانیف وغیرہ وغیرہ۔ مولیٰ تعالیٰ فاضل مصنف کو اجرِ عظیم عطا فرمائے اور مزید شوق و ذوق ارزانی عطا فرمائے آمین!

ہر لحظہ نیا طور، نئی برقِ تجلی
اللہ کرے مرحلۂ شوق نہ ہو طے!

امام احمد رضا کی سوانح پر متعدد حضرات نے قلم اٹھایا ہے۔ ہر ایک سوانح نگار نے اپنے اپنے ذوق اور رسائی کے مطابق اردو، عربی، انگریزی، گجراتی، بنگالی، سندھی وغیرہ میں سوانح اور مقالات لکھے ہیں۔ حقیقت میں امام احمد رضا کی شخصیت ایسی ہے جس کا بار بار ذکر ہونا چاہیئے۔ آپ کی نگارشات میں عشقِ رسول کی مہک ہے، گستاخیوں کا دھواں نہیں ـــــ آپ کی تحریریں نورانی ہیں، ظلماتی نہیں ـــــ دورِ جدید کی متعفن اور تاریک فضاؤں میں ایسی مہکتی اور نورانی تحریروں کی ضرورت ہے جو ذہنوں کو معطر کردے اور دلوں کو جگمگا دے۔ ؎

تو مری رات کو مہتاب سے محروم نہ رکھ
ترے پیمانے میں ہے ماہِ تمام اے ساقی

ہم سب کو عزیز گرامی مولانا محمد نور المصطفیٰ زید مجدہٗ کا ممنون ہونا چاہیئے
کہ انہوں نے اس فرض کو پورا کیا اور ایک اہم خدمت انجام دی۔ اللہ تعالیٰ
اُن کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور دارین میں خوب خوب نوازے۔ آمین

احقر

محمد مسعود احمد
پرنسپل، گورنمنٹ ڈگری کالج
ٹھٹھہ (سندھ)

ستمبر ۱۹۸۷ء

تذکرۂ مشائخِ رضویہ

مؤلفہ: مولانا عبد المجتبیٰ رضوی

" زیرِ نظر تحقیقی کتاب ۱۹۸۸ء میں تالیف ہوئی اور بنارس سے ۱۹۸۹ء میں شائع ہوئی۔ فاضل محقق محترم جناب مولانا عبد المجتبیٰ رضوی نیپالی صاحب نے ماہر رضویات حضرت ابوالسرور پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب زید عظمتہ' کو لکھا کہ تذکرہ مشائخ رضویہ پر آپ بالتفصیل تقدیم مرحمت فرمائیں ـــــ لیکن عدیم الفرصتی کے باوجود مختصر و مجمل تقدیم رقم فرما کر نوازا گیا "

طاہر

حضرت علامہ ابو الحسن زید فاروقی مجددی

(فاضل جامعہ ازہر مصر اور ہندوستان کے ممتاز محقق، عالم دین اور عارف کامل)

مولانا مفتی محمد مظہر اللہ صاحب[1] پیش امام جامع مسجد فتحپوری، دہلی نے حاجی سے بیان کیا۔

"میں نے اضحیہ کے متعلق مولانا احمد رضا خاں صاحب سے کچھ دریافت کیا۔ آپ نے اپنے ہاتھ سے مفصل جواب تحریر فرمایا۔ آپ نے بھیڑ کی اتنی قسموں کا بیان کیا کہ میں متعجب رہ گیا ـــــ میں نے اس تحریر کو حفاظت سے رکھا تھا۔ ایک دن میں اس کو دیکھ رہا تھا کہ مولانا کفایت اللہ[2] صاحب تشریف لے آئے اور اس تحریر کا مطالعہ کیا اور مجھ سے کہا:۔

اس میں کلام نہیں کہ مولانا احمد رضا خاں صاحب کا علم بہت وسیع تھا۔"

(ہفت روزہ ہجوم (نئی دہلی) امام احمد رضا نمبر دسمبر ۱۹۸۸ء، ص ۲، ک ۳)

---

[1] مسلک اہل سنت و جماعت کے عظیم عالم و عارف اور مفتی جن کے فتاوی پر لائیڈن یونیورسٹی ہالینڈ میں تحقیق ہو رہی ہے۔
[2] مسلک دیوبند کے مشہور و معروف مفتی جو مدرسہ امینیہ، دہلی میں صدر مدرس رہے۔

تقدیم

امام احمد رضا کی شخصیت محتاج تعارف نہیں، وہ اپنے دور کے عظیم مفسر بھی تھے اور محدث بھی۔ فقیہہ بھی تھے، مُفتی بھی، مُفکر بھی تھے، مدبّر بھی ——— مُصلح بھی تھے، مبلّغ بھی ——— بے مثال شاعر بھی تھے، ناشر بھی ——— بے نظیر مصنّف بھی تھے، مؤلّف بھی ——— باکمال محقّق بھی تھے، مدقّق بھی ——— مختصر یہ کہ وہ علومِ نقلیہ و فنونِ عقلیہ میں یگانۂ روزگار تھے ——— ہندوستان اُن پر فخر کرے تو اُس کو زیب دیتا ہے ——— عالمِ اسلام اُن کے حضور خراجِ عقیدت پیش کرے تو اُس کو سجتا ہے۔

امام احمد رضا کے وصال کو نصف صدی گزر جانے کے بعد پاک و ہند میں ان پر تحقیقی کام شروع ہوا جو گزشتہ تین عشروں میں اتنا آگے بڑھ چکا ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے اور جس سے چاہتا ہے، کام لیتا ہے۔ ہر کام کا ایک وقت ہے۔ امام احمد رضا پر کام کا یہی وقت تھا۔ اِس وقت عالمی سطح پر مختلف یونیورسٹیوں میں کام ہوا ہے اور ہو رہا ہے۔ مثلاً برکلے یونیورسٹی (امریکہ)، کولمبیا یونیورسٹی (امریکہ)، لائڈن یونیورسٹی (ہالینڈ)، نیو کاسل یونیورسٹی اور لندن یونیورسٹی (انگلستان)، کراچی یونیورسٹی (کراچی ——— پاکستان)، پنجاب یونیورسٹی (لاہور)، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی (اسلام آباد) سندھ یونیورسٹی (جامشورو)، پٹنہ یونیورسٹی (بھارت) وغیرہ وغیرہ۔

امام احمد رضا کی شخصیت، علمیت اور افکار و نظریات پر متعدد تحقیقی

مقالات لکھے گئے ہیں اور کتابیں شائع ہوئی ہیں۔ مختلف بین الاقوامی کانفرنسوں میں پڑھے جانے والے مقالات میں اُن کا ذکر واذکار ہوئے ہیں۔ لیکن اُن کی سوانح کا ایک پہلو ہنوز تشنہ تھا۔ اُس پر محبی مولانا عبد المجتبیٰ رضوی دام مجدہٗ نے نامساعد حالات کے باوجود بڑی ہمت و استقامت کے ساتھ کام کیا اور سلسلۂ رضویہ کے مشائخ کے حالات کو ایک لڑی میں پرو کر یکجا کر دیا۔ یہ وابستگانِ دامنِ رضویّت پر اُن کا عظیم احسان ہے۔ سب کو ان کا ممنون ہونا چاہیئے۔ حقیقت یہ ہے کہ امام احمد رضا پر خلوص سے کام کرنے والوں کو غیبی مدد ہوتی ہے۔ یہ راقم کا ذاتی تجربہ ہے اور یہ بارگاہِ ایزدی میں امام احمد رضا کی مقبولیّت کی دلیل ہے۔ مولیٰ تعالیٰ ہم سب کو اپنے محبوبوں کے دامن سے وابستہ رکھے۔ آمین! بے شک اُن کے نشانِ قدم ہی صراطِ مستقیم ہیں۔

دربارِ شہنشہی سے خوش تر
مردانِ خدا کا آستانہ

احقر

محمد مسعود احمد
پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج ٹھٹھہ
(سندھ)

۲۴ رجب المرجب ۱۴۰۸ھ
۱۴ مارچ ۱۹۸۸ء

مختصر سوانح امام اہلسنت مولانا احمد رضا خان بریلوی

مؤلفہ: پروفیسر فیاض احمد خاں کاوش

"زیرِ نظر مقالہ قبل ازیں انجمن نوجوانانِ اہلسنت، میر پور خاص، رضا لائبریری، میر پور خاص (سندھ) سے صفر المظفر ۱۴۱۰ھ / ستمبر ۱۹۸۹ء میں شائع ہوا تھا۔ تب اس کی ضخامت صرف ۱۶ صفحات تھے۔ لیکن رضا انٹرنیشنل اکیڈمی، صادق آباد، نے ۴۶ صفحات پر شائع کیا ہے۔ فاضل مصنف نے کافی اضافے کئے ہیں۔ میر پور خاص سے شائع ہونے والے مقالہ کی کتابت، قبلہ پروفیسر کاوش صاحب کے شاگرد جناب محمد قدرت اللہ بیگ صاحب نے کی تھی۔ جبکہ نئے دیدہ زیب، خوبصورت ٹائیٹل اور نئی کتابت سے رضا انٹرنیشنل اکیڈمی نے شائع کر کے کتاب صاحبِ کتاب اور ممدوحِ محترم کا حق ادا کر دیا ہے اور اس پر مستزاد حضرت مسعودِ ملت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مظہری مجددی زید مجدہٗ کی مرحمت کردہ تقدیم بھی ایک خصوصی اضافہ ہے۔"

مقبول جہانگیر مرحوم

(پنجاب کے مشہور دانشور اور صحافی)

"اعلیٰ حضرت کی شاعرانہ حیثیت بھی اتنی ہی وقیع اور عظیم ہے جتنی ان کی دوسری

حیثیتیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ تاریخ میں جو اچھے اچھے نعت گو شعرا گزرے ہیں ان سب کا ذکر کسی نہ کسی حیثیت سے ادب کی کتابوں میں موجود ہے، مگر اعلیٰحضرت کی بہترین شعری تخلیقات کی طرف توجہ نہ دی گئی۔ شاید اس لئے کہ ان کی شاعری دوسرے علوم و فنون کے نیچے دب گئی۔ یہ حقیقت ہے کہ ان کا نعتیہ کلام بڑے سے بڑے شاعر کے کلام کے مقابلے میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ ان کے ہاں جذبۂ دل کی بے ساختگی، خیال کی رعنائی، الفاظ کی شان و شوکت اور عشقِ رسول (اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی جھلکیاں قدم قدم پر موجود ہیں۔ ان کی نعتوں میں کیف و اثر کی ایک دُنیا آباد ہے۔" (مقبول جہانگیر: اعلیٰ حضرت بریلوی، مطبوعہ انگلستان، ص ۱۲)

تقدیم

" فاضل مصنّف پروفیسر فیاض احمد خاں کاوش نید مجدہٗ پاکستان کے صاحبِ طرز ادیب و شاعر اور اہلِ سنّت کے نامور قلمکار ہیں ——— اُن کے قلم میں جلال بھی ہے اور جمال بھی ——— اُن کا ذہن صاف اور دل پاک ہے اُن کا مزاج شاہانہ، طبیعت فقیرانہ، معیشت و معاشرت قلندرانہ ہے۔ ——— ایک سچے مسلمان اور کھرے انسان ہیں ——— اُن کی تحریر دل نوازہ، اُن کی باتیں جاں نواز ——— جب وہ بولنے یا لکھنے پر آتے ہیں، مصلحتوں کو سامنے نہیں رکھتے۔ بولتے اور لکھتے چلے جاتے ہیں ——— اُن کے قلم میں بلا کی روانی ہے ——— وہ ایک بے خوف اور نڈر انسان ہیں۔ ایسے انسان نایاب نہیں تو کم یاب ضرور ہیں۔

——— عالمی جامعات و کلیات کے اساتذہ گزشتہ بیس برس سے امام احمد رضا پر لکھ رہے ہیں ——— پروفیسر فیاض احمد خاں کاوش کا بھی یہ محبوب موضوع ہے ——— اُنہوں نے امام احمد رضا پر لکھا ہے اور خوب لکھا ہے ——— پیشِ نظر کاوش بھی انہیں کے رشحاتِ قلم کی ممنون ہے ——— اس مقالے میں اس دور کے قاری کی ضرورت اور فرصت کو سامنے رکھتے ہوئے نہایت اختصار کے ساتھ مؤثر انداز میں امام احمد رضا کے سوانحی خدوخال پیش کئے گئے ہیں ——— مولیٰ تعالیٰ فاضل مصنّف کو اجرِ عظیم عطا فرمائے اور اس خدمت کو قبول فرما کر دارین میں اُن کے مراتب و درجات بلند فرمائے۔ آمین!

احقر ——— محمد مسعود احمد عفی عنہ
پرنسپل: گورنمنٹ ڈگری کالج سکھر (سندھ)

۲۸ رجمادی الثانی ۱۴۱۰ھ
بمطابق ۲۶ جنوری ۱۹۹۰ء

امام احمد رضا خاں بریلوی

ایک ہمہ جہت شخصیّت

مؤلفہ: مولانا کوثر نیازی (سابق وزیر مذہبی و اقلیتی امور)

"علامہ کوثر نیازی صاحب ایک جانی پہچانی شخصیت ہیں سیاست سے شغف ہونے کے ساتھ ساتھ اُن کا لٹریچر سے ناطہ بھی ہے۔ گزشتہ دنوں بھارت میں اُن کے حوالے سے ایک کانفرنس کا انعقاد بھی ہوا

مخالف گروہ سے ہونے کے باوجود انہوں نے ۱۹۸۹ء اور ۱۹۹۰ء میں امام احمد رضا کانفرنس کراچی میں شرکت کی ستمبر ۱۹۹۰ء میں اعلیٰ حضرت پر اپنے دقیق مطالعہ اور تحقیقی مقالہ کو پیش کیا ——— اس مقالہ میں انہوں نے تعصب اور گروہ بندی سے بالاتر ہوکر حق کو پیش کیا اور اس پیشکش میں فکر رضا کا بنیادی فیکٹر "عشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)" کارفرما نظر آتا ہے ——— اور اسی ایک فیکٹر نے انہیں اعلیٰ حضرت کی طرف طلسمی طور پر کشش کرکے اپنے ہم عصروں میں امتیاز بخشا مقالہ "امام احمد رضا خاں بریلوی، ایک ہمہ جہت شخصیّت" عربی اور انگریزی تراجم میں بھی پیش کیا جانے کا پروگرام ہے..."

طاہر

مولانا کوثر نیازی

(پاکستان کے سابق مرکزی وزیر اور مشہور دانشور و قلمکار)

" بریلی میں ایک شخص پیدا ہوا جو نعت گوئی کا امام تھا اور "احمد رضا خاں بریلوی" جس کا نام تھا۔ ان سے ممکن ہے بعض پہلوؤں میں لوگوں کو اختلاف ہو۔ عقیدوں میں اختلاف ہو لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کی نعتوں میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہے۔" (مولانا کوثر نیازی، بحوالہ تقریب اشاعت ارمغانِ نعت، کراچی ۱۵ مارچ ۱۹۰۹ء)

" بریلوی مکتبِ فکر کے امام مولانا احمد رضا خاں بریلوی بھی بڑے اچھے واعظ تھے ان کی امتیازی خصوصیت ان کا عشقِ رسول (علیہ الصلوٰۃ والسلام) ہے۔ جس میں سر تا پا ڈوبے ہوئے تھے۔ چنانچہ ان کا نعتیہ کلام بھی سوز و گداز کی کیفیتوں کا آئینہ دار ہے اور مذہبی تقریبات میں بڑے ذوق و شوق اور احترام سے پڑھا جاتا ہے۔"

(کوثر نیازی "انداز بیان" ص ۹۰-۸۹)

---

[1] اعلیٰ حضرت بریلوی علیہ الرحمۃ بہت محتاط رہ کر وعظ فرماتے تھے اور وہ بھی سال میں دو ایک بار (ادارہ)

تقدیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"پاکستان کے سابق وزیرِ مذہبی امور و اقلیتی امور جناب مولانا کوثر نیازی ملک کی جانی پہچانی شخصیت ہیں —— وہ میدانِ صحافت اور میدانِ سیاست کے شہسوار ہیں، انہوں نے زمانہ کے نشیب و فراز دیکھے ہیں —— وہ شاعر ادیب بھی ہیں ؎

اللہ اللہ ہستئ شاعر
قلب غنچہ کا، آنکھ شبنم کی!

امام احمد رضا کو پرکھنے کے لئے ایسے ہی دل کی ضرورت تھی جو سچی بات کو سننے اور کہنے کی صلاحیت رکھتا ہو —— جو جانبدار اور طرفدار نہ ہو —— جو سخت دل، سخت جاں اور سخت گیر نہ ہو —— جو خدا لگتی کہتا ہو۔ ؏

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بے باکی

مولانا کوثر نیازی، امام احمد رضا کے عقیدت مندوں میں نہیں، انہوں نے امام احمد رضا کے بارے میں جو لکھا اپنے ذاتی مطالعے، مشاہدے اور تجربے کی بنیاد پر لکھا ہے اس لئے ان کے خیالات وقیع معلوم ہوتے ہیں اور امام احمد رضا پر کام کرنے والوں کے لئے رہنما ثابت ہو سکتے ہیں ——

مولانا کوثر نیازی مقالے کے آغاز ہی میں یہ چونکا دینے والا فیصلہ فرماتے ہیں:۔

"برصغیر میں یوں تو کئی جامع الصفات شخصیات گزری ہیں مگر جب

ایک غیر جانبدار مبصر ان سب کا جائزہ لیتا ہے تو جیسی ہمہ صفت شخصیت امام احمد رضا کی نظر آتی ہے ویسی کوئی دوسری نظر نہیں آتی۔"

(امام احمد رضا بریلوی، ایک ہمہ جہت شخصیت، مطبوعہ لاہور ۱۹۹۰ء ص ۴)

راقم کے اُستادِ گرامی اور ملک کے مایۂ ناز محقق پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں (صدر شعبۂ اردو سندھ یونیورسٹی) نے بھی امام احمد رضا کے بارے میں اسی قسم کے خیالات کا اظہار فرمایا تھا ——— اس میں شک نہیں کہ جس نے امام احمد رضا کا غیر جانبدارانہ مطالعہ کیا وہ اسی نتیجے پر پہنچے گا ؎

بے مثالی کی ہے مثال وہ حسن
خوبیٔ یار کا جواب کہاں!

لیکن یہ ایک المیہ ہے کہ ایسی عظیم شخصیت بدگمانیوں اور الزام تراشیوں کے غبار میں چھپا دی گئی تھی اور مزید المیہ یہ کہ یہ کام مخالفت کی بنا پر بعض اہلِ علم نے جان بوجھ کر کیا۔ بہرحال یہ غبار اب چھٹ گیا ہے اور امام احمد رضا پر ایشیا، افریقہ، امریکہ اور یورپ کی مختلف یونیورسٹیوں میں کام ہو چکا ہے اور ہو رہا ہے ———

امام احمد رضا پر مخالفین نے بہت سے الزامات لگائے۔ سب سے بڑا الزام یہ تھا کہ امام احمد رضا، بریلوی نامی ایک فرقہ کے بانی تھے ——— مولینا کوثر نیازی اس خیال سے متفق نہیں معلوم ہوتے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:-

"بدقسمتی سے ہمارے ہاں اکثر لوگ انہیں بریلوی ایک فرقے کا بانی سمجھتے ہیں حالانکہ وہ اپنے مسلک کے اعتبار سے صرف حنفی اور سلفی ہیں۔" (ص ۶)

کولمبیا یونیورسٹی (امریکہ) کی فاضلہ ڈاکٹر اوشا سانیال (جنہوں نے بریلوی تحریک پر ڈاکٹریٹ کیا ہے) سے جب راقم نے یہ کہا کہ "بریلوی فرقہ نہیں ہے" تو وہ چونک گئیں اور حیرت سے منہ تکنے لگیں، جب سمجھایا تو فکر میں پڑ گئیں ——— اصل میں یہ حقیقت آسانی سے سمجھ میں نہیں آسکتی کیوں کہ عام تاثر یہی ہے کہ بریلوی ایک فرقہ ہے ——— جس کے بانی امام احمد رضا تھے ——— بقول ابو یحیٰی امام خاں نوشہروی، حضرات اہلِ حدیث نے اہلِ سنّت کو یہ لقب عطا فرمایا تھا پھر اہلِ سنّت نے اس لقب کو قبول کرتے ہوئے اپنایا اور بریلوی مشہور ہو گئے ——— حالانکہ ؎

مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

مولانا کوثر نیازی نے یہ مقالہ ادارہ تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی کی سرپرستی میں ۱۴ ستمبر ۱۹۹۰ء (بروز جمعۃ المبارک) کو تاج محل ہوٹل (کراچی) میں منعقد ہونے والی امام احمد رضا کانفرنس میں پڑھا تھا جو کانفرنس میں پسند کیا گیا اور سراہا گیا ——— راقم بھی اس کانفرنس میں شریک تھا اور مولانا سے پہلی مرتبہ اسی کانفرنس میں ملاقات بھی ہوئی۔ ——— ——— یہ مقالہ بعض اخبارات میں شائع ہو چکا ہے۔ ادارہ معارفِ نعمانیہ، لاہور نے اس کو کتابی صورت میں شائع کیا ہے اور اب ادارہ تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی عربی اور انگریزی ترجموں کے ساتھ شائع کر رہا ہے ———

ماضی میں سلف صالحین کی یہی شان تھی اسی لئے مولانا کوثر نیازی نے امام احمد رضا کو سلفی کہا ہے ——— پھر رفتہ رفتہ گردشِ دوراں کے مارے اہل سے جُدا ہو کر ٹکڑیوں میں بٹ گئے ——— یہ ایک قومی المیہ ہے جس نے ملّتِ اسلامیہ کی ساکھ کو سخت نقصان پہنچایا ہے ——— اب ہر کوئی فکر مند ہے لیکن اُس کو نہ تشخیص سے غرض ہے اور نہ تجویزِ علاج سے ———

رو میں ہے رخشِ عمر کہاں دیکھئے تھمے
نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں

امام احمد رضا پر دوسرا الزام یہ تھا کہ وہ بدعتی ہیں اور انہوں نے بدعات کو بہت فروغ دیا ہے —— یہ بات اتنی مشہور کردی گئی کہ لوگ یقین کرنے لگے حالانکہ معاملہ بالکل برعکس ہے۔ مولانا کوثر نیازی نے اپنے مقالے میں ایسے شواہد پیش کئے ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام احمد رضا نے تو بدعات کی سرکوبی کی ہے —— مولانا حیرت سے کہتے ہیں :-

"کیا ستم ظریفی ہے کہ جو ردِّ بدعات میں شمشیرِ برہنہ تھا اُسے خود حامیٔ بدعات قرار دیا گیا!" (ص ۵)

امام احمد رضا پر تیسرا الزام یہ لگایا جاتا ہے کہ وہ تکفیرِ مُسلم کے عادی تھے جس کو چاہا کافر کہہ دیا۔ حالانکہ یہ بات خلافِ حقیقت ہے بلکہ جو حضرات اس قسم کے الزامات لگاتے ہیں، اُن کے محبوب قائدین کے دامن نہ صرف تکفیرِ مُسلم سے داغدار ہیں بلکہ خونِ مُسلم سے بھی داغدار ہیں، یہ ایک خونچکاں حقیقت ہے جس کو چھپایا جاتا ہے —— اپنی غلطیوں کی پردہ پوشی کا یہ طریقہ نکالا کہ امام احمد رضا کو موردِ الزام ٹھہرایا —— بہرحال اس سلسلے میں مولانا کوثر نیازی نے بڑی دل لگتی بات کہدی ہے —— اُن کے نزدیک امام احمد رضا کے فتویٰ تکفیر کا اصل محرک عشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) تھا اسی لیے جن حضرات کی گستاخیٔ رسول کی بنا پر امام احمد رضا نے تکفیر کی، خود انہوں نے اُن کے اس جذبے کو سراہا ہے —— مولانا اشرف علی تھانوی اور مولانا محمد ادریس کاندھلوی کے تاثرات وخیالات کو پڑھ کر اس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے ؎

مرتا ہوں اُس آواز پر ہر چند سر اُڑ جائے
جلاد کو لیکن وہ کہیں جائیں کہ "ہاں اور!"

مولانا کوثر نیازی لکھتے ہیں :۔

" وہ فنافی الرسول تھے اس لئے اُن کی غیرت عشق احتمال کے درجے میں بھی توہین رسول کا کوئی خفی سے خفی پہلو بھی برداشت کرنے کو تیار نہ تھی۔" (ص ۷)

پھر آگے چل کر لکھتے ہیں :۔

" ادب و احتیاط کی یہی روش امام رضا کی تحریر و تقریر کے ایک ایک لفظ سے عیاں ہے۔" (ص ۸)

اور آگے چل کر لکھتے ہیں :۔

" مخالفین جس بات کو شاہ احمد رضا کا تشدد کہتے ہیں، وہ تشدد نہیں، اُن کا عشق رسول ہے، اُن کا ادب و احتیاط ہے، جو فتویٰ نویسی سے لے کر ترجمۂ قرآن تک اور ترجمۂ قرآن سے لے کر اُن کی نعتیہ شاعری تک ہر جگہ آفتاب و ماہتاب بن کر ضوفشانی کر رہا ہے۔" (ص ۱۲)

مولانا کوثر نیازی نے جو بات کہی دلیل کے ساتھ کہی ——— ترجمۂ قرآن کے سلسلے میں انہوں نے مولانا محمود حسن دیوبندی، مولانا عبدالماجد دریا آبادی اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے تراجم سے امام احمد رضا کے ترجمۂ قرآن کا تقابل کرتے ہوئے اپنے موقف کو ثابت کیا ہے ——— اس کے باوجود بعض اسلامی ممالک میں امام احمد رضا کے ترجمۂ قرآن پر پابندی لگانا اور سلمان رشدی کی گستاخیوں پر خاموشی اختیار کرنا مولانا کے لئے سخت حیران کن ہے۔ وہ حیرت سے پوچھتے ہیں :۔

" کیا ستم ہے کہ فرقہ پرور لوگ رشدی کی ہفوات پر تو

زبان کھولنے سے اور عالمِ اسلام کے قدم قدم کوئی کاروائی کرنے میں اس لئے تامّل کریں کہ کہیں آقایانِ ولیٔ نعمت ناراض نہ ہو جائیں مگر امام احمد رضا کے اس ایمان پرور ترجمے پر پابندی لگا دیں جو عشقِ رسول کا خزینہ اور معارفِ اسلامی کا گنجینہ ہے۔" (ص ۹)

اصل میں آقایانِ ولیٔ نعمت گستاخیوں کو پروان چڑھانا چاہتے ہیں تاکہ ملّتِ اسلامیہ کو جسدِ بے روح بنا دیا جائے اسی لئے گستاخوں نے پابندی لگوائی اور حقِ نمک ادا کیا —— ابتک یہ بات چھپی ہوئی تھی کہ گستاخانِ رسول کا آقایانِ ولیٔ نعمت سے درونِ خانہ تعلق و محبت ہے اور سارا الزام امام احمد رضا کے سر تھا۔ مگر اب خلیج کے بحران نے دُودھ کا دُودھ اور پانی کا پانی الگ کر دیا ہے۔ گردشِ دوراں نے دکھا دیا کہ نصاریٰ کے دمساز امام احمد رضا تھے یا امام احمد رضا کے مخالفین اور اُن کے ترجمۂ قرآن کنز الایمان پر پابندی لگانے والے ع

آفتاب آمد دلیلِ آفتاب

راقم نے اپنے ایک تحقیقی مقالے گناہِ بے گناہی (مطبوعہ لاہور ۱۹۷۸ء) میں امام احمد رضا پر انگریز نوازی کے الزام کی تاریخی شواہد کی روشنی میں تحقیق کی ہے۔ اس سے یہ حقیقت سامنے آئی کہ امام احمد رضا کا دامن اس داغ سے بے داغ تھا۔ ہاں اُن کے مخالفین کے دامن ضرور داغدار تھے ——

جب امام احمد رضا نے بعض شرعی وجوہ کی بنا پر ہندوستان کو دارالسّلام قرار دیا تو اُن کے مخالفین نے غُل مچایا کیونکہ وہ (مخالفین) اپنے ذاتی مفادات کے لئے ہندوستان کو دارالحرب قرار دے کر بے دست و پائی کے باوجود انگریزوں سے جنگ کرانا چاہتے تھے تاکہ مسلمان اور کمزور ہو جائیں اور انگریزوں کی نظروں میں آجائیں۔ امام احمد رضا نے اپنے فتوے سے ان عزائم کو خاک میں ملا

دیا ـــــ لیکن یہ بات حیران کن ہے کہ جو حضرات انگریزوں کی حکومت میں ہندوستان کو دارالحرب قرار دینے پر مُصر تھے وہ ہندوؤں کی حکومت میں ہندوستان کو دارالسلام کہہ رہے ہیں۔ یہ تضاد دیکھ کر مولانا کوثر نیازی حیران ہیں:۔

"حیرت ہے کہ جو لوگ انگریز کے زمانے میں ہندوستان کو دارالحرب قرار دینے پر مُصر تھے آج ہندو راج میں اسے دارالحرب قرار دینے کا لفظ بھی مُنہ سے نہیں نکالتے۔" (ص ۱۴)

پھر لکھتے ہیں:۔

"آج ہندوستان کو دارالحرب قرار دینے والے مفتیانِ کرام کے وارث مُہر بلب ہیں اور اس طرح اپنے عمل سے امام احمد رضا کے فتوے کی تائید کر رہے ہیں۔" (ص ۱۴)

افسوس ہے کہ بیسوی صدی عیسوی میں مذہب کا استحصال کیا گیا جو اب تک جاری ہے۔ بلکہ اب تو مذہب کے ساتھ ساتھ غربت کا بھی استحصال ہو رہا ہے ـــــ امام احمد رضا اس استحصال کے خلاف تھے اور وہ زندگی بھر اس کے خلاف نبرد آزما رہے ـــــ ایسے شخص کو انگریزوں کا حامی و دمساز کہنا کیسی ستم ظریفی ہے! ـــــ امام احمد رضا سیاستداں نہ تھے بلکہ وہ مدبّر تھے ـــــ سیاستداں عوام کا نبض شناس ہوتا ہے اور مدبّر زمانے کا نبض شناس ـــــ سیاستداں کی نظر عوام پر رہتی ہے اور مدبّر کی نظر زمانے پر ـــــ دونوں میں یہی فرق ہے اور یہ بہت بڑا فرق ہے ؎

ایام کا مرکب نہیں، راکب ہے قلندر

مولانا کوثر نیازی اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"سب سے پہلے تو اس بات کو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ امام احمد رضا

پالیٹیشن نہیں، اسٹیٹسمین تھے —— سیاسی لیڈر نہ تھے،
مدبر تھے —— پالیٹیشن اور سیاسی لیڈر عوام کی خواہشات
کے تابع ہوتے ہیں جبکہ اسٹیٹسمین اور مدبرین پیش بینی کر کے
حالات کا رُخ متعین کرتے ہیں" (ص ۱۲)

یہی پیش بینی اور دُور اندیشی تھی کہ جب محمد علی جناح اور ڈاکٹر اقبال متحدہ قومیت کی بات کر رہے تھے، امام احمد رضا نے دو قومی نظریہ کی بات کی، ابتداء میں مسلمان سیاسی لیڈروں نے اس کی اہمیت کو نہ سمجھا مگر بعد میں دُوراندیش سیاست داں اس طرف آ گئے۔ چنانچہ محمد علی جناح اور ڈاکٹر اقبال بھی دو قومی نظریہ کی طرف مائل ہو گئے بلکہ انہوں نے اس کو اپنا فکری اور سیاسی لائحہ عمل بنالیا —— مولانا کوثر نیازی اس تاریخی پس منظر پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"انہوں نے متحدہ قومیت کے خلاف اُس وقت آواز اُٹھائی
جب اقبال اور قائدِ اعظم بھی اس کی زلفِ گرہ گیر کے اسیر تھے
دیکھا جائے تو دو قومی نظریہ کے عقیدے میں امام احمد رضا
مقتداء ہیں اور یہ دونوں مقتدی —— پاکستان کی تحریک کو
کبھی فروغ حاصل نہ ہوتا اگر امام احمد رضا سالوں پہلے مسلمانوں
کو ہندوؤں کی چالوں سے باخبر نہ کرتے" (ص ۱۵)

عرصہ ہوا یہ بات راقم نے اپنے ایک انگریزی مقالے میں لکھی تھی جس کا مسودہ مشہور مؤرخ اور ماہر تعلیم ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی مرحوم نے مطالعہ فرمایا۔ انہوں نے سوال کیا کہ کن شواہد کی بنا پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ محمد علی جناح اور ڈاکٹر اقبال دو قومی نظریہ کے سلسلے میں امام احمد رضا سے متاثر تھے؟ —— راقم نے یہی جواب دیا کہ جب ہندوستان میں متحدہ قومیت کی بات ہو رہی تھی اسوقت

امام احمد رضا دو قومی نظریہ کی بات کر رہے تھے جس کا برصغیر کے طول و عرض میں چرچا
وا۔ اس لئے دونوں حضرات کا ان سے متاثر ہونا بدیہی امر ہے جس کے لئے
شواہد کی ضرورت نہیں۔ پھر یہ دونوں امام احمد رضا کے معاصرین میں تھے۔
مولانا کوثر نیازی نے صحیح فرمایا " ہماری قوم بد قسمتی سے انتہا پسند واقع
وئی ہے۔" (ص ۱۵) —— تحریکِ خلافت، تحریکِ ترکِ موالات، تحریکِ
رکِ حیوانات، تحریکِ کھدر، تحریکِ ہجرت وغیرہ میں یہی انتہا پسندی نظر آتی
ہے —— امام احمد رضا سیاسی امور میں ہوشمندی اور اعتدال پسندی کے
ائل تھے خصوصاً جبکہ ایک عیار اور چالاک اور طاقتور دشمن سے پالا پڑے ——
نسوس یہ کہ سیاسی ہنگامہ آرائی میں ملی شعور، مدبروں کے ہاتھ سے نکل کر سیاستدانوں
ے ہاتھ میں چلا جاتا ہے۔ پھر وہ جو چاہتے ہیں کرتے ہیں —— مولانا کوثر نیازی
امام احمد رضا کے تدبر پر گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

" ایسے میں مخالفتوں اور الزام تراشیوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے
مسلکِ اعتدال پر قائم رہنا اور دو قومی نظریہ کے فروغ کے لئے
مدبرانہ دُور بینی کی سیاست پر کاربند رہنا امام احمد رضا جیسے
آہنی اعصاب رکھنے والے انسان ہی کا کام تھا —— رہا
یہ کہنا کہ اُن کے اقدامات انگریز نوازی پر مبنی تھے تو یہ بات
وہی کہہ سکتا ہے جو یا تو امام رضا کے مسلک کو سرے سے
جانتا ہی نہ ہو یا جانتا ہو مگر جان کر نہ ماننا چاہتا ہو۔" (ص ۱۶)

حقیقت یہ ہے کہ امام احمد رضا کو سیاسی امور میں یہ بصیرت و استقامت
عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل نصیب ہوئی تھی —— اُن کا مسلک،
مسلکِ عشق و محبت تھا، وہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے فدائی تھے،

وہ اسلام کے شیدائی تھے، —— اُن کا عشقِ رسول اُس سلام سے عیاں ہے جس کی گونج مشرق و مغرب میں سُنی جارہی ہے —— مولانا کوثر نیازی اسی سلام کے لئے لکھتے ہیں :۔

"بلا خوفِ تردید کہتا ہوں کہ تمام زمانوں کا پورا نعتیہ کلام ایک طرف اور شاہ احمد رضا کا سلام (مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام) ایک طرف —— دونوں کو ایک ترازو میں رکھا جائے تو احمد رضا کے سلام کا پلڑا پھر بھی جُھکا رہے گا۔" (ص ۔۱۱)

پھر لکھتے ہیں :۔

"مجھے افسوس ہے کہ اہلِ قلم نے اس جانب توجّہ نہیں دی ورنہ اس کے ایک ایک شعر کی تشریح میں کئی کئی کتابیں لکھی جا سکتی ہیں۔"

(ص ۱۱)

عشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلّم) ہی کی وجہ سے امام احمد رضا کی شاعری اتنی بُلند اور باوقار ہے کہ آج دُنیا کی مختلف یونیورسٹیوں میں اس پر کام ہوچکا ہے اور ہورہا ہے مثلاً پنجاب یونیورسٹی (لاہور)، عثمانیہ یونیورسٹی (حیدرآباد دکن)، کلکتہ یونیورسٹی (کلکتہ) اور برمنگھم یونیورسٹی (یو۔کے) وغیرہ —— اور شاعری پر مقالات و مضامین تو بکثرت شائع ہوچکے ہیں —— امام احمد رضا کے عشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلّم) کو دیکھ کر وہ حدیث یاد آتی ہے جس میں حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلّم نے آخری زمانے کے ان عشاق کے متعلق یہ پیشین گوئی فرمائی ہے :۔

"میری اُمّت میں سب سے بڑھ کر مجھ سے محبت رکھنے والے وہ بھی ہوں گے جو یہ تمنا کریں گے کہ کاش! اپنا مال اور

کنبہ قربان کر کے اپنے رسول کو دیکھ لیتے۔" (مشکوٰۃ شریف)

اس حدیثِ مبارکہ کو پڑھ کر امام احمد رضا کے یہ الفاظ یاد آتے ہیں جو انہوں نے گستاخانِ رسول کے جواب میں کہے ہیں:-

"محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی گستاخی سے باز رہنا اس شرط پر مشروط ہے کہ اس بندۂ خدا کے ساتھ اس کے باپ دادا اکابر علماء قدست اسرارہم کو بھی گالیاں دیں تو ایں ہم برعلم! — اے خوشا نصیب! اس کا کہ اس کی آبرو، اس کے آباؤ اجداد کی آبرو بدگویوں کی زبانوں سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی آبرو کے لئے سپر ہو جائے۔" (حسام الحرمین، لاہور، ص ۵۱-۵۲)

کسی عارفِ کامل نے کیا خوب کہا ہے ؎

درخیالِ حضرتِ جاناں زخود بیزار باش
بے خبر از خویش باش، باخبر از یار باش

المختصر مولانا کوثر نیازی کا یہ مقالہ اہلِ دانش کو دعوتِ فکر دیتا ہے۔ امام احمد رضا کی شخصیّت کو پرکھنے کا سلیقہ بتاتا ہے اور امام احمد رضا کے فکر و خیال کے مختلف گوشوں کو روشن کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حق قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے کہ اتحاد و اتفاق کی یہی ایک صورت نظر آتی ہے ؎

عطا اسلاف کا جذبِ دروں کر
شریکِ زمرۂ لایحزنوا کر! (آمین)

احقر
محمد مسعود احمد عفی عنہ
پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج اینڈ پوسٹ گریجویٹ
سٹڈی سنٹر۔ شکارپور روڈ۔ سکھر (سندھ)

۲۱ ربیع الآخر ۱۴۱۱ھ
۱۰ نومبر ۱۹۹۰ء

ماہر القادری مرحوم

(پاک وہند کے مشہور نعت گو شاعر اور معروف صحافی)

"مولانا احمد رضا خاں بریلوی مرحوم دینی علوم کے جامع تھے، یہاں تک کہ ریاضی میں بھی دست گاہ رکھتے تھے۔ دینی علم و فضل کے ساتھ شیوہ بیان شاعر بھی تھے اور ان کو یہ سعادت حاصل ہوئی کہ مجازی راہ سخن سے ہٹ کر صرف نعت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنے افکار کا موضوع بنایا۔ مولانا احمد رضا خاں کے چھوٹے بھائی مولانا حسن رضا بڑے خوش گو شاعر تھے اور مرزا داغ سے نسبت تلمذ رکھتے تھے۔ مولانا احمد رضا خاں صاحب کی نعتیہ غزل کا یہ مطلع

وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

جہاں استاد مرزا داغ کو حسن بریلوی نے سنایا تو داغ نے بہت تعریف کی اور فرمایا "مولوی ہو کر ایسے اچھے شعر کہتا ہے۔"

(ماہر القادری، بحوالہ فاران (کراچی) ستمبر ۱۹۷۳ء، ص ۴۵ و ۴۴)

امام احمد رضا اور ڈاکٹر سر ضیاء الدین

مؤلّفہ:- مولانا اقبال احمد اختری

" محترم جناب مولانا اقبال احمد قادری اہلسنّت و جماعت کے نئے قلمکار ہیں۔ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی کے رفیقِ کار ہیں۔ اُن کے لکھنے کا انداز بہت خوب ہے۔ ادارہ کے سالنامہ معارفِ رضا کے علاوہ اُن کے مضامین و مقالات ماہنامہ اظہار، کراچی، ماہنامہ ضیائے حرم، لاہور، ماہنامہ القول السدید، لاہور، ماہنامہ اعلحضرت، بریلی شریف میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔

ڈاکٹر سر ضیاء الدین مرحوم

(پی۔ ایچ۔ ڈی۔ (جرمنی))

(سابق وائس چانسلر، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ۔ بھارت)

"بہت خلیق، بہت منکسر المزاج اور ریاضی بہت اچھی جانتے تھے باوجودیکہ کسی سے پڑھا نہیں، ان کو علم لدنی تھا۔ میرے سوال کا جو بہت مشکل اور لاحل تھا ایسا فی البدیہہ جواب دیا گویا اس مسئلے پر عرصے سے ریسرچ کیا ہے۔ اب ہندوستان میں کوئی جاننے والا نہیں ہے"

(ظفر الدین بہاری، حیاتِ اعلیٰ حضرت، جلد اول مطبوعہ کراچی، ص ۱۵۵)

" اتنا زبردست محقق عالم اِس وقت اُن کے سوا شاید ہی کوئی ہو۔ اللہ نے ایسا علم دیا ہے کہ عقل حیران ہے۔ دینی، مذہبی، اسلامی علوم کے ساتھ ریاضی، اقلیدس، جبر و مقابلہ، توقیت وغیرہ میں اتنی زبردست قابلیت کو میری عقل ریاضی کے جس مسئلے کو ہفتوں غور و فکر کے بعد بھی حل نہ کر سکی حضرت نے منٹ میں حل کر کے رکھ دیا۔"

(مفتی محمد برہان الحق جبل پوری: اکرام امام احمد رضا، لاہور، ۱۹۸۱ء، ص ۵۹-۶۰)

پروفیسر ڈاکٹر باربرا مٹکاف

برکلے یونیورسٹی، برکلے (امریکہ)

" وہ ابتداء ہی سے اپنی غیر معمولی ذہانت کی وجہ سے ممتاز تھے۔ اِن کو علمِ ریاضی میں علم لدنی حاصل تھا۔ کہا جاتا ہے کہ انھوں نے ڈاکٹر ضیاء الدین کے لیے ریاضی کا ایک ایک ایسا لاینحل مسئلہ حل کر کے رکھ دیا جس کے لئے ڈاکٹر موصوف جرمنی جانے والے تھے۔" (ترجمۂ انگریزی)

(باربرا مٹکاف، ہندوستان میں مسلم مذہبی قیادت اور مصلح علماء ۱۸۶۰ء تا ۱۹۰۰ء، مطبوعہ برکلے ۱۹۸۲ء۔ ص ۳۵، ۳۶)

تقدیم

فاضل نوجوان مولانا اقبال احمد قادری زید مجدہٗ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی سے وابستہ ہیں۔ موصوف اہلِ سنت کے لئے نئے قلمکار ہیں، اُن کو تحریر و تحقیق کا سلیقہ آتا ہے، ماشاءاللہ اُن کی نگارشات نہ صرف پاکستان بلکہ ہندوستان اور انگلستان میں بھی شائع ہو رہی ہیں۔ مولیٰ تعالیٰ فاضل موصوف کے علم و عمل میں اور ترقیاں عطا فرمائے۔ آمین!

پیشِ نظر مقالہ امام احمد رضا اور ڈاکٹر سر ضیاءالدین فاضل موصوف کی تحقیق و کاوش کا قابلِ تحسین نمونہ ہے۔ انہوں نے اس مقالے کے ابتدائی صفحات میں علوم عقلیہ میں مسلمان ماہرینِ علوم و فنون کی مایۂ ناز شخصیتوں کا ذکر کیا ہے جن سے استفادہ کرکے اہلِ یورپ کہیں کے کہیں نکل گئے۔ علم ریاضی میں مسلمانوں کی خدمات کے ذیل میں اُنیسویں صدی عیسوی کے مشہور و ممتاز ریاضی داں امام احمد رضا اور مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ کے مشہور ریاضی داں ڈاکٹر سر ضیاءالدین مرحوم کی ملاقاتوں کا ذکر کیا ہے۔ بعض اہلِ علم ان ملاقاتوں کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھتے ہیں مگر فاضل مصنف نے چشم دید گواہوں کے بیانات پیش کرکے تمام شکوک و شبہات کو رفع کر دیا ہے۔ انہوں نے مندرجہ ذیل حضرات کے بیانات پیش کئے ہیں:۔

۱۔ علامہ مفتی محمد ظفرالدین قادری رضوی (شاگرد و خلیفہ امام احمد رضا)
۲۔ علامہ مفتی محمد برہان الحق جبل پوری (شاگرد و خلیفہ امام احمد رضا)

۳- علامہ حسنین رضا خاں بریلوی (شاگرد و خلیفہ امام احمد رضا)
۴- سید ایوب علی رضوی (خادم و خلیفہ امام احمد رضا)
۵- محمد حسین میرٹھی (معاصر امام احمد رضا)

اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لئے فاضل مصنف نے اصل ماخذ سے رجوع کیا ہے اور سنی سنائی باتوں پر تکیہ نہیں کیا مثلاً

۱- حیات اعلیٰ حضرت (علامہ محمد ظفر الدین قادری رضوی)
۲- سیرت اعلیٰ حضرت (علامہ حسنین رضا خاں بریلوی)
۳- اکرام امام احمد رضا (علامہ مفتی محمد برہان الحق جبل پوری)

ابھی تک تو یہ کہا جاتا تھا کہ امام احمد رضا سے ڈاکٹر سر ضیاء الدین مرحوم کی صرف ایک ملاقات ہوئی تھی اور انہوں نے امام احمد رضا سے بھرپور استفادہ کیا تھا۔ لیکن فاضل مصنف نے مستند حوالوں اور معقول دلائل سے یہ ثابت کیا ہے کہ ایک نہیں دو ملاقاتیں ہوئی تھیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ فاضل مصنف کو استدلال کا سلیقہ آتا ہے۔ مولیٰ تعالیٰ فاضل مصنف مولانا اقبال احمد قادری زید مجدہٗ کے تحقیقی و تنقیدی شعور کو مزید پروان چڑھائے اور وہ علم و دانش اور دین و مسلک کی خدمت کرتے رہیں۔ آمین!

احقر

محمد مسعود احمد عفی عنہٗ،
پرنسپل، گورنمنٹ ڈگری کالج
سکھر (سندھ)

۱۱ر جمادی الاول ۱۴۱۲ھ
۱۹ر نومبر ۱۹۹۱ء

امام احمد رضا فاضل بریلوی کی علمی خدمات

مؤلفہ:- سیّد شاہد علی نورانی

"جناب سید شاہد علی نورانی، شعبۂ تعلیم سے تعلق رکھتے ہیں- امام احمد رضا کے محرمِ راز اور مخلص وفا شعار جناب سیّد ایوب علی رضوی علیہ الرحمہ کے پوتے ہیں — جوان سال ہیں اور علی پبلک اسکول اینڈ کالج، لاہور کے پرنسپل ہیں۔ زیرِ تقدیم مقالہ انہوں نے ایم۔ایڈ کے لئے لکھا تھا- جس پر پنجاب یونیورسٹی لاہور نے اُن کو ایم- ایڈ کی ڈگری عطا کی- یہ مقالہ اسی سال ۱۹۹۳ء میں لاہور سے شائع ہوگیا ہے-

جناب شاہد علی نورانی صاحب امام احمد رضا نے عربی آثار پر پنجاب یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کا رادہ رکھتے ہیں۔"

طاہر

میاں محمد شفیع (م۔ش)

(پنجاب کے معروف صحافی اور اخبار نوائے وقت کے کالم نگار)

"برصغیر کے مسلمانوں میں اسلامی شعور ابھارنے اور مسلمانوں کی نئی نسل کو اسلامی افکار کے آگاہ کرنے میں حفیظ کی شاعری نے ایسا کردار ادا کیا ہے جو کہ اس صدی کے دوسرے اور تیسرے عشرہ میں امام اہلِ سنّت وجماعت اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں بریلوی نے اپنے نعتیہ کلام اور تحریکِ رابطہ مسلم عوام کے ذریعے مسلمانوں کے سینوں میں عشقِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آگ روشن کرنے میں ادا کیا تھا جس طرح برصغیر کے دُور دراز دیہات میں اعلیٰ حضرت کے سلام ایسے فقرے "مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام" گزشتہ نصف صدی سے گونجتے رہے ہیں، اسی طرح حفیظ کے شاہنامہ اسلام کے اشعار مسجدوں اور مکتبوں سے ان کی خاص طرز میں گزشتہ رُبع صدی سے زائد ہم سے لوگوں کے دلوں کی دھڑکنوں کی صدا بن کر بلند ہوتے رہے ہیں۔"

(میاں محمد شفیع کالم نگار نوائے وقت (لاہور) ۲۲ نومبر ۱۹۶۳ء)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیمؕ

تقدیم

برادرم سید شاہد علی نورانی (ایم اے عربی - ایم ایڈ، ایم - او - ایل) ڈائریکٹر ادارہ معارفِ رضا، لاہور، پرنسپل علی پبلک اسکول اینڈ کالج، لاہور ہندوستان کے ایک علمی خانوادے کے چشم و چراغ ہیں۔ آپ کے جدِّ امجد سید ایوب علی رضوی علیہ الرحمہ امام احمد رضا سے شرفِ بیعت رکھتے تھے اور برسوں امام احمد رضا کی خدمت میں رہ کر فیض حاصل کرتے رہے۔ آپ کی جدۂ امجدہ ابھی حیات ہیں، وہ بھی امام احمد رضا سے بیعت ہیں۔ آپ کے والدِ ماجد سید یعقوب علی صاحب آرمی ایجوکیشنل اکیڈمی، مردان کے پرنسپل رہے اور پھوپھی پروفیسر شمیم فاطمہ گورنمنٹ اسلامیہ کالج کوپر روڈ لاہور میں عرصۂ دراز تک اسلامیات کی پروفیسر رہیں۔ غالباً یہی علمی پس منظر تھا، جس نے شاہد صاحب کو امام احمد رضا پر تحقیق و ریسرچ کی طرف مائل کیا اور اُن کو پنجاب یونیورسٹی، لاہور شعبۂ تعلیم و تحقیق کی طرف سے یہ عنوان ملا۔

امام احمد رضا فاضل بریلوی کی علمی خدمات —— ایک جائزہ

شاہد صاحب نے اپنا تحقیقی مقالہ چیئرمین شعبۂ تعلیم و تحقیق پروفیسر خواجہ فوزیہ ناہید کی نگرانی میں مکمل کیا اور رکن مجلس پروفیسر ڈاکٹر سید اکبر علی صاحب اُن کے معاون رہے —— پنجاب یونیورسٹی، لاہور کو یہ امتیاز حاصل ہے کئی اسکالرز اس یونیورسٹی کے مختلف شعبوں میں امام احمد رضا پر تحقیقی مقالات پیش کر چکے ہیں اور کچھ کام کر رہے ہیں۔ یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر منیرالدین

چغتائی صاحب مبارکباد کے مستحق ہیں کہ وہ امام احمد رضا پر کام کے لئے فضلاء کی ہمت افزائی فرمارہے ہیں اور شعبۂ تعلیم وتحقیق کے ڈاکٹر احسان اللہ صاحب لائق صد تبریک ہیں کہ اُن کے شعبے سے سید شاہد علی نورانی نے امام احمد رضا پر تحقیقی مقالہ قلم بند کیا۔

اس وقت دُنیا کی مختلف یونیورسٹیوں میں امام احمد رضا پر کام ہو رہا ہے جس کا ایک تحقیقی جائزہ راقم نے امام احمد رضا اور عالمی جامعات (مطبوعہ صادق آباد ۱۹۹۰ء) میں پیش کیا ہے۔ اس کے علاوہ عمان (اردن) کے تحقیقی ادارے المجمع الملکی لبحوث الحضارۃ الاسلامیہ کی انسائیکلو پیڈیا کی جلد اوّل میں امام احمد رضا پر عربی میں ایک مقالہ شائع ہوا ہے۔ پیرس (فرانس) سے انگریزی میں ایک تحقیقی مقالہ مندرجہ ذیل "عالمِ اسلام کے فضلاء کی سوانحی لغت" میں شائع ہوا ہے۔

"BIOGRAPHICAL DICTIONERY OF SCHOLARS AND REPRESENTATIVES OF THE MUSLIM WORLD." (PARIS, 1992, PP 7-8)-

تیسرا تحقیقی مقالہ فارسی میں انسائیکلو پیڈیا اسلامیکا فاؤنڈیشن، تہران (ایران) سے شائع ہونے والا ہے اردو میں تو عرصہ ہوا پنجاب یونیورسٹی، لاہور کی اردو انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں شائع ہو چکا ہے —— حقیقت یہ ہے کہ اس وقت دُنیا میں اتنا تحقیقی کام ہو چکا ہے جو خود مقالہ ڈاکٹریٹ کا عنوان بن سکتا ہے

امام احمد رضا کی علمی خدمات ہمہ جہت ہیں، اُن کی علمی خدمات کے تنوع کا اس سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ تقریباً ۲۲ سال سے اُن کی

علمی شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر کام ہو رہا ہے اور مسلسل نئے نئے عنوانات سامنے چلے آ رہے ہیں ـــــ اُن کی علمی عظمت کے لئے یہی کافی ہے کہ علمائے عرب و عجم نے اُن کے حضور استفتاء پیش کر کے فتوے حاصل کئے۔ اُن کا مشہور رسالہ کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم علمائے مکہ کے سوالات کے جواب میں ایک فاضلانہ فتویٰ اور تحقیقی مقالہ ہے جس کو دورِ جدید کے علماء بھی سمجھنے سے قاصر ہیں، اُن کے فتاویٰ سے اُن کی علمی شان نظر آتی ہے، فتاویٰ رضویہ (جو بارہ مجلدات پر مشتمل ہے) فقہ حنفی کا ایک انسائیکلو پیڈیا ہے جو کسی بھی اسلامی حکومت کا ایک قانونی دستور العمل بن سکتا ہے۔ علامہ ابنِ عابدین شامی کے عربی حاشیہ ردّ المحتار پر امام احمد رضا نے عربی میں فاضلانہ حاشیہ جدّ الممتار تحریر فرمایا جس کی پہلی جلد حیدر آباد دکن اور کراچی سے چھپ کر المجمع الاسلامی، مبارک پور اور ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کراچی سے شائع ہو چکی ہے اور دوسری جلد ہندوستان سے شائع ہونے والی ہے، یہ حاشیہ اپنی مثال آپ ہے اور علماء و فضلا کے لئے قابلِ مطالعہ ـــــ علامہ محمد احمد مصباحی نے اس پر فاضلانہ و محققانہ مقدمہ لکھا ہے۔

امام احمد رضا کو مختلف علوم و فنونِ عقلیہ و نقلیہ میں تبحر حاصل تھا، انہوں نے تقریباً پچاس علوم و فنون میں اپنی علمی یادگاریں اور آثار چھوڑے ہیں ـــــ انہوں نے اپنی عقلِ رسا اور فیضانِ الٰہی سے بکثرت علوم و فنون میں نئے نئے قواعد و ضوابط اور اُصول وضع کئے ہیں۔ اس سے علوم و فنون پر اُن کی گہری نظر کا اندازہ ہوتا ہے ـــــ یہ پہلو بھی مقالۂ ڈاکٹریٹ کا بہت ہی مفید عنوان بن سکتا ہے ـــــ دوسرا اہم موضوع "امام احمد رضا کا اپنے زمانے سے آگے سفر" بھی ہو سکتا ہے۔ اُن کی فکرِ رسا اپنے زمانے

سے بہت آگے دیکھتی تھی —— اُن کی شانِ تدریس اور وسعتِ مطالعہ کا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جب حدیث کا درس دیا تو پچاس سے زیادہ کتبِ حدیث اُن کے سامنے رہیں اور جب عقائد نفسی کا مطالعہ فرمایا تو ستر سے زیادہ شروح و حواشی نظر میں رہے (اظہار الحق الجلی، مطبوعہ بمبئی ۱۹۰۶ء، ص ۲۴، ۶۷) گویا ہر فن کی کتابوں کو وہ پوری طرح کھنگالتے اور متن کا مطالعہ کے وقت ما قبل علمی ذخیرے سے پورا پورا استفادہ حاصل کر کے باخبر رہتے پھر جو کچھ فیضِ ربِّ قدیر سے قلب پر وارد ہوتا، قلم بند فرما کر اہلِ علم کو حیران کرتے —— علم مدرسوں اور کالجوں سے تو حاصل کیا جاتا ہی ہے مگر ایک علم وہ ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندوں کو براہِ راست عطا فرماتا ہے اسی علم کو ڈاکٹر اقبال نے "دانشِ نورانی" سے تعبیر فرمایا ہے —— امام احمد رضا کو اس علم سے وافر حصّہ ملا تھا اور یہی وہ علم ہے جس کو دیکھ کر ڈاکٹر سر ضیاء الدین حیران رہ گئے تھے

امام احمد رضا کی اس شانِ علم کو دیکھتے ہوئے افغانستان کے قاضی القضاء ابو الفتح شیخ الحدیث علامہ محمد نصر اللہ خاں صاحب دامت برکاتہم العالیہ امام احمد رضا کو "مجتہدِ وقت" قرار دیتے ہیں۔ اس موضوع پر موصوف نے ایک فاضلانہ مقالہ تحریر فرمایا ہے جس میں مجتہد کی اقسام و شروط کا ذکر کرتے ہوئے امام احمد رضا کو "مجتہدِ عصر" قرار دیا ہے، یہ مقالہ ہنوز شائع نہیں ہوا لیکن جب بھی شائع ہوا اہلِ علم و دانش کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہوگا

برادرم سیّد شاہد علی نورانی نے اس امامِ جلیل، مجتہدِ عصر اور مجدّدِ ملت امام احمد رضا علیہ الرحمہ کی علمی خدمات پر قلم اُٹھایا ہے۔ بڑوں کے ذکر سے

چھوٹے بھی بڑے ہو جایا کرتے ہیں ؎

گرچہ خوردیم نسبتے ست بزرگ
ذرۂ آفتاب تابانیم

شاہد صاحب نے اپنے مقالے کو مندرجہ ذیل چار ابواب پر تقسیم کیا ہے:-

باب اوّل ——— تعارف موضوع اور پس منظر وغیرہ

باب دوم ——— امام احمد رضا کی مختصر سوانح اور تاثرات وغیرہ

باب سوم ——— امام احمد رضا کی علمی خدمات اور عربی دانی

باب چہارم ——— خلاصۂ نتائج اور سفارشات وغیرہ

پہلے باب میں فاضل مقالہ نگار شاہد صاحب نے یہ دل لگتی بات کہی ہے کہ امام احمد رضا کے پاس دو قوتیں تھیں ——— علم اور عشق ——— انہیں قوتوں سے کام لے کر انہوں نے انقلاب برپا کیا ——— دوسرے باب میں تاثرات کے ذیل میں بہت سے مفید خیالات سامنے آئے مثلاً پروفیسر شمیم فاطمہ نے انہیں دو قوتوں کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ ان قوتوں نے امام احمد رضا کو بہت بلند کر دیا ——— ازہر یونیورسٹی کے پروفیسر محی الدین الوائی نے خوب فرمایا کہ امام احمد رضا دو متضاد صفات کے جامع تھے ——— ایک طرف تو وہ محقق عصر تھے اور دوسری طرف وہ نازک خیال شاعر تھے، یہ خوبیاں کسی ایک انسان میں مشکل سے جمع ہوتی ہیں ——— ڈاکٹر اقبال نے امام احمد رضا کی طباعی اور ذہانت کا ذکر فرمایا ہے ——— شاہ محمود صاحب نے سلیقۂ زندگی کی بات کی ہے کہ امام احمد رضا نے بندۂ مومن کو سلیقۂ زندگی بتایا ——— ڈاکٹر محمد عارف نے فرمایا امام احمد رضا نے محبت رسول کا چراغ روشن کیا ——— عبد السمیع صاحب اور مجاہد علی نعمانی نے امام احمد رضا کی جامعیت

اور بصیرت کا ذکر کیا ہے ــــــ محمد صابر اکرام صاحب نے یہ بہت ہی اچھی تجویز پیش کی ہے کہ امام احمد رضا کی تعلیمات کو مشن کے طور پر آگے بڑھایا جائے ــــــ امام احمد رضا کی پرکشش اور محیّر العقول شخصیت میں اتنی گوناگوں خوبیاں ہیں کہ اب تک تاثرات پر مشتمل چھ کتابیں شائع ہو چکی ہیں ــــــ تاثرات پیش کرنے والوں میں زندگی کے ہر شعبے کے لوگ نظر آتے ہیں ــــــ ایسی ہمہ گیر مقبولیت اور مرجعیت امام احمد رضا کی بے مثال عظمت کی نشانی ہے۔

فاضل مقالہ نگار نے تیسرے باب میں امام احمد رضا کے مشہور و معروف ترجمۂ قرآن کنز الایمان پر سیر حاصل بحث فرمائی ہے اور اس ترجمے کی رفعت و بلندی کو اجاگر کیا ہے ــــــ پروفیسر محمد طاہر القادری کے حوالے سے یہ بہت خوب لکھا ہے کہ امام احمد رضا نے تن [illegible] نی، علمی، فکری اور اعتقادی چار محاذوں پر جنگ کی ــــــ اس کے علاوہ ڈاکٹر سر ضیاء الدین، پروفیسر البرٹ ایف۔ پورٹا اور پروفیسر حاکم علی کے حوالوں سے علوم عقلیہ میں امام احمد رضا کی حیرت انگیز مہارت کا ذکر کیا ہے ــــــ اسی باب میں امام احمد رضا پر کام کی رفتار کا جائزہ لیتے ہوئے کئی اداروں کا ذکر کیا ہے، جنہوں نے امام احمد رضا کے مشن کو آگے بڑھانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ مندرجہ ذیل ادارے فاضل مقالہ نگار کی نظر سے رہ گئے:

۱۔ سُنّی رضوی سوسائٹی، ڈربن (جنوبی افریقہ)

۲۔ رضا اکیڈمی، اسٹاک پورٹ (انگلستان)

۳۔ رضا انٹرنیشنل اکیڈمی، صادق آباد (پاکستان)

۴۔ المجمع الاسلامی، مبارک پور (ہندوستان)

۵۔ بزمِ فیضانِ رضا، بمبئی (ہندوستان)
۶۔ رضا اکیڈمی، لاہور (پاکستان) وغیرہ وغیرہ

اس وقت پاکستان میں ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی اور رضا اکیڈمی لاہور۔ رضا فاؤنڈیشن، لاہور اور ہندوستان میں المجمع الاسلامی، مبارک پور وغیرہ امام احمد رضا کے علوم و معارف کی اشاعت میں پیش پیش ہیں

فاضل مقالہ نگار شاہد صاحب نے صدام حسین یونیورسٹی، عراق میں فتاویٰ رضویہ کے عربی ترجمے کے لئے بورڈ کی تشکیل کا ذکر کیا ہے۔ راقم کے لئے یہ ایک نئی خبر ہے۔ اس خبر کا حوالہ دیا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا۔

چوتھے باب میں مقالہ نگار نے مفید سفارشات پیش کی ہیں۔ ان میں مندرجہ ذیل سفارشات کا اضافہ کر دیا جائے تو اچھا ہے

۱۔ پاکستان کی تمام یونیورسٹیوں میں امام احمد رضا چیئر قائم کی جائے
۲۔ امام احمد رضا پر کام کے لئے تحقیقی اداروں کو فنڈز مہیا کئے جائیں تاکہ وہ وظائف جاری کر سکیں۔
۳۔ ہر یونیورسٹی میں امام احمد رضا کی تصانیف اور امام احمد رضا پر شائع ہونے والے لٹریچر کے لئے الگ سیکشن قائم کیا جائے
۴۔ ریسرچ اسکالروں کو کھلے دل سے ہر یونیورسٹی میں ڈاکٹریٹ کرنے کی اجازت دی جائے۔ امام احمد رضا کی تحقیق کے سلسلے میں بعض یونیورسٹیاں تنگ دلی کا مظاہرہ کر رہی ہیں، ایسا نہ ہونا چاہیئے۔
۵۔ عدالتِ عالیہ کے ججوں کے لئے فتاویٰ رضویہ کا مطالعہ لازمی قرار دیا جائے۔
۶۔ قانون کے امتحانات میں امام احمد رضا پر ایک پرچہ کا اضافہ کیا جائے۔
۷۔ سائنس کے نصاب میں علومِ عقلیہ میں امام احمد رضا کے آثار کا ذکر

کیا جائے اور اس سے کماحقہٗ استفادہ کیا جائے۔

اس وقت امام احمد رضا کی شخصیت کے ہمہ گیر تعارف اور اُن کے افکار و خیالات پر مثبت کام کرنے کی سخت ضرورت ہے۔ فاضل مقالہ نگار سید شاہد علی نورانی قابلِ مبارکباد ہیں کہ انہوں نے زمانے کے تقاضے کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے امام احمد رضا پر بہت مفید کام کیا ہے۔ مولیٰ تعالیٰ اُن کی محنت کا صلہ عطا فرمائے اور اُن سے تعاون کرنے والوں اور اس مقالے کو شائع کرنے والوں کو بھی اجرِ عظیم عطا فرمائے اور اس کو ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وازواجہٖ واصحابہٖ وسلم

احقر

محمد مسعود احمد
کراچی۔ سندھ

۱۷ صفر المظفر ۱۴۱۳ھ
۱۷ اگست ۱۹۹۲ء

امام احمد رضا محدّث بریلوی

مؤلفہ: پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

"پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد نے پاکستان ہجرہ کونسل اسلام آباد کے ڈائریکٹر ڈاکٹر نبی بخش بلوچ کی فرمائش پر ایک تحقیقی مقالہ قلم بند کیا تھا جس کا عربی ترجمہ ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی نے ۱۹۹۲ء میں شائع کر دیا ہے۔ یہ ترجمہ ہندوستان کے فاضل مولانا محمد عارف اللہ مصباحی نے کیا ہے — اصل اردو مقالہ ادارہ معارفِ نعمانیہ لاہور، ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی کے تعاون سے ۱۹۹۳ء میں شائع کر دیا ہے — پیشِ نظر مقدمہ اسی تحقیقی مقالے پر لکھا گیا ہے۔"

طاہر

پروفیسر ڈاکٹر جمیل جالبی

(سابق وائس چانسلر، کراچی یونیورسٹی و
صدر نشین مقتدرہ قومی زبان اردو، پاکستان، اسلام آباد)

"مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی چودھویں صدی ہجری کے بلند پایہ فقیہ، متبحر عالم، سائنسداں، بہترین لغت گو، صاحب شریعت، صاحب طریقت بزرگ تھے۔ اُن کے علمی مقام کا اندازہ اِس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ وہ تقریباً ۵۴ علوم و فنون پر مکمل دسترس رکھتے تھے اور اُن علوم میں سے ہر فن میں آپ نے کوئی نہ کوئی تصنیف یادگار چھوڑی ہے۔ اُن کی تصانیف کی تعداد ایک ہزار سے زائد بیان کی جاتی ہے۔"

(معارفِ رضا، کراچی ۱۹۸۶ء، ص ۸۷)

ڈاکٹر سید محمد عبداللہ مرحوم

(ایم۔اے۔ڈی۔لٹ)

سابق چیئرمین شعبۂ دائرۃ المعارف الاسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور (پاکستان)

"عالم اپنی قوم کا ذہن اور اس کی زبان ہوتا ہے، اور وہ عالم جس کی فکر و نظر کا محور قرآن حکیم اور حدیث نبوی ہو وہ ترجمانِ علم و حکمت، نقیبِ حق و صداقت اور محسنِ انسانیت ہوتا ہے۔ اگر میں یہ کہوں کہ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی بھی ایسے ہی عالمِ دین تھے تو یہ مبالغہ نہ ہوگا بلکہ حقیقت کا اعتراف ہوگا، وہ بلاشبہ جید عالم، متبحر حکیم، عبقری فقیہ، صاحبِ نظر، مفسرِ قرآن، عظیم محدث اور سحر بیان خطیب تھے"

(پیغاماتِ یومِ رضا، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۱ء، ص ۵)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقدیم

امام احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمہ عالم اسلام کے عظیم "دانائے راز" تھے،
اُن کی مومنانہ فراست و بصیرت اپنے زمانے سے آگے دیکھتی تھی —— انہوں
نے جو کچھ کہا، مستقبل نے اُس کی تصدیق کی —— وہ کون تھے؟ ——
اللہ ہی بہتر جانتا ہے —— ہم نے آج تک اُن کو نہ جانا نہ پہچانا ——
۲۲ سال مسلسل مطالعے کے بعد یہ راز کھلا کہ وہ علم و دانش کا ایک سمندر تھے
—— ہم ابھی تک اِس سمندر کے ساحل تک بھی نہ پہنچ سکے

ایک وہ علم ہے جو ہم اسکولوں اور کالجوں میں حاصل کرتے ہیں ——
ایک علم وہ ہے جو ہم یونیورسٹیوں اور دانشگاہوں میں حاصل کرتے ہیں ——
مگر ایک علم وہ ہے جو حاصل کرنے سے حاصل نہیں ہوتا —— جو عطا کیا جاتا
ہے —— جس پر اُس کریم کا فضل ہوتا ہے اُس کو دیا جاتا ہے ——
قرآن شاہد ہے —— تاریخ تصدیق کرتی ہے —— یہ علم انبیاء و رسل
کو دیا جاتا ہے —— پھر اُنہیں کے صدقے علماء و عرفا کو دیا جاتا ہے ——
یہ علم امام احمد رضا کو بھی دیا گیا —— اِسی علم کی ایک جھلک دیکھ کر ڈاکٹر سر ضیاالدین
انگشت بدنداں رہ گئے —— اِسی علم کی ایک جھلک دیکھ کر امریکی ہیأۃ داں
پروفیسر البرٹ ایف۔ پورٹا دم بخود رہ گیا —— اور اِسی علم کی ایک جھلک دیکھ
کر علمائے عرب و عجم حیران رہ گئے —— امام احمد رضا کا یہ علم ابھی ہماری
نگاہوں سے پوشیدہ ہے —— ہم تو اُس علم کو بھی نہ پا سکے جو اُن کی فکرِ رسا

نے پایا تھا — اُس علم کی کیا بات کی جائے جہاں عام انسانی فکر کی بھی رسائی نہیں

تاریخ و ادب کی کتابوں میں نہ جانے کیوں اس عظیم انسان کو نظر انداز کیا گیا — ارباب علم و دانش حیران ہیں — یکم دسمبر ۱۹۹۲ء کو بریلی جانا ہوا، وہاں ایک ملاقات میں ڈاکٹر وسیم بریلوی (صدر شعبۂ اردو روہیل کھنڈ یونیورسٹی بریلی) نے باتوں باتوں میں فرمایا — اردو ادب کی کتابوں میں امام احمد رضا کا ذکر کیوں نہیں کیا گیا؟ — ڈاکٹر وسیم صاحب سراپا سوال بن گئے — گزشتہ بیس برسوں میں امام احمد رضا سے متعلق جو حقائق سامنے آئے ہیں انہوں نے ہر منصف مزاج ادیب و شاعر اور دانشور کو سوالیہ نشان بنا دیا ہے — اُس کی نظر میں بہت سی محترم ہستیاں، مجرم نظر آنے لگی ہیں — ماضی کی مجرمانہ غفلتوں کا یہ ردِّ عمل ہوا کہ جنہوں نے امام احمد رضا کو دیکھا نہ تھا یا جن کو اتنا بدگمان کر دیا تھا کہ وہ دیکھنا نہ چاہتے تھے — وہ اب امام احمد رضا پر خود تحقیق کر رہے ہیں اور دوسرے محققین کی نگرانی کر رہے ہیں — پروفیسر ڈاکٹر وسیم صاحب نے بھی امام احمد رضا پر کام کا بیڑا اٹھایا — وہ اِس وقت مندرجہ ذیل موضوعات پر چار اسکالروں کی نگرانی کر رہے ہیں:۔

۱۔ امام احمد رضا کی شاعری — مولانا عبد النعیم عزیزی، مقالہ برائے ڈاکٹریٹ

۲۔ امام احمد رضا کی نثر نگاری — مختار احمد، مقالہ برائے ڈاکٹریٹ

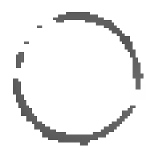
۳۔ حسن رضا خاں کے حالات اور ادبی خدمات — نکہت فاطمہ، مقالہ برائے ڈاکٹریٹ

۴۔ مفتی محمد مصطفےٰ رضا خاں کے حالات و علمی خدمات — مجیب رضا، مقالہ برائے ڈاکٹریٹ

اور یہ اسی غفلت کا ردِّ عمل ہے کہ بریلی کالج کے شعبۂ عربی کے انچارج پرنسپل

محمود حسین بریلوی نے امام احمد رضا کے عربی آثار پر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے ایم۔ فل کیا اور پروفیسر ڈاکٹر عبدالہادی ندوی نے موصوف کی نگرانی فرماکر عدل گستری اور وسعتِ قلبی کی روشن مثال قائم کی ــــ پروفیسر محمود حسین بریلوی نے عربی کے ڈپلوما کورس میں تحقیق کے لئے نصابی شخصیات میں امام احمد رضا کا نام بھی شامل کروا دیا ہے ــــ یہ ایک اہم کام کیا ــــ حق کو چھپایا نہیں جا سکتا ــــ ایک وقت آتا ہے کہ چھپانے والے خود چھپتے پھرتے ہیں ــــ لیڈن یونیورسٹی (ہالینڈ) کے مشہور محقق پروفیسر جے۔ ایم۔ ایس بلیان، علومِ اسلامیہ کے بین الاقوامی اسکالر ہونے کے باوجود امام احمد رضا سے قطعاً واقف نہ تھے ــــ ۶۵ سال کی عمر تک وہ بے خبر رہے۔ آج سے دس سال قبل جب باخبر کیا گیا تو حیران رہ گئے ــــ اور اپنی بے خبری پر نادم و سرشار ــــ وہ حیران تھے کہ وہ بار بار پاک و ہند کے دانشوروں اور محققین و فضلاء سے ملے مگر کسی نے ذکر تک نہ کیا، کتابوں میں ذکر تو بہت دور کی بات ہے ــــ ابتداء میں اُن کو یقین نہیں آیا، پھر جب خود مطالعہ کیا تو اُن کی حیرانگی بڑھتی گئی ــــ اب جب بین الاقوامی کانفرنسوں میں اسلامی موضوعات پر مقالات پڑھتے ہیں تو اُس میں امام احمد رضا کا ذکر ضرور کرتے ہیں۔ چنانچہ فرانس، جرمنی، ہنگری وغیرہ کی بین الاقوامی کانفرنسوں میں جو مقالات پڑھے، اُن میں امام احمد رضا کی تصانیف سے استفادہ کیا ہے ــــ ایک زمانہ تھا جب دانش گاہوں میں امام احمد رضا کا ذکر معیوب سمجھا جاتا تھا مگر اب ہر دانش گاہ میں امام احمد رضا پر اعتماد سے گفتگو کی جا سکتی ہے اور سُننے والے سنتے ہیں ــــ خود راقم نے ۲۸ نومبر ۱۹۹۲ء کو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ کے کینیڈی ہال میں خطاب کیا۔ امام احمد رضا پر کھل کر

گفتگو کی۔ اساتذہ و طلباء نے یہ گفتگو توجہ سے سُنی بلکہ اجلاس ختم ہونے کے بعد جس والہانہ انداز سے انہوں نے معانقہ و مصافحہ کیا' اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ سچی باتیں سُننے کے لئے بے چین تھے، اسی طرح بریلی جانا ہوا تو وہاں ڈاکٹر وسیم صاحب کے اصرار پر بریلی کالج کے شعبۂ اردو میں ۲ر دسمبر ۱۹۹۲ء کو طلباء سے خطاب کیا اور امام احمد رضا کے بارے میں بعض حقائق بتائے۔ سب نے راقم کی باتیں اس توجہ اور ذوق و شوق سے سُنیں گویا اُن کو اپنے ہی گھر میں ایک خزانہ مِل رہا ہو ——— ۔



امام احمد رضا کی شخصیت و فکر سے واقف نہ ہونے کی وجہ سے بعض اہل علم نے اُن سے غلط باتیں منسوب کردی ہیں ——— یہاں ہم صرف ایک مثال پیش کریں گے ——— ہندوستان کے مشہور فاضل مولوی ابوالحسن علی ندوی نے نزہۃ الخواطر میں امام احمد رضا سے متعلق جہاں بعض اچھی باتیں لکھی ہیں وہاں یہ بھی لکھدیا ہے:۔

قلیل البضاعۃ فی الحدیث و التفسیر

(نزہۃ الخواطر، ج ۸، ص ۴۴)

(حدیث و تفسیر میں فرومایہ تھے)

لیکن حقائق کی روشنی میں علی میاں کی یہ بات صحیح نہیں معلوم ہوتی ——— امام احمد رضا کے تلمیذ رشید اور خلیفہ علامہ محمد ظفر الدین رضوی نے جامع الرضوی کے نام سے احادیث کا ایک عظیم مجموعہ مرتب کیا تھا جو چھ مجلدات پر مشتمل تھا، اس کی دوسری جلد کے دیباچے میں وہ لکھتے ہیں:۔

ولنقدم قبل الشروع فی المقصود مقدمة یشتمل فوائد التقطها من تصانیف العلماء لاسیما سیّدی وملاذی شیخی و استاذی ـ ـ ـ ـ ـ مولانا الشاہ احمد رضا خان القادری ــــــ الخ

(جامع الرضوی، حیدرآباد سندھ ۱۹۹۲ء ج ۲، ص ۲)

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ علاّمہ موصوف نے کتاب کے مقدمے میں دوسرے علماء کے علاوہ خاص طور پر امام احمد رضا کی تصانیف سے استفادہ کرکے علم حدیث سے متعلق بہت سے بیش قیمت نکات و فوائد جمع کئے تھے ــــ علاّمہ موصوف نے مقدمہ میں اس قسم کے ۳۲ نکات کا ذکر کیا ہے جو صفحہ ۴ سے صفحہ ۲۶ تک پھیلے ہوئے ہیں اور لائق مطالعہ ہیں ــــ جامعہ ملیہ، دہلی کے استاد ایس۔ ایم خالد الحامدی (شعبۂ عربی) علم حدیث میں علمائے پاک و ہند کی خدمات پر تحقیق کررہے ہیں، موصوف راقم کے نام اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں :ــ

> "گزشتہ سال کے آخری چار مہینے ـ ـ ـ ـ ـ میں میں اپنے تحقیقی مقالے کے سلسلے میں اہم علمی مراکز، مدارس اور کتب خانوں کے دوروں پر رہا، الحمد اللہ کافی مواد میسّر آیا۔ بریلی میں گیا تھا، وہاں کے حضرات نے اس سلسلے میں بڑی دلچسپی کا اظہار کیا تھا اور جب میں نے انہیں بتایا کہ اعلیٰ حضرت کی علم حدیث پر تالیفی خدمات کی تعداد ۴۰ تک پہنچتی ہے تو وہ دنگ رہ گئے" ــــ
>
> (محررہ ۲۰ر فروری ۱۹۹۲ء)

غالباً علم حدیث میں اسی مہارت کی وجہ سے بعض علمائے عرب و عجم

نے امام احمد رضا کو امام المحدثین تسلیم کیا ہے ــــــ پروفیسر ڈاکٹر اقبال احمد انصاری ندوی (سابق صدر شعبۂ علوم اسلامیہ، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی) نزہۃ الخواطر پر نظر ثانی فرما رہے ہیں، جب راقم نے ایک ملاقات میں ایسی غلطیوں کی طرف متوجہ کیا تو انہوں نے بڑی وسعت قلبی سے فرمایا کہ اغلاط کی نشاندہی کر دی جائے، اصلاح کر دی جائے گی ــــــ حقیقت میں امام احمد رضا کی شخصیت و فکر کے بعض گوشے ابھی تک محققین کی دسترس سے باہر ہیں ــــــ امام احمد رضا پر روز بروز نئی معلومات سامنے آتی جاتی ہیں ــــــ ابھی کی بات ہے یکم دسمبر ۱۹۹۲ء کو بریلی جانا ہوا، وہاں جامعہ نوریہ رضویہ کے استاد مولانا محمد حنیف رضوی نے مشہور درسی کتاب ہدیہ سعیدیہ پر امام احمد رضا کے حواشی دکھائے ــــــ اس سے کچھ عرصہ قبل صاحبزادہ سید وجاہت رسول قادری بہت سے مخطوطات لائے ــــــ مولانا محمد حنیف رضوی نے صحیح بخاری شریف اور الاشباہ و النظائر پر امام احمد رضا کے قلمی حواشی بھی دکھائے جو علامہ اختر رضا خاں ازہری کی عنایت سے ملے ــــــ پروفیسر محمود حسین بریلوی کی عنایت سے بھی بہت مخطوطات ملے، ــــــ علامہ توصیف رضا خاں (بریلی) نے ایک ملاقات میں فرمایا کہ اُن کے پاس فتاویٰ رضویہ کی بارہویں جلد کا قلمی نسخہ موجود ہے ــــــ یہ چند علمی نوادر وہ ہیں جن کا علم حال ہی میں ہوا ہے ــــــ اس سے قبل امام احمد رضا کے بہت سے قلمی نوادرات سامنے آئے ــــــ ایک عظیم ذخیرہ راقم کے کتب خانے اور ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی کے کتب خانے میں موجود ہیں ــــــ اور ایک عظیم خزانہ ابھی نظروں سے اوجھل ہے۔ ہر آنے والا دن ایک نئی خبر لے کر آ رہا ہے ــــــ

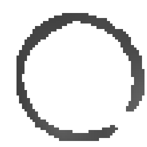
امام احمد رضا کی شخصیت و فکر پر جو پردے پڑے ہوئے تھے، اُن کو اُٹھانے کے لیے راقم نے ۱۹۷۰ء سے امام احمد رضا کو موضوعِ تحقیق بنایا اور امام احمد رضا کی تلاش میں چل پڑا ــــ اب تک چل رہا ہوں، پانے کی جستجو میں لگا ہوا ہوں ــــ ایک منزل آتے ہی دوسری منزل نظر آنے لگتی ہے ــــ شوق، قلم کا رفیق سفر ہے، رواں دواں رکھتا ہے ــــ اب تک نہ معلوم کتنی کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور کتنے مقالے قلمبند کیے جا چکے ہیں مگر قلم کا سفر ہنوز جاری و ساری ہے اور نہ معلوم کب تک جاری رہے ــــ

راقم نے امام احمد رضا پر جو خصوصی مقالات قلم بند کیے ہیں اُن میں مندرجہ ذیل چھ مقالات کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے :-

۱۔ مقالہ برائے شعبۂ دائرۃ المعارف الاسلامیہ پنجاب یونیورسٹی، لاہور (پاکستان)
۲۔ مقالہ برائے انسائیکلو پیڈیا آف اسلام، پیرس (فرانس)
۳۔ مقالہ برائے پاکستان نیشنل ہجرہ کونسل، اسلام آباد (پاکستان)
۴۔ مقالہ برائے ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی (پاکستان)
۵۔ مقالہ برائے اکیڈمی آف اسلامک سویریلزیشن اینڈ ریسرچ، عمّان (اردن)
۶۔ مقالہ برائے انسائیکلو پیڈیا آف اسلامیکا فاؤنڈیشن، تہران (ایران)

اِس وقت دُنیا میں بہت سے ادارے امام احمد رضا پر کام کر رہے ہیں اور بہت سی شخصیات امام احمد رضا سے متعلق مختلف موضوعات پر کام کر چکی ہیں یا کام کر رہی ہیں۔ یہ تفصیلات خود ایک تحقیقی مقالے کی مقتضی ہیں ــــ عالمی جامعات میں جو کام ہوا ہے اُس کی کچھ تفصیلات راقم نے اپنے مقالے امام احمد رضا اور عالمی جامعات (مطبوعہ صادق آباد ۱۹۹۱ء) میں دی ہیں لیکن اب تحقیق کا دائرہ بہت وسیع ہو چکا ہے ــــ بیس سال قبل

دُنیا کی یونیورسٹیوں کے اربابِ بسط و کشاد سے اپیل کی تھی کہ وہ امام احمد رضا کی شخصیت و فکر کی طرف متوجہ ہوں، فُضلاء کو تحقیق کی اجازت دیں۔ شکر ہے کہ یہ آواز صدا بصحرا نہ ہوئی بلکہ نقش کالحجر ہو گئی —— کام کا آغاز ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے پھیلتا چلا گیا —— نئی نئی جہتوں سے کام ہو رہا ہے —— اسوقت برّ اعظم ایشیا، برّ اعظم امریکہ، برّ اعظم افریقہ اور برّ اعظم یورپ کی تقریباً بیس یونیورسٹیوں اور علمی اداروں میں امام احمد رضا پر تحقیقی کام ہو رہا ہے۔ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی اُن سے علمی تعاون کر رہا ہے —— پیشِ نظر مقالہ پاکستان ہجرہ کونسل (اسلام آباد) کے ڈائریکٹر ڈاکٹر نبی بخش بلوچ کی فرمائش پر ۱۹۸۶ء میں لکھا گیا تھا، موصوف کی اجازت سے اس مقالہ کا عربی ترجمہ ۱۹۹۲ء میں ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا نے شائع کر دیا ہے اور اب ادارۂ معارفِ نعمانیہ لاہور اس کو شائع کر رہا ہے ——



امام احمد رضا پر تحقیق کی ضرورت اس لئے محسوس کی جا رہی ہے کہ وہ سوادِ اعظم اہلِ سُنّت کے علمبردار ہیں —— اُن کے جذبے میں بڑا خلوص ہے —— اُن کی فکر میں بڑی گہرائی ہے —— اِس وقت عالمِ اسلام کو اُن کی ضرورت ہے —— انہوں نے عشقِ مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلّم) کو ملّت کی فکری اساس قرار دیا —— اُن کے نزدیک زندگی عشقِ مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلّم) سے عبارت ہے —— جب تک یہ عشق ہمارے رگ و پے میں نہیں سماتا؛ ہم زندہ ہوتے ہوئے بھی مُردہ ہیں —— ایک زندہ ہزار مُردوں پر بھاری ہے —— قرآنِ حکیم نے زندگی کے اس فلسفے کو بتایا —— ہم زندہ

ہو گئے تو کوئی مار نہیں سکتا ـــــ ہماری بدبختی کی انتہا ہے کہ ہم نصاریٰ سے آس لگائے بیٹھے ہیں اور نصاریٰ کی دوستی پر فخر کرتے ہیں ـــــ اُن کی اداؤں کو اپناتے شرم نہیں آتی ـــــ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اداؤں کو اپناتے شرم آتی ہے ـــــ ہم گمراہی کی کس ظلمت میں گم ہو گئے ـــــ ؟ امام احمد رضا نے ستّر سال قبل ملّتِ اسلامیہ کو خبردار کیا تھا، نصاریٰ اور یہود و ہنود سب ملّتِ اسلامیہ کے بدخواہ ہیں، اُن سے دوستی نہ کرنا، اُن کو اپنا نہ سمجھنا، اُن کو رازدار نہ بنانا ـــــ جس نے اُن کو خیر خواہ سمجھا، اُس نے ٹھوکر کھائی ـــــ امام احمد رضا کی نظر میں جمالِ مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) ایسا سمایا ہوا ہے کہ نظروں میں کوئی جچتا ہی نہیں ـــــ اُن کے نزدیک ہماری ساری توانائیاں اور ہمارا جینا مرنا سب محمد مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے ہے ـــــ کیا خوب فرمایا ؎

دہن میں زباں تمہارے لئے، بدن میں ہے جاں تمہارے لئے
ہم آئے یہاں تمہارے لئے، اُٹھیں بھی وہاں تمہارے لئے

امام احمد رضا نے اس حقیقت کو سنجیدگی سے محسوس کیا کہ ملّتِ اسلامیہ کو دامنِ مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے وابستہ کرنے کی ضرورت ہے، یہ وہ حقیقت ہے جو آج اسلام کا درد رکھنے والا ہر دانشور محسوس کر رہا ہے ـــــ امام احمد رضا نے ہر اُس فکر کے خلاف جہاد کیا جو حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک عام انسان کی صف میں کھڑا کرنے کی کوشش کر رہا تھا، آج بھی دین کے لبادے میں بہت سی جماعتیں اس کوشش میں معروف ہیں ـــــ امام احمد رضا نے سقوطِ سلطنتِ اسلامیہ کے فوراً بعد پست ہمت مسلمانوں کے حوصلے بڑھائے، اُن کے دلوں کو عشقِ مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی گرمی سے گرمایا اور اسی دولتِ عشق کا احساس دلا کر کم مائیگی کا احساس مٹایا ـــــ امام احمد رضا نے

ایک بھرپور تحریک چلائی۔ آج کے تاریک دور میں اسی جذبۂ عشق کی ضرورت ہے جو کمزوروں کو توانا، مغلوبوں کو غالب، محکوموں کو حاکم اور غلاموں کو بادشاہ بنادیا کرتا ہے ——— امام احمد رضا عاشقوں کے سردار اور اُس سوادِ اعظم اہلِ سُنّت وجماعت کے علمبردار تھے جو کبھی پورے عالمِ اسلام پر چھایا ہوا تھا ——— ایک زمانہ تھا جب مسلمانانِ پاک و ہند اور بنگلہ دیش میں اہل سنت وجماعت کے علاوہ کوئی نہ تھا، حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ سات سو برس پہلے کے دینی ماحول کا اپنے ایک شعر میں یوں نقشہ کھینچتے ہیں:۔

زہے ملک مسلمان خیزد دیں ہوئے
کہ ماہی نیز سُنّی خیزد از جوئے

ترجمہ: "واہ! ہندوستان کیسا مسلمان خیز اور اسلام کے متلاشیوں اور شیدائیوں کا ملک ہے، یہاں تو نہر سے مچھلی بھی نکلتی ہے تو وہ بھی سُنّی ہوتی ہے"۔

اور تقریباً چار سو برس پہلے کی دینی فضا کا حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ یوں ذکر فرماتے ہیں:۔

"تمام سُکّانِ آن از اہلِ اسلام بر عقیدۂ حقّہ، اہلِ سُنّت وجماعت اندر نشانے از اہلِ بدعت و ضلالت دراں دیار پیدا نیست وطریقہ مرضیّہ حنفیہ دارند" (ردِّ روافض، لاہور ۱۹۹۳ء، ص ۹)

ترجمہ: "ہندوستان کے تمام مُسلمان باشندے عقیدۂ حقّہ اہلِ سُنّت وجماعت رکھتے ہیں اور اس ملک میں بدعتیوں اور گمراہوں کا نام ونشان تک نہیں، سب کے سب حنفی ہیں۔"

اِن حقائق وشواہد سے آپ اندازہ کرسکتے ہیں کہ چند صدیاں پہلے پاک وہند اور بنگلہ دیش کی دینی فضا کیسی تھی؟ اور اب جو حال ہے، آپ کے سامنے ہے۔

گویا یہ ممالک ایک چراگاہ ہیں جہاں ہر کوئی چرتا پھرتا ہے

حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ نے بدعتی اور بدعقیدہ کے متعلق جو اظہارِ خیال فرمایا ہے، امام احمد رضا ندوۃ العلماء کے شیخ عالم مولانا محمد علی مونگیری کے نام ایک مکتوب میں اس کا یوں ذکر فرماتے ہیں :-

"حضرت شیخ مجدد الف ثانی صاحب رحمۃ اللہ کا ایک ارشاد یاد دلاتا ہوں اور اس عین ہدایت کے امتثال کی اُمید رکھتا ہوں، حضرت ممدوح اپنے مکتوبات شریفہ میں ارشاد فرماتے ہیں!-

فسادِ مبتدع زیادہ از فسادِ صحبت صد کافر است"

(مکتوباتِ امام احمد رضا خاں بریلوی، لاہور ۱۹۸۶ء، ص ۹۰/۹۱)

امام احمد رضا ہر بدعتی اور بدعقیدہ کو کافر و مشرک سے زیادہ خطرناک سمجھتے تھے، اس لئے وہ زندگی بھر اہلِ سنّت وجماعت کے عقائد کی حفاظت کرتے رہے۔ عقیدہ ہی فکری اتحاد کی بنیاد ہے، یہ بکھر گیا تو ملّت بکھر گئی —— دشمنانِ اسلام نے رخنے ڈال کر ملّتِ اسلامیہ کو ٹکڑیوں میں تقسیم کرنا شروع کیا ——

امام احمد رضا ہر تقسیم کے خلاف تھے —— وہ اتحادِ عالمِ اسلامی کے داعی تھے —— جب کارواں لُٹ رہا تھا، وہ لوٹنے والوں کا تعاقب کر رہے تھے اور لُٹنے والوں کے دامن کھینچ کھینچ کر بُلا رہے تھے —— سیدھے راستہ سے ہٹ کر نئی نئی راہیں بنانے والوں کا پیچھا کر رہے تھے ——

امام احمد رضا کے ہر زمانے میں ظاہر ہونے والی تمام نئی نئی تحریکوں کے نتائج آج ہمارے سامنے آچکے ہیں —— اِن نتائج کو سامنے رکھ کر امام احمد رضا کے فکر و تدبّر کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے —— کوئی صاحبِ ہمت جوانِ صالح اس طرف متوجہ ہو! —— امام احمد رضا کے فکر و تدبّر کے

عظیم ذخیرے جس کو فتاوی رضویہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، کھنگالیں ——— اِس خداداد دانش کا خود نظارہ کریں اور دوسروں کو نظارہ کرائیں ———

آج ہم کو امام احمد رضا کی ضرورت ہے ——— وہ دلوں کی آواز ہیں ——— وہ وقت کی پکار ہیں ———

تو مری رات کو مہتاب سے محروم نہ رکھ
ترے پیمانے میں ہے ماہِ تمام اے ساقی!

احقر

محمد مسعود احمد عفی عنہ
کراچی (سندھ) پاکستان

۲۴ رجب المرجب ۱۴۱۳ھ
۱۸ جنوری ۱۹۹۳ء

پردہ اُٹھتا ہے

مؤلفہ: مولانا اقبال احمد قادری

" محترم جناب مولانا اقبال احمد قادری اہلسنّت وجماعت کے نئے قلمکار ہیں۔ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی کے رفیقِ کار ہیں۔ اُن کے لکھنے کا انداز بہت خوب ہے۔ ادارہ کے سالنامہ معارف رضا کے علاوہ اُن کے مضامین ومقالات ماہنامہ اظہار، کراچی، ماہنامہ ضیائے حرم، لاہور، ماہنامہ القول السدید، لاہور، ماہنامہ اعلحضرت، بریلی شریف میں اکثر شائع ہوتے رہتے ہیں۔

زیر نظر مقالہ گزشتہ سال لاہور، کراچی سے بیک وقت شائع ہوا۔ اس کی افادیت کا انداز تقویم ہذا سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔

طاہر

پروفیسر محمد رفیع اللہ صدیقی

(ماہر معاشیات اور ناظم تعلیمات حیدر آباد ڈویژن سندھ)

"اب اہلِ دل اور اہلِ نظر ذرا اُس ماحول کو ذہن میں رکھیں جب کہ سنہ ۱۹۱۲ء میں مولانا احمد رضا خاں نے مسلمانوں کو اس بات پر عمل کرنے کی تلقین کی تھی کہ وہ غیر ضروری اخراجات سے پرہیز کریں اور زیادہ سے زیادہ پس انداز کریں اور آج کے ماحول پر نظر ڈالیں جب کہ حکومتیں اس بات کے لئے کوشاں ہیں کہ عوام زیادہ سے زیادہ بچت کریں۔ —— کیا آپ اب بھی قائل نہ ہوں گے مولانا کی دُور اندیشی کے؟ —— کیا اب بھی آپ کو یقین نہ آئے گا کہ مولانا کی دُور رس نگاہیں مستقبل کو کتنا صاف دیکھ رہی تھیں؟ —— کینز (J. M. Keynes) کو اس کی خدمات کے صلے میں اعلیٰ ترین خطاب مل سکتا ہے اس بنا پر کہ اس نے وہ چیز دریافت کرلی تھی جسے چوبیس سال قبل مولانا احمد رضا خاں بریلوی شائع کروا چکے تھے۔ لیکن افسوس مسلمانوں نے اس طرف ذرہ برابر توجہ نہ دی۔

(معارفِ رضا، کراچی، سنہ ۱۹۸۱ء، ص ۵۷)

تقدیم

عزیزگرامی مولانا اقبال احمد قادری زید مجدہٗ کی کتاب "پردہ اُٹھتا ہے۔"
سنہ ۱۹۹۲ء میں کراچی سے جمعیت اشاعتِ اہلسنت نے شائع کی اور لاہور سے رضا اکیڈمی نے۔ الحمدللہ یہ کتاب بہت مقبول ہوئی اور بھٹکے ہوئے انسانوں کو ہدایت ملی۔ فاضل مصنف کے نام ایسے خطوط آئے ہیں جن میں کتاب پڑھنے والوں نے اپنے سابقہ عقائد سے توبہ کرنے کا عزم ظاہر کیا ہے —— تحریر کی تاثیر کا تعلق خلوص و صداقت سے ہوتا ہے۔ اعمال کا دار و مدار نیّت پر ہے —— اگر لکھنے والے کی نیت اچھی نہیں تو کتاب کتنی ہی اچھی ہو تاثیر سے خالی ہوگی —— مولانا اقبال احمد قادری قابلِ مُبارکباد ہیں۔ انہوں نے نئے انداز سے آسان زبان میں ایسی کتاب لکھی جو جوانوں کو متاثر کر رہی ہے اور اُن کو راہِ راست پر لا رہی ہے۔

بالعموم جو کتابیں ڈرامائی انداز سے لکھی جاتی ہیں اُن میں جھوٹ کی ضرور ملاوٹ ہوتی ہے اور حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کیا جاتا ہے مگر اس کتاب میں امام احمد رضا سے متعلق جو حقائق بیان کئے گئے ہیں وہ بالکل صحیح ہیں اور سچائی ہی اس کتاب کا خاص امتیاز ہے۔

مولانا اقبال احمد قادری نے اس کتاب میں امام احمد رضا کی زندگی کے بہت سے پہلوؤں کو سمیٹ لیا ہے۔ مثلاً امام احمد رضا کا خاندان، اُن کی علمیت و مجددیت، سائنس میں اُن کی مہارت، ردِّ بدعات کے لئے اُن کی کوششیں

اتمامِ عالم اسلامی کے لئے اُن کی مساعی، نصاریٰ اور بدمذہبوں سے اُن کی نفرت، اُن کی بے مثال سیاست و تدبّر، ترجمۂ قرآن میں اُن کی مہارت وغیرہ پر کامیابی کے ساتھ روشنی ڈالی ہے اور اصل حقائق سے پردہ اُٹھاتا ہے — مولائے کریم فاضل مصنّف مولانا اقبال احمد قادری زید مجدہ کو اس دینی خدمت کا اجرِ عظیم عطا فرمائے اور دین و مسلک کی مزید توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین !!

احقر

محمّد مسعود احمد
کراچی (سندھ)

۹ رمضان المبارک ۱۴۱۳ھ
۴ مارچ ۱۹۹۳ء

صحیح البہاری

مؤلفہ: علامہ محمد ظفر الدین رضوی

"علامہ محمد ظفر الدین رضوی کی کتاب جامع الرضوی المعروف بہ صحیح البہاری سنہ ۱۹۹۲ء میں حیدر آباد سندھ میں پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفےٰ خاں صاحب کی نگرانی میں چھپ رہی تھی۔ یہ مختصر سوانح اُن کی فرمائش پر لکھی گئی تھی ———"

طاہر

علامہ علاؤالدین صدیقی مرحوم

سابق وائس چانسلر، پنجاب یونیورسٹی لاہور

"جس طرح اَدیانِ عالم میں دینِ اسلام ہے اسی طرح اسلام کے جُملہ فرقوں میں اہلِ سُنت کو خاص حیثیت حاصل ہے . . . . جب دین کی قدروں کو نیچے گرایا جا رہا تھا اُس وقت مولانا شاہ احمد رضا خاں قادری آگے بڑھے اور انہوں نے دین کی قدروں کو صحیح مقام پر ثبات بخشا — اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی امام اہلِ سنت تھے اس لئے مسلمانوں کو فاضل بریلوی کی زندگی کو مشعلِ راہ بنانا چاہیئے۔"

(عبدالنبی کوکب: مقالاتِ یومِ رضا، حصہ دوم، مطبوعہ لاہور ۱۹۶۸ء، ص ۱۷)

پروفیسر کرار حسین

(سابق وائس چانسلر، بلوچستان یونیورسٹی، کوئٹہ)

"میں اُن کی شخصیت سے اس وجہ سے متاثر ہوں کہ انہوں نے علم و عمل میں عشقِ رسول کو وہ مرکزی مقام دیا جس کے بغیر تمام دین ایک جسدِ بے روح ہے۔"

(محمد مُرید احمد چشتی: خیابانِ رضا، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۲ء، ص ۸۵)

علامہ محمد ظفر الدین رضوی

(خلیفۂ امام احمد رضا)

علامہ محمد ظفر الدین رضوی (م ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء) پاک و ہند کے ممتاز علماء میں شمار کئے جاتے ہیں۔ آپ کا سلسلۂ نسب متعدد واسطوں سے محی الدین حضرت شیخ عبد القادر جیلانی علیہ الرحمۃ تک پہنچتا ہے ——— آپ ۱۰ محرم الحرام ۱۳۰۳ھ/۱۸۸۰ء کو موضع رسول پور میجرا (ضلع پٹنہ، بھارت) میں پیدا ہوئے۔ شوال ۱۳۱۳ھ/۱۸۹۶ء میں مدرسہ حنفیہ غوثیہ (موضع بین پٹنہ) میں داخل ہوئے اور متوسطات تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد دار العلوم حنفیہ (بخشی محلہ، پٹنہ) میں چلے گئے، یہاں استاذ العلماء مولانا لطف اللہ علی گڑھ (م ۱۳۳۴ھ/۱۹۱۶ء) کے شاگرد اور شاہ فضل الرحمن گنج مرادآبادی (م ۱۳۱۳ھ/۱۸۱۹ء) کے خلیفہ شیخ المحدثین علامہ وصی احمد محدث سورتی (۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء) صدر مدرس تھے۔ فاضل رضوی یہاں ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء تک تعلیم حاصل کرتے رہے۔ پھر ۱۳۲۱ھ/۱۹۰۳ء میں کانپور جا کر مولانا احمد حسن کانپوری (م ۱۳۱۴ھ/۱۸۹۶ء) سے علوم و فنون کی امہات الکتب کا درس لیا، ان کے علاوہ دوسرے علماء سے بھی استفادہ کیا۔ کانپور سے پھر علامہ وصی احمد محدث سورتی کی خدمات میں پیلی بھیت حاضر ہوئے جو پہلے ہی یہاں تشریف لا چکے تھے۔ یہاں فاضل رضوی ان کے درس

حدیث میں شریک رہے اور حدیث پاک کی سماعت و قرأت کی۔

۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء میں فاضل رضوی بریلی میں امام احمد رضا خاں فاضل بریلوی (م ۱۳۴۰ھ/۱۹۲۱ء) کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ کچھ عرصے مدرسہ مصباح التہذیب (بریلی) میں پڑھتے رہے اور دار الافتاء رضویہ میں مشقِ افتاء کرتے رہے۔ پھر جب ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء میں دار العلوم منظر اسلام (بریلی) قائم ہوا تو فاضل رضوی اس کے پہلے طالب علم ہوئے اور فاضل بریلوی سے بخاری شریف اور مسلم شریف از اوّل تا آخر پڑھیں۔ اس کے علاوہ اقلیدس کے چھ مقالے، تصریح تشریح الافلاک، شرح چغمینی (مکمل)، علمِ توقیت علمِ جفر، علمِ تکسیر وغیرہ کی بھی تحصیل کی۔ اور تصوف میں عوارف المعارف اور رسالہ قشیریہ بھی پڑھا — فاضل رضوی کو علمِ توقیت میں بڑی مہارت حاصل تھی۔ مفتیٔ اعظم شاہ محمد مظہر اللہ دہلوی (م ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء) بھی اس کے معترف تھے۔ فنِ حدیث میں اُن کی مہارت پر کتاب جامع الرضوی شاہد عادل ہے — فاضل رضوی ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء میں دار العلوم منظر اسلام (بریلی) سے فارغ ہوئے اور دستارِ فضیلت حاصل کی — وہ فتویٰ نویسی میں فاضل بریلوی کے معین بھی رہے۔ سلسلۂ قادریہ میں فاضل بریلوی سے محرم الحرام ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء میں بیعت ہوئے اور اجازت و خلافت حاصل کی۔

سندِ فراغت حاصل کرنے کے بعد فاضل رضوی مختلف مدرسوں میں بحیثیت مدرّس اور صدر مدرّس پڑھاتے رہے۔ وہ سب سے پہلے دار العلوم منظر اسلام (بریلی) میں مدرّس ہوئے۔ پھر فاضل بریلوی کے ایماء پر جامع مسجد شملہ (بھارت) میں امامت و خطابت کے فرائض انجام دیتے رہے — ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء میں مدرسہ فیض الغرباء آرہ چلے گئے۔ سال بھر

بعد مدرسہ شمس الہدیٰ، پٹنہ میں استاد تفسیر وحدیث مقرر ہوئے۔ سنہ ۱۳۳۴ھ/سنہ ۱۹۱۶ء کے اواخر میں مدرسہ خانقاہ کبیرہ (سہسرام) میں بحیثیت صدر مدرس مقرر ہوئے — سنہ ۱۳۳۹ھ/سنہ ۱۹۲۱ء میں جب مدرسہ شمس الہدیٰ حکومت کے زیر اثر آیا تو فاضل رضوی یہاں بُلائے گئے — سنہ ۱۳۳۹ھ/سنہ ۱۹۲۰ء میں سہسرام سے منتقل ہوکر مدرسہ شمس الہدیٰ میں آگئے اور فنون کی اعلیٰ کتابوں کی درس وتدریس میں مصروف ہوگئے۔ حدیث، فقہ اور ہیئات میں اُن کا درس دور و نزدیک مشہور ہوا۔ سنہ ۱۳۶۸ھ/سنہ ۱۹۴۸ء میں وہ مدرسہ شمس الہدیٰ کے پرنسپل ہوگئے اور ۱۹ر اکتوبر سنہ ۱۹۵۰ء کو ریٹائر ہوگئے۔

سنہ ۱۳۶۷ھ/سنہ ۱۹۴۸ء سے سنہ ۱۳۷۰ھ/سنہ ۱۹۵۱ء تک فاضل رضوی، ظفر منزل شاہ گنج، پٹنہ میں مقیم رہے۔ ۲۹ر شوال سنہ ۱۳۷۱ھ/سنہ ۱۹۵۲ء کو کٹیہار میں جامعہ لطیفیہ بحر العلوم کے صدر مدرس ہوئے۔ سنہ ۱۳۸۰ھ/سنہ ۱۹۶۰ء میں علالت کی وجہ سے واپس ظفر منزل، پٹنہ آگئے — ۱۹ر جمادی الآخر سنہ ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۸ر نومبر سنہ ۱۹۶۲ء کو شب دوشنبہ انتقال فرمایا — "فاضل بہار" آپ کا مادۂ تاریخ وفات ہے — مزار مبارک محلہ شاہ گنج، پٹنہ (بھارت) میں ہے۔ نرینہ اولاد میں اِس وقت پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین آرزو یادگار ہیں جو بین الاقوامی شہرت کے مالک ہیں۔ عرصۂ دراز تک مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ میں صدر شعبۂ عربی اور ڈین رہے۔ آجکل جامعہ اردو، علی گڑھ میں نائب شیخ الجامعہ ہیں —

فاضل رضوی کی تصانیف کی تعداد ۷۰ سے زیادہ ہے۔ چند ایک یہ ہیں۔

۱- المجمل المعدد لتالیفات المجدد (۱۳۲۷ھ/۱۹۰۹ء

۲- الجواہر الیواقیت ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۱ء

۳- موذن الاوقات (۱۳۳۵ھ/۱۹۱۶ء

(۴) اعلام الاعام باحوال عرب قبل الأسلام (۱۳۴۱ھ/۱۹۲۲ء)
(۵) نہایۃ المنتہی شرح ہدایۃ المبتدی (۱۳۴۳ھ/۱۹۲۴ء)
(۶) الافادات الرضویہ (۱۳۴۴ھ/۱۹۲۵ء)

(۷) صحیح البہاری (۱۳۴۵ھ/۱۹۲۶ء) چھ مجلدات
(۸) تسہیل الوصول الی علم الاصول (۱۳۴۸ھ/۱۹۲۹ء)
(۹) نافع البشر فی فتاوی الظفر (۱۳۴۹ھ/۱۹۳۰ء)
(۱۰) الانوار اللامعہ من الشمس البازغہ (۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸ء)
(۱۱) الفوائد التامہ فی اجوبۃ الامور العامہ (۱۳۵۷ھ/۱۹۳۸ء)
(۱۲) تحفۃ الفضلاء فی فضل العلماء (۱۳۶۵ھ/۱۹۴۶ء)
(۱۳) حیاتِ اعلیٰحضرت (مظہر المناقب) ۱۹۳۸ء — چار مجلدات

وغیرہ وغیرہ

مأخذ و مراجع

۱۔ حسن رضا اعظمی، فقیہہ اسلام، پٹنہ ۱۹۸۱ء، ص ۲۳۸-۲۴۳)
۲۔ عبدالمجتبیٰ رضوی، تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ، بنارس ۱۹۹۰ء، ص ۴۶۱
۳۔ محمد ظفرالدین بہاری، حیات اعلیٰحضرت، جلد اول، کراچی، ص ۲۲۴
۴۔ محمود احمد قادری، تذکرہ علمائے اہلِ سنت، کانپور ۱۹۷۷ء، ص ۱۱۳، ۱۱۹
۵۔ معارفِ رضا، کراچی ۱۹۸۹ء۔ ص ۲۲۷-۲۳۴

تذکرۂ جمیل

مؤلفہ: علامہ محمد ابراہیم خوشتر صدیقی

"حضرت علامہ محمد ابراہیم خوشتر صدیقی رضوی اہلسنت
جماعت کے معروف عالمی مبلغ ہیں۔ وہ یورپ، امریکہ،
افریقہ، ایشیاء میں تبلیغی دورے کرتے رہتے ہیں۔
انہوں نے مسلک اہل سنت کی بے مثال خدمات
انجام دی ہیں۔ امام احمد رضا کے صاحبزادگان سے
فیض پایا ہے، حجۃ الاسلام حضرت علامہ
محمد حامد رضا خاں علیہ الرحمہ سے خلافت یافتہ ہیں۔
زیر تقدیم کتاب تذکرۂ جمیل حضرت حجۃ الاسلام
کے ہی اذکار میں پہلی مستند سوانح ہے جو ۱۹۹۱ء
میں بریلی شریف سے شائع ہو چکی ہے اور ۲۹۶
صفحات پر مشتمل ہے۔ حضرت علامہ صاحب آجکل
ماریشس (افریقہ) میں مقیم ہیں۔ مگر پوری دنیا
اُن کی جولاں گاہ ہے۔"

طاہر

پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری

(ڈائریکٹر ادارہ منہاج القرآن، لاہور)

حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی دینی خدمات پر نظر ڈالتے ہیں تو خوشگوار حیرت ہوتی ہے کہ اُن کی شخصیت میں بیک وقت

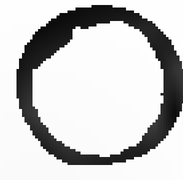
★ ——— شانِ مصلحیت
★ ——— شانِ مجتہدیت اور
★ ——— شانِ مجددیت

موجود ہے ——— جس طرح یہ تینوں سطحیں اُن کی ذات میں جمع ہیں اسی طرح دینِ حق کی خدمت کے تینوں شعبے بھی اُن کے کام میں جمع ہیں ———

★ ——— جب آپ کی خدمات کا عقائد و مسلک کے باب میں جائزہ لیا جاتا ہے تو آپ 'مجدد' نظر آتے ہیں۔
★ ——— فقہی خدمات کے اعتبار سے تو 'مجتہد' نظر آتے ہیں۔
★ ——— اور اگر طریقت و تصوف کے پہلو سے دیکھیں تو 'مصلح' نظر آتے ہیں۔

(پروفیسر محمد طاہر القادری: حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی کا علمی نظم، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۲ء، ص ۱۵)

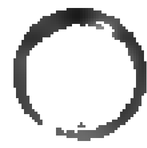
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم



مبلّغِ اسلام حضرت علامہ محمد ابراہیم خوشتر صدیقی دامت برکاتہم العالیہ
عالم اسلام کی جانی پہچانی شخصیت ہیں۔ وہ یورپ اور افریقہ میں امام احمد رضا کا پیغام پھیلا رہے ہیں۔ بہت سے مقامات پر انہوں نے تبلیغی اور اشاعتی ادارے قائم کیے ہیں۔ خانوادۂ امام احمد رضا سے اُن کو خاص نسبت ہے، اُن کی علمی فضیلت کے لئے یہی بات کافی ہے کہ امام احمد رضا کے دونوں شہزادگان حجۃ الاسلام حضرت علامہ محمد حامد رضا خاں بریلوی (۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء) اور مفتی اعظم حضرت علامہ محمد مصطفےٰ رضا خاں بریلوی (۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء) علیہما الرحمہ، اُن کے جلیل القدر اساتذہ میں ہیں۔ — وہ اہل سنت کا سرمایہ ہیں — علم و ادب سے اُن کو فطری لگاؤ ہے — اُن کی زبان میں چاشنی ہے — اُن کے بیان میں دل کشی ہے — اُن کے قلم میں روانی ہے — حجۃ الاسلام کی سوانح کے لیے ایسے ہی سوانح نگار کی ضرورت تھی — علامہ محمد ابراہیم خوشتر صدیقی نے یہ سوانح لکھ کر وقت کی ایک اہم ضرورت کو پورا کیا ہے — ہماری غفلت شعاری سے کتنی ہی تاریخ ساز شخصیات فراموش کردی گئیں — اُن کے علمی کمالات ہماری نگاہوں سے پوشیدہ ہوتے چلے گئے اور بالآخر معدوم ہوگئے — یہ ایک قومی المیہ ہے — ہمارے قلمکاروں کو تاریخ کی حفاظت کے لئے کمربستہ ہوجانا چاہیئے ؎

ضبط کن تاریخ را پایندہ شو!
از نفس ہائے رمیدہ، زندہ شو!

علامہ موصوف نے تذکرۂ جمیل کی تدوین میں اہم مآخذ سے استفادہ کیا ہے جو کچھ خود دیکھا اور دیکھنے والوں نے جو دیکھا وہ بیان کیا ہے —— بعض نوادرات کے عکس بھی شامل کئے ہیں —— کتاب سلیقہ سے مرتب کی ہے اور زندگی کے بہت سے پہلوؤں کو سمیٹا ہے، متعلقات پر بھی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے —— اس سے قبل حجۃ الاسلام کے اتنے تفصیلی حالات کسی کتاب میں نہیں دیکھے گئے، مولانا عبدالنعیم عزیزی نے ایک مختصر رسالہ لکھا تھا جس میں بعض مفید معلومات تھیں مگر وہ ایک مختصر و مفید تعارف تھا اور تذکرۂ جمیل ایک مفصل سوانح ہے —— مولائے کریم حضرت علامہ محمد ابراہیم خوشتر صدیقی مدظلہٗ العالی کو اس خدمتِ جلیلہ کا صلہ عطا فرمائے اور جن حضرات نے اس کی اشاعت میں حصہ لیا ہے اُن کو اجرِ عظیم عطا فرمائے۔ بالخصوص ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کراچی اور مکتبۂ مشرق، بریلی کے اراکین و معاونین کو اپنی بے پایاں نعمتوں اور رحمتوں سے نوازے۔ آمین!



حجۃ الاسلام حضرت علامہ محمد حامد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ ربیع الاول ۱۲۹۲ھ/۱۸۷۵ء میں بریلی شریف میں پیدا ہوئے۔ آپ کے جدِ اعلیٰ افغانستان سے آئے اور ہندوستان میں سلطنتِ مغلیہ کے زمانے میں اعلیٰ مناصب پر فائز ہوئے —— آپ کے پردادا مولانا رضا علی خاں علیہ الرحمہ عالم معارف تھے، انقلاب ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے خلاف عملاً جہاد کیا۔ یوپی گزیٹر سے معلوم ہوتا ہے کہ انگریز جنرل ہڈسن نے آپ کا سر لانے کے لئے انعام مقرر کیا۔ مگر وہ سر کس کو ملے جو درِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم پر جھک چکا ہو۔ سے

؎ آستاں پہ تیرے سر ہو، اجل آئی ہو
پھر اے جانِ جہاں تو بھی تماشائی ہو

حجۃ الاسلام کے بدن میں عظیم مجاہدوں کا خون دوڑ رہا تھا، اسی لئے انہوں نے گھڑ سواری میں کمال پیدا کیا، سرکش سے سرکش گھوڑے کو وہ رام کر لیا کرتے تھے ـــــ حجۃ الاسلام نے معقولات و منقولات کی تمام درسی کتابیں اپنے والدِ ماجد امام احمد رضا علیہ الرحمہ سے پڑھیں اور اس شان سے پڑھیں کہ ان کے درسی سوالات کو امام احمد رضا نے یہ وقار بخشا کہ جب فرزندِ دلبند کا حوالہ دیتے ہیں تو فرماتے ہیں "قال الولد الاعز" ـــــ ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء میں جب وہ حج بیت اللہ شریف اور زیارتِ حرمین شریف کے لئے مکۂ معظمہ اور مدینۂ منورہ حاضر ہوئے تو وہاں علماء کے درس میں شریک ہوئے اور سندیں حاصل کیں ـــــ حجۃ الاسلام ۱۹ سال کی عمر میں ۱۳۱۱ھ/۱۸۹۴ء میں فارغ التحصیل ہوئے ـــــ یہ سعادت بہت کم طلباء کو حاصل ہوتی ہے کہ اتنی چھوٹی عمر میں معقولات و منقولات سے فارغ ہو جائیں ـــــ فقیر کے برادرِ بزرگ مولانا محمد منظور احمد علیہ الرحمہ (ابن مفتیِ اعظم شاہ محمد مظہر اللہ نقشبندی مجددی دہلوی) بھی ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۷ء میں مدرسہ عالیہ فتحپوری، دہلی سے ۱۹ سال کی عمر میں فارغ ہوئے اور پورے مدرسے میں اوّل رہے، اُن کے اساتذہ کا کہنا تھا کہ مرحوم کی حیات وفا کرتی تو اپنے دور کے شاہ عبد العزیز محدث دہلوی ہوتے، مگر اُن کی عمر نے وفا نہ کی اور ۱۳۶۹ھ/۱۹۴۹ء میں حیدر آباد سندھ میں انتقال کر گئے ـــــ تو عرض یہ کر رہا تھا کہ ۱۹ سال کی عمر میں شاذ و نادر ہی طلباء فارغ التحصیل ہوتے ہیں اور امام احمد رضا کی کیا بات کی جائے، انہوں نے تو تیرہ سال دس ماہ پانچ دن میں فارغ ہو کر دُنیا کو حیران کر دیا ـــــ حجۃ الاسلام، اسی جلیل القدر اُستاد کے

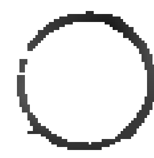
بیٹے اور شاگرد تھے ــــــــ

۱۳۱۲ھ / ۱۸۹۵ء سے ۱۳۲۶ھ / ۱۹۰۸ء تک امام احمد رضا کی خدمت میں رہ کر تربیت کے مراحل طے کئے ــــــ فارغ التحصیل ہونے کے بعد ۱۳۱۲ھ / ۱۸۹۵ء میں کارِ افتاء کے لئے تیار کر دیا تھا ــــــ امام احمد رضا کے لئے فتووں میں حوالوں کی کتابیں نکالنا، سندوں کی عبارتیں تلاش کرنا آپ کے ذمے تھا، اس طرح فتویٰ نویسی کے لئے خود آپ بھی تیار ہو رہے تھے ــــــ ۱۳۲۶ھ / ۱۹۰۸ء میں دارالعلوم منظر اسلام، بریلی شریف کے آپ مہتمم ہوئے تو پھر یہ ذمہ داری حضرت مفتی اعظم محمد مصطفےٰ خاں علیہ الرحمہ نے سنبھالی جو آپ کے چھوٹے بھائی تھے، عمر میں آپ سے اٹھارہ سال چھوٹے تھے ــــــ حجۃ الاسلام علم و فضل میں یگانۂ روزگار تھے، مولانا حسنین رضا خاں صاحب نے سچ فرمایا:

"اعلیٰ حضرت کے بعد اگر واقعی کوئی عالم اور ادیب تھا تو وہ حضرت حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں تھے۔" (ص ۱۲۶)

حجۃ الاسلام کا یہی تبحر علمی تھا کہ وہ بڑے سے بڑے عالم سے اعتماد سے گفتگو کرنے اور بحث و مباحثہ میں اپنی بات منوالیا کرتے تھے ــــــ مفتی شافعیہ کے شاگرد عبدالقادر طرابلسی شبلی کو بعض مسائل میں اختلاف تھا، حجۃ الاسلام نے اُن کو قیام حرمین کے زمانے ۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۵ء میں مسکت جواب دیا اور وہ خاموش ہو گئے ــــــ عرصہ دراز کے بعد سندھ کے مشہور عالم و عارف حضرت پیر محمد ابراہیم جان سرہندی کی عبدالقادر شبلی سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے امام احمد رضا کا ذکر فرمایا ــــــ یہ بات انہوں نے ۲۷ رجب المرجب ۱۴۱۳ھ / ۲۰ جنوری ۱۹۹۳ء کو پیر جو گوٹھ (سندھ) میں ایک ملاقات کے

دوران بتائی



حجۃ الاسلام امام احمد رضا کے مُرشد شاہ آلِ رسول مارہروی علیہ الرحمہ کے پوتے شاہ ابو الحسین نوری (۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء) سے بیعت تھے اور انہیں کے ارشاد کے مطابق امام احمد رضا نے تقریباً ۱۳ سلاسلِ طریقت میں اجازت و خلافت عطا فرمائی ___ حجۃ الاسلام کو سندِ حدیث بھی کئی واسطوں سے حاصل تھی ___ شاہ ابو الحسین نوری، امام احمد رضا کے اُستاد بھی تھے امد شاہ آلِ رسول مارہروی علیہ الرحمہ نے امام احمد رضا کو بھی تربیت کے لئے آپ کے سُپرد کیا تھا ___ حجۃ الاسلام نے بیعت کا آغاز امام احمد رضا کے وصال سے چند روز قبل فرمایا، بیعت کے لئے آنے والوں سے امام احمد رضا نے فرمایا۔

" ان کی بیعت میری بیعت ہے، ان کا ہاتھ میرا ہاتھ ہے،
جو اِن کا مُرید ہوا، میرا مُرید ہوا، ان سے بیعت کرو " (ص ۱۰۹)

حجۃ الاسلام کے لاکھوں مُرید ہیں جو پاک و ہند اور دوسرے ممالک میں پھیلے ہوئے ہیں ___ امام احمد رضا کو حجۃ الاسلام سے بڑی محبت و الفت تھی ___ چنانچہ ایک مرتبہ امام احمد رضا کو دعوت دی گئی، خود نہ جا سکے، اپنی جگہ حجۃ الاسلام کو بھیجا اور دعوت دینے والے کو تحریر فرمایا: ___

" حامد رضا کو بھیج رہا ہوں، یہ میرے قائم مقام ہیں، ان کو حامد رضا نہیں، احمد رضا ہی سمجھنا " (ص ۱۲۲)

اسی عنیت اور اقربیت کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے ایک شعر میں یوں فرماتے ہیں: ___

حامد منی وانا من حامد

میں حامد سے ہوں اور حامد مجھ سے ہے ——— یعنی ؎

تاکس نہ گوید بعد از من دیگرم تو دیگری

اور خود حجۃ الاسلام اس نسبتِ خاص پر شکر ادا کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

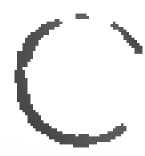
انا من حامد وحامد رضا منی

کے جلوؤں سے بحمد اللہ رضا حامد اور حامد رضا میں ہو (۴۶)

حجۃ الاسلام کے عمِ محترم مولانا حسن رضا خاں صاحب حسن بریلوی ایک قصیدے میں فرماتے ہیں :-

حامد رضا ، عالمِ علمِ ھُدیٰ ‏ ‏ ‏ ‏ نوگلِ ، گلِ زار جناب رضا
حسنِ بہارش زخزاں دور باد ‏ ‏ ‏ ‏ چوں اب وجد ناصر و منصور باد!

کس دل سے دعا دی تھی کہ آج تک اُن کی بہار میں خزاں نہیں آئی اور اُن کی مساعی نے نامرادیوں کا منہ نہیں دیکھا ———



حجۃ الاسلام ۳۱ سال کی عمر میں ۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۵ء میں اپنی والدہ اور چچا مولانا محمد رضا خاں کی معیت میں حج بیت اللہ شریف اور زیارتِ حرمین شریفین کے لئے روانہ ہوئے ۔ لکھنؤ تک امام احمد رضا چھوڑنے گئے ، واپسی پر دل بیقرار رہا ، چین نہ آیا ، خود بھی تیاری کی ۔ بمبئی پہنچ گئے پھر حجۃ الاسلام اپنے والدِ جلیل کے ساتھ حج پر روانہ ہوئے ——— یہ حج وسیلۂ ظفر بنا ، اور امام احمد رضا کو وہ فتوحات ہوئیں جن کے بیان کے لئے ایک دفتر چاہیئے ——— اسی سفر میں امام احمد رضا نے فصیح عربی میں اپنی شہرۂ آفاق

کتاب الدولتہ المکیتہ لکھی اور اسی سفر میں یگانہ روزگار کتاب کفل الفقیہ الفاہم لکھی ـــــ حجتہ الاسلام نے بعد میں الدولتہ المکیتہ کا اردو میں شاندار ترجمہ کیا ـــــ الغرض حجتہ الاسلام کو امام احمد رضا کی معیت میں حج بیت اللہ شریف اور زیارتِ حرمین شریفین کی سعادت حاصل ہوئی۔

(۔)

امام احمد رضا کو تصنیف و تالیف اور فتویٰ نویسی سے فرصت نہ ملتی تھی۔ ادھر احباب کا اصرار تھا کہ کوئی دار العلوم قائم کیا جائے ـــــ احباب کے اصرار پر دار العلوم منظرِ اسلام ۱۹۰۴ء میں قائم کیا گیا ـــــ بنیاد امام احمد رضا نے ڈالی مگر اصل بانی حجتہ الاسلام قرار پائے ـــــ علامہ سلامت اللہ نقشبندی مجددی نے ۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء میں منظرِ اسلام کے معائنہ کے وقت جو تأثرات قلمبند فرمائے اس میں حجتہ الاسلام کو دار العلوم کا بانی لکھا ہے اور دار العلوم کے لئے لکھا ہے:

"جس کی نظیر اقلیم ہند میں کہیں نہیں۔"

حجتہ الاسلام، دار العلوم کے مہتمم تو تھے ہی ۱۳۵۴ھ/۱۹۳۶ء میں شیخ الحدیث اور صدر المدرسین بھی ہو گئے۔ تفسیر و حدیث کا بڑا دلنشیں درس دیتے تھے، دور دور سے طلباء و علماء کھنچے چلے آتے تھے ـــــ حجتہ الاسلام نے اپنے چھوٹے بھائی مفتیٔ اعظم ہند محمد مصطفےٰ رضا خاں علیہ الرحمہ کو بھی پڑھایا اور برادر عم زاد مولانا حسنین رضا خاں صاحب کو بھی پڑھایا، ان کے تلامذہ کی فہرست بہت طویل ہے۔ وہ بہترین معلم تھے، طلباء پر بہت ہی رحیم و کریم۔ منظرِ اسلام کے تقسیم اسناد کے سالانہ اجلاس بھی تزک و احتشام

سے ہوتے تھے ـــــ تمام سلاسل کے اکابر شریک ہوتے تھے۔ سلسلۂ نقشبندیہ کے پیر جماعت علی شاہ محدث علی پوری اور سلسلۂ چشتیہ کے دیوان سید آلِ رسول علی خاں اجمیری وغیرہ بھی شریک ہوتے ـــــ

حجۃ الاسلام کے خاص خاص رفقاء میں یہ نام ممتاز نظر آتے ہیں:۔

۱۔	منشی فدا یار خاں رضوی	نائب مہتمم جامعہ رضویہ منظر اسلام، بریلی
۲۔	مولانا تقدس علی خاں	مہتمم جامعہ رضویہ منظر اسلام، بریلی
۳۔	مفتی ابرار حسن صدیقی	مدیر یادگارِ رضا بریلی
۴۔	علامہ شمس الحسن شمس بریلوی	صدر شعبۂ فارسی، منظر اسلام، بریلی

( )

حجۃ الاسلام بلند پایہ خطیب، مایہ ناز ادیب اور یگانۂ روزگار عالم و فاضل تھے۔ تدریس میں تو اپنی مثال آپ تھے ہی مگر تقریر میں اُن کو بڑا ملکہ حاصل تھا ـــــ پاک و ہند کے بہت سے شہروں میں آپ نے تقریر فرمائی۔ عقائد کی اصلاح اور ایمان کی حرارت پیدا کرنے کے لئے بھرپور سعی فرمائی۔ آپ کی پہلی مدلل تقریر ۲۹ مارچ ۱۹۱۹ء / ۱۳۳۷ھ کو جبل پور میں ہوئی ـ امام احمد رضا شریکِ محفل تھے اور شاداں و فرحاں ـــــ آپ انجمن حزب الاحناف، لاہور اور جامعہ نعمانیہ، لاہور کے جلسوں میں لاہور بھی تشریف لاتے۔ جب لاہور آتے تو شاہ محمد غوث قادری کے مزارِ مبارک میں قیام فرماتے ـــــ شاہ محمد غوث قادری اپنے عہد کے جلیل القدر محدث تھے۔ شیخ الحدیث حضرت محمد امیر شاہ صاحب گیلانی قادری مدظلہ العالی کی صاحبزادی اُمِ سلمیٰ نے حضرت شاہ محمد غوث

محدّث لاہوری پر بڑا فاضلانہ مقالہ ڈاکٹریٹ لکھا ہے۔ جس پر پنجاب یونیورسٹی سے اُن کو پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری مل گئی ہے ——— حجۃ الاسلام کا حضرت شاہ محمد غوث محدّث لاہوری کے مزار پُر انوار پر قیام فرمانا کچھ معنی رکھتا ہے۔ ایک محدّث، محدّث ہی کے جوار میں کشش محسوس کرتا ہے اور سکون پاتا ہے ——— حجۃ الاسلام سندھ بھی تشریف لائے۔ علامہ عبد الکریم درس سے گہرے مراسم تھے، وہ امام احمد رضا کے بھی مخلصین میں تھے۔ انھوں نے امام احمد رضا کا قطعۂ تاریخ وفات لکھا ہے اور حجۃ الاسلام نے اُن کا قطعۂ تاریخ وفات لکھا ہے جو تذکرۂ جمیل کے صفحہ نمبر پر موجود ہیں ——— سندھ میں حجۃ الاسلام کے داماد مفتی تقدس علی خاں صاحب پیر صاحب پگارا کے جامعہ راشدیہ کے شیخ الحدیث ہوئے جس کے تحت ۷ مدارس پورے سندھ میں کام کر رہے ہیں۔ مفتی صاحب نے پیر صاحب کی تربیت فرمائی اور دین و مسلک کی برسوں خدمت کی۔ اور پیر جو گوٹھ ہی میں ۱۹۸۸ء میں انھوں نے وصال فرمایا ——— حجۃ الاسلام، دہلی بھی تشریف لے گئے، فقیر نے بچپن میں اپنے ہاں اُن کی زیارت کی ہے اور اُن کے حسن و جمال کا نظارہ کیا ہے ——— حضرت والدِ ماجد مفتیٔ اعظم شاہ محمد مظہر اللہ نقشبندی مجددی علیہ الرحمہ سے خانوادۂ امام احمد رضا کو خاص نسبت و تعلق رہا ہے ——— بات ہو رہی تھی حجۃ الاسلام جس طرح تدریس و تقریر میں کمال رکھتے تھے، تحریر پر بھی اُن کو اتنا ہی کمال حاصل تھا۔ اُن کی سرپرستی میں ماہنامہ یادگارِ رضا نکلتا تھا جو ہر اعتبار سے ایک معیاری رسالہ تھا۔ حجۃ الاسلام کے انتقال کے بعد یہ رسالہ بند ہو گیا ———

حجۃ الاسلام، اردو، فارسی اور عربی پر حیرت انگیز قدرت رکھتے تھے، رواں نثر و نظم لکھ کر اہلِ عرب کو حیران کر دیا ——— قلم برداشتہ لکھتے، سرعتِ تحریر

میں جواب نہ تھا ـــــــ امام احمد رضا کی تصانیف پر اُن کی تمہیدات قلم برداشتہ لکھی گئی ہیں مثلاً الدولۃ المکیۃ، الاجازۃ المتینۃ، کفل الفقیہ الفاہم وغیرہ پر عربی تمہیدات ـــــ دارالعلوم معینیہ، اجمیر شریف کا معائنہ کرکے عربی میں قلم برداشتہ تاثرات لکھ کر علامہ معین الدین اجمیری کو حیران کر دیا ـــــ مدارسِ عربیہ میں بالعموم بڑے بڑے ماہر اُستاد بھی بولنے اور لکھنے پر قادر نہیں ہوتے گو وہ بحیثیت اُستادِ کامل ہوتے ہیں۔ منظر اسلام کو ہندوستان بھر میں یہ امتیاز حاصل تھا کہ اس کا بانی امام احمد رضا ایک بحر العلوم، ایک ماہر عربی داں اور اس کا مہتمم منبع العلوم حجۃ الاسلام محمد حامد رضا خاں ایک ماہر عربی داں تھے۔ غالباً یہ اُن امتیازات میں سے ایک امتیاز ہے جس کی طرف علامہ سلامت اللہ نقشبندی مجددی رام پوری نے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

"جس کی نظیر اقلیم ہند میں کہیں نہیں" ـــــ

حجۃ الاسلام، اُردو، فارسی، عربی نثر کے علاوہ نظم پر بھی کمال رکھتے تھے، ذرا اُن کے یہ اُردو اشعار ملاحظہ ہوں:

ؔ آنکھوں سے لگ گئی جھڑی، بحر میں موج آگئی
سیلِ سرشک اُبل پڑا نالہ قلب زار میں

ؔ شوق کی چیرہ دستیاں، دل کی اڑاتی دھجیاں
وحشتِ عشق کا سماں، دامنِ تار تار میں

ؔ شوق کی ناشکیبیاں، سوز کی دل گدازیاں
وصل کی نامرادیاں، عاشقِ دل فگار میں

ؔ مجھ کو در در پھراتی رہی آرزو
ٹوٹے پاؤں، تھک گئی جستجو

ڈھونڈتا میں پھرا، کو بہ کو، چار سُو
تھا رگِ جاں سے نزدیک تر، دل میں تُو
اللہ ہو اللہ ہو اللہ ہو اللہ ہو

؎ تمہارے حسنِ رنگیں کی جھلک ہے سب حسینوں میں
بہاروں کی بہاروں میں بہارِ جاں فزا تم ہو

حجۃ الاسلام کو تاریخ گوئی میں بھی بڑا کمال تھا۔ انہوں نے اردو، فارسی، عربی میں کئی تاریخیں کہی ہیں۔ مسجد جنکشن، بریلی جب تیار ہوئی تو ۵ عربی اشعار پر مشتمل فی البدیہہ قطعۂ تاریخ تعمیر ارشاد فرمایا (ص ۱۷۰) ــــ ۴ر دسمبر ۱۹۹۲ء کو فقیر نے بھی اس مسجد کی زیارت کی، مفتی منظر الاسلام اور اس مسجد شریف کے امام و خطیب علامہ مفتی محمد اعظم مدظلہ العالی نے چائے سے ضیافت کی، مفتی منظر اسلام، علامہ محمد عارف رضوی اور جناب سرتاج حسین ایڈووکیٹ اور دیگر احباب بھی موجود تھے ــــ حجۃ الاسلام نے علامہ محمد عبدالکریم سندھی کے وصال پر بھی چھ فارسی اشعار کا قطعۂ تاریخ وفات قلم بند فرمایا تھا ــــ تذکرۂ جمیل میں ایسے بہت سے مقامات پیش کئے ہیں (ص ۱۶۹-۱۷۲)

حجۃ الاسلام پیکرِ جمال و کمال تھے۔ حسن دل افروز ایسا تھا جو دیکھے، بے ساختہ کہے ــــ: "تبارک اللہ احسن الخالقین"
وہ لقد خلقنا الانسان فی احسن التقویم کی جیتی جاگتی تصویر تھے ــــ ان کے دیدار سے ہی لوگ مسلمان ہو جاتے تھے ــــ اور انصاف پسند پکار اُٹھتے تھے کہ سچوں کا چہرہ ایسا ہی ہوتا ہے ــــ

سبحان اللہ! حسین صورت، بلند اخلاق، متواضع و منکسر المزاج، ہر ایک چاہنے والے پر مہربان، سادات سے والہانہ محبت، معاصرین علماء سے الفت ——— خُدا کے دوستوں کے دوست، خُدا کے دشمنوں کے دشمن ——— تقویٰ و صبر بے مثال ——— پُشت پر کاربنکل پھوڑا نکل آیا، آپریشن کی نوبت آئی، بے ہوشی کے لئے دوا نہ کھائی کہ شراب ہے، درود پڑھتے میں آپریشن ہوتا رہا۔ ٹس سے مس نہ ہوئے، اُف تک نہ کی، دیکھنے والے حیران تھے ؎

آئی جو اُن کی یاد تو آتی چلی گئی
ہر نقش ماسوا کو مٹاتی چلی گئی

میزبانی میں پیش پیش، مخدوم ہوتے ہوئے خادموں کے خادم ؎

اللہ رے کوئے دوست کی روشن جمالیاں
ہر ذرّہ ہے تجلّیٔ ایمن لئے ہوئے

فقیر یکم دسمبر ۱۹۹۲ء کو آستانۂ عالیہ رضویہ بریلی شریف حاضر ہوا تو صاحبِ سجادہ حجۃ الاسلام کے پوتے علامہ سبحان رضا خاں سبحانی میاں نے چائے سے تواضع کی۔ پھر اُن کے چچا علامہ محمد منان رضا خاں منانی میاں نے تواضع کی۔ پھر علامہ اختر رضا خاں ازہری میاں کے یہاں تواضع ہوئی۔ دوسرے تیسرے دن ازہری میاں، منانی میاں اور جمال رضا خاں کے ہاں کھانے اور چائے سے تواضع ہوئی۔ انواع و اقسام کے ماکولات، سُبحان اللہ، ماشاء اللہ! بریلی شریف میں جہاں جانا ہوا دسترخوان اللہ کی نعمتوں سے بھرا ہوا نظر آیا۔ کھانے والا کھانے کھاتے تھک جائے مگر کِھلانے والے کِھلاتے کھلاتے نہ تھکیں ——— سُبحان اللہ! میزبانوں کا شہر ہے کہ شہرِ خوباں!

حجۃ الاسلام اپنے عہد کے عظیم مفکر و مدبّر اور مُصلح و مبلّغ تھے۔ انہوں نے الصارم الربّانی لکھ کر ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء میں قادیانی تحریک کے خلاف اپنی مہم کا آغاز کیا جس کا اختتام ۳۰ جون ۱۹۷۷ء کو ہوا جب قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا۔ افسوس جس خاندان نے قادیانی تحریک کے خلاف جہاد کیا اُس پر احسان الٰہی ظہیر نے قادیانیت کا الزام لگایا — چند روز ہوئے ۲۰ جنوری ۱۹۹۳ء کو ایک عظیم اجتماع میں پیر جو گوٹھ (سندھ) جانا ہوا۔ وہاں ایک نابینا فاضل نے بتایا کہ مکّہ معظمّہ میں جامعہ ازہر کے ایک طالب علم نے بتایا کہ شیخ الجامعہ کو بعض فتنہ پرداز یہ باور کرانے کی کوشش کر رہے ہیں کہ امام احمد رضا خاں ایک ایسے شخص کا نام ہے جو مسلمانوں کو حج سے روکتا تھا — انا للہ و انا الیہ راجعون! —

علمائے اہلِ سنّت میں ایک نیا رُجحان جنم لے رہا ہے نہ جانے کیوں؟

— وہ رُجحان یہ ہے کہ امام احمد رضا کی ہر بات کو حرفِ آخر نہ سمجھا جائے، تنقید کی چھوٹ دی جائے — بے شک دی جانی چاہیئے مگر امام احمد رضا سے کوئی بلند تو ہو، بلند نہ سہی برابر تو ہو — برابر نہ سہی اس قابل تو ہو کہ اُن کی بات سمجھ سکے اور اُن کے فیصلے کے تمام پہلوؤں پر نظر ڈال سکے — اُن کی شان تو یہ تھی کہ علمائے عرب و عجم اُن کے در پر سوالی بن کر آئے — علماء کی کثیر جماعت نے اُن کے سامنے اپنے اپنے استفتاء پیش کیے اور سیر حاصل جواب پا کر شاد ہوئے — ہم میں کون ایسا ہے؟

— امام احمد رضا کا عظیم احسان ہے کہ انہوں نے فتاویٰ رضویہ کی صورت میں علماءِ اہلِ سنّت کے لیے علم و دانش کا ایک عظیم ذخیرہ فراہم فرمایا۔ ہم نے اب تک اسی کو نہیں پڑھا، پھر غیر ضروری مسائل پر غیر ضروری

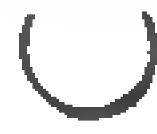
مباحث کی ضرورت ؟ —— امام احمد رضا کے زمانے میں اُن سے بڑا نہ سہی مگر ایک سے ایک بڑا عالم موجود تھا، علمائے اہلِ سُنّت کی اکثریت امام احمد رضا کی بات کو حرفِ آخر سمجھتی تھی اور اب بھی سمجھتی ہے —— امام احمد رضا کو ہدفِ تنقید بنانا، اُن کی علمیت اور مجددیت کو موضوعِ سخن بنانا، رہے سہے فکری اتحاد کو پارہ پارہ کرنا ہے —— یہ بڑی غیر دانشمندانہ بات ہوگی، اس رجحان سے جتنا بچا جائے، اُتنا ہی ہمارے لئے مفید ہوگا۔ اِس رجحان کے محرکات علاقائی اور خانقاہی عصبیت بھی ہو سکتی ہے، خود نمائی کی خواہش اور خود پسندی کا جذبہ بھی ہو سکتا ہے —— امام احمد رضا اتنے عظیم ہیں، اُن سے اختلاف کرنے والا نیک نام نہیں، بدنام ہوگا —— دُنیا و آخرت کا فائدہ اسی میں ہے کہ ہم اپنے اکابر کی سُنّت پر عمل کرتے ہوئے ادب کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں اور امام احمد رضا کی فکر و دانش سے بھرپور استفادہ کرکے دُنیا و آخرت میں سُرخرو ہوں —— مولیٰ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے آمین!

اہلِ سُنّت کے خلاف ایک عالمی سازش پوری قوت کے ساتھ برسرِ پیکار ہے، اہلِ بصیرت علماء و دانش وروں کو اس طرف توجہ دینی چاہیئے —— تبلیغ کے نام پر قرآن پڑھنے سے روکا جا رہا ہے، تبلیغی نصاب کو قرآن کے قائمقام بتایا جا رہا ہے —— تبلیغی مراکز کو حرمین شریفین سے تشبیہ دی جا رہی ہے —— تبلیغ کے لئے جانے والوں کو مسجد حرام اور مسجدِ نبوی شریف سے کہیں زیادہ ثواب کی بشارتیں دی جا رہی ہیں —— تبلیغی مراکز سے آنے والوں کو حجاج کرام کی فہرست میں شامل کیا جا رہا ہے —— دن کی روشنی میں یہ کیا جا رہا ہے ؟

جو فرقے ملّتِ اسلامیہ کو شدید نقصان پہنچا رہے ہیں، اُن کا ظاہر اتنا

مین ہے کہ کسی کو یقین نہیں آتا کہ یہ اندر سے اتنے خراب ہوں گے۔
ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم فرقوں کے اکابرین سے حسنِ ظن رکھتے تھے لیکن حجۃ الاسلام نے لاہور میں ایک ملاقات کے دوران اُن کی گستاخانہ عبارات سنائیں تو حیران رہ گئے اور فرمایا:

"مولانا یہ ایسی عبارات گستاخانہ ہیں کہ ان لوگوں پر آسمان کیوں نہ ٹوٹ پڑا۔ اُن پر تو آسمان کو ٹوٹ پڑنا چاہیئے" (۲۰)



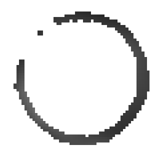
حجۃ الاسلام نے عقائد فاسدہ کا رد کیا، مذہبی اور سیاسی تحریکات میں حصہ لیا، تحریکِ رضائے مصطفےٰ، تحریکِ خلافت، تحریکِ ترکِ موالات، تحریکِ شدھی سنگٹھن، تحریکِ مسجد شہید گنج اور اس قسم کی بہت سی تحریکوں میں ملت کی رہنمائی کی ــــــ ۱۳۵۴ھ/۱۹۳۵ء میں مراد آباد کی ایک کانفرنس میں جو خطبہ ارشاد فرمایا، اُس سے آپ کے تدبّر اور سیاسی بصیرت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ یہ خطبہ آج بھی کسی بھی مسلم سلطنت کا لائحہ عمل بن سکتا ہے۔

حجۃ الاسلام علامہ محمد حامد رضا خاں علیہ الرحمہ کا وصال ۱۷ جمادی الاوّل ۱۳۶۲ھ/ ۲۳ مئی ۱۹۴۳ء کو بریلی شریف میں عشاء کی نماز کے دوران تشہد پڑھتے ہوئے ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون! ؎

دل تو جاتا ہے اُس کے کوچے میں
جا مری جاں، جا، خدا حافظ

نمازِ جنازہ محدثِ اعظم پاکستان مولانا سردار احمد صاحب نے پڑھائی، محدثِ

اعظم، حجۃ الاسلام کی تعلیم و تربیت کا ثمرہ کارہتے جنہوں نے پاکستان میں فکری انقلاب برپا کیا اور سوادِ اعظم اہلِ سنت کے مشن کو فروغ بخشا۔ مزار مبارک محلہ سوداگران بریلی شریف میں روضۂ امام احمد رضا کے اندر ہے ——



حجۃ الاسلام کے بعد مفسرِ قرآن علامہ محمد ابراہیم رضا خاں جیلانی میاں علیہ الرحمہ آپ کے جانشین ہوئے —— آپ ۱۰ ربیع الاول ۱۳۲۵ھ / ۱۹۰۷ء کو بریلی شریف میں پیدا ہوئے۔ امام احمد رضا نے اس پوتے کی خوشی میں منظرِ اسلام کے طلباء کو من بھاتے کھانے کھلائے، مخصوص طلباء کے جوڑے بھی بنوائے۔ ۱۴ شعبان المعظم ۱۳۲۹ھ / ۱۹۰۸ء کو رسمِ بسم اللہ کے ساتھ ساتھ بیعت و خلافت سے نوازا —— فرمایا

"میرا پوتا میری زبان ہوگا" (۲۰۶)

حامد منّی و انا من حامد کی بازگشت پھر سنائی دی ——

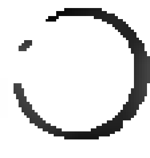
جیلانی میاں نے منظرِ اسلام کی آبیاری کی، درس و تدریس کے ذریعہ مسلکِ اہلِ سنت وجماعت کی اشاعت کی (۲۷) یادگارِ رضا کا اہتمام بھی آپ ہی کے سپرد تھا۔ ۱۱ صفر ۱۳۸۵ھ / ۱۲ جون ۱۹۶۵ء کو بریلی شریف میں جیلانی میاں کا وصال ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ عجیب حسنِ اتفاق ہے کہ جس ماہِ مبارک میں حجۃ الاسلام پیدا ہوئے اسی ماہِ مبارک میں جیلانی میاں پیدا ہوئے، اور جس ماہِ مبارک میں امام احمد رضا کا وصال ہوا اسی ماہِ مبارک میں جیلانی میاں کا وصال ہوا۔

—— جیلانی میاں کے صاحبزادگان میں ریحان رضا خاں ریحانی میاں، تنویر رضا خاں، اختر رضا خاں ازہری، قمر رضا خاں، منان رضا خاں منانی میاں پانچ لڑکے ہوئے۔ ریحانی میاں، سجادہ نشین ہوئے —— سنہ ھ/ سنہ ء میں اُن کا وصال ہوا تو اُن کے پانچ صاحبزادگان سبحان رضا خاں، عثمان رضا خاں، توقیر رضا خاں، توصیف رضا خاں، تسلیم رضا خاں میں سبحان رضا خاں سبحانی میاں سجادہ نشین ہوئے اور بحمدللہ رونق افروز سجادہ ہیں

—— جیلانی میاں کے دوسرے صاحبزادے علّامہ اختر رضا خاں اس وقت مفتیٔ اعظم محمّد مصطفےٰ رضا خاں کے قائم مقام اور مفتیٔ اہلِ سُنّت ہیں۔ اُن کا علمی و روحانی فیض دُور و نزدیک جاری ہے۔ اِن کے ایک صاحبزادے عسجد رضا خاں ہیں۔

—— جیلانی میاں کے چھوٹے بھائی حماد رضا خاں نعمانی میاں ۱۳۳۴ھ/ ۱۹۱۶ء میں بریلی میں پیدا ہوئے۔ ۱۳۷۶ھ/ ۱۹۵۶ء میں کراچی میں انتقال ہوا۔ اُن کے صاحبزادگان یزدانی میاں، رحمانی میاں اور نورانی میاں کراچی میں ہیں۔

حضرت حجۃ الاسلام کے خانوادۂ عالی کی فقیر پر بہت شفقت ہے —— علّامہ ریحان رضا خاں ریحانی میاں جب پاکستان تشریف لائے، فقیر کے غریب خانے پر بھی تشریف لائے۔ علّامہ اختر رضا خاں ازہری میاں بھی جب پاکستان تشریف لائے، فقیر کے غریب خانے پر تشریف لائے۔ علّامہ قمر رضا خاں اور علّامہ منان رضا خاں بھی جب پاکستان تشریف



فقیر نے علامہ خوشتر صدیقی کی تالیف لطیف تذکرہ جمیل سے حجۃ الاسلام کی سوانح کا خلاصہ پیش کر دیا ہے۔ کچھ اپنی یادداشتوں سے بھی اضافہ کیا ہے۔ یہ اس لئے ضروری سمجھا کہ قارئین مختصر وقت میں تذکرہ جمیل کی جھلکیاں دیکھ لیں۔ پھر فرصت ملے تو اس کی زیارت کریں اور جو نہ پڑھ سکے وہ اس کے آئینے میں تذکرہ جمیل کی زیارت کر لے ——— تذکرہ جمیل یوں تو تقریباً مکمل ہے مگر بعض ابواب کی شدت سے ضرورت محسوس ہوتی ہے، اُمید ہے کہ آئندہ محنت کر کے ان ابواب کو بھی شامل کر لیا جائے گا ———

تذکرہ جمیل میں مستند روایات پر زیادہ تکیہ کیا ہے۔ حجۃ الاسلام کی تصانیف، مضامین، خطبات، مکتوبات اور معاصر اخبارات و رسائل سے بہت کم استفادہ کیا ہے۔ آئندہ اس ذخیرے کو کھنگال کر مندرجہ ذیل ابواب تیار کئے جائیں:-

۱- ایک باب سیاسیات پر مرتب کیا جائے اور اس میں حجۃ الاسلام کے تدبر اور سیاسی بصیرت پر تفصیل سے روشنی ڈالی جائے۔

۲- ایک باب حجۃ الاسلام کے افکار و نظریات پر قائم کیا جائے اور اُن کے مذہبی، ادبی، معاشی، معاشرتی نظریات پر روشنی ڈالی جائے۔

۳- ایک باب حجۃ الاسلام کے وصال پر قائم کیا جائے اور اس میں معاصر اخباروں سے چشم دید حالات و کوائف جمع کئے جائیں۔

۴- جن مآخذ سے استفادہ کیا جائے آخر میں اُن کی تفصیلی فہرست دی جائے ———

اُمید ہے کہ ان ابواب کے اضافے کے بعد تذکرۂ جمیل زیادہ جمیل ہو جائے گا ـــــ محققینِ اہلِ سنّت کو اکابر اہلِ سنّت کے حالات و افکار کی تدوین کی طرف بھی متوجّہ ہونا چاہیئے ـــــ آخر میں فقیر، علاّمہ محمّد ابراہیم خوشتر صدیقی کا تہہ دل سے ممنون ہے کہ انہوں نے اپنی گوناگوں اور ہمہ گیر تبلیغی مساعی کے باوجود تذکرۂ جمیل مرتب فرما کر اہلِ سنّت پر احسانِ عظیم فرمایا ـــــ سچ ہے کہ اُن کی عدیم الفرصتی کو سامنے رکھا جائے تو تذکرۂ جمیل کو اُن کا اہم کارنامہ کہا جا سکتا ہے۔ اللہ کرے آئندہ بھی ایسے کارنامے سامنے آتے رہیں

ہر لحظہ نیا طُور نئی برقِ تجلّی
اللہ کرے مرحلۂ شوق نہ ہو طے

آمین !

فقیر محمّد مسعود احمد عفی عنہ
مقیم کراچی - وارد حال سکھر (سندھ)

شعبان ۱۴۱۳ھ
۲۴ جنوری ۱۹۹۳ء

لائے، غریب خانے پر کرم فرمایا- علامہ ریحان رضا خاں ریحانی میاں کے صاحبزادے مولانا توصیف رضا خاں بھی غریب خانے پر تشریف لاتے —— حجۃ الاسلام کے داماد علامہ تقدس علی خاں علیہ الرحمہ (شیخ الجامعہ، جامعہ راشدیہ، پیر جو گوٹھ) فقیر پر بہت مہربان تھے اُن کے بھائی مفتی اعجاز ولی خاں علیہ الرحمہ (جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور) تو بہت پہلے ہی فقیر پر کرم فرماتے تھے۔ مفسرِ قرآن جیلانی میاں کے داماد جناب شوکت حسین خاں صاحب بھی عرصہ دراز سے فقیر پر شفقت فرماتے ہیں۔ لیکن نہ جانے کیوں اب کچھ کچھ روٹھے روٹھے معلوم ہوتے ہیں۔ محبت میں دھوپ چھاؤں آتے ہی رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ اُن کو خوش رکھے —— آمین! ؎

ہاں بھلا کر ترا بھلا ہو گا
اور درویش کی صدا کیا ہے!

حجۃ الاسلام کے بہت سے خلفاء ہوئے، تذکرۂ جمیل میں جن کی تفصیل دی گئی ہے (ص ۱۸۳-۱۸۴) مندرجہ ذیل خلفاء فقیر پر مہربان تھے:۔ قاری احمد حسین فیروزپوری، مولانا ابوالحسنات محمد احمد الوری، مولانا محمد اجمل سنبھلی، مفتی محمد اعجاز ولی خاں رضوی، علامہ ریحان رضا خاں، علامہ تقدس علی خاں، علامہ محمد ابراہیم خوشتر صدیقی، علامہ مفتی محمد ظفر علی نعمانی وغیرہ وغیرہ۔

حجۃ الاسلام چونکہ درس و تدریس اور تبلیغ و ارشاد میں زیادہ منہمک رہے اس لئے تصنیف و تالیف کی طرف زیادہ توجہ نہ دے سکے —— چند رسائل ان سے یادگار ہیں مثلاً

مجموعۂ فتاویٰ، الصارم الربانی علی اسراف القادیانی، نعتیہ دیوان، سدّ الفرار سلامت اللہ اہل السنۃ، حاشیہ ملا جلال وغیرہ وغیرہ ——

قرآنیات

کنزالایمان تفاسیر کی روشنی میں

مؤلفہ ۔۔ مولانا محمد صدیق ہزاروی

مولانا محمد صدیق ہزاروی صاحب جامعہ نظامیہ رضویہ، لوہاری گیٹ سے وابستہ ہیں۔ معروف مدرس و مترجم و محقق ہیں۔ کئی معروف کتب کے بلند پایہ تراجم منظر عام پر آچکے ہیں۔

زیر نظر مقالہ قبل ازیں تقدیم کے بغیر شائع ہوا تھا۔ لیکن اولین اشاعت کے ختم ہوتے ہوتے دوسرا ایڈیشن اس تحقیقی تقدیم کے ساتھ منظر عام پر آیا۔

طاہر

پروفیسر ابرار حسین

(سابق استاد شعبۂ بنیادی سائنس، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد)

" امام احمد رضا کو کم و بیش ۵۵ علوم پر دسترس حاصل تھی، اُن میں سے تقریباً ۳۴ علوم و فنون انہوں نے ذاتی مطالعے سے حاصل کئے۔ علوم ریاضی اُن کی حیثیت مسلم ہے۔"

(معارفِ رضا، کراچی ۱۹۸۳ء، ص ۲۰۹)

پروفیسر کرم حسین حیدری

(ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد)

جب تک میں نے جناب موصوف (امام احمد رضا) کی زندگی اور کارناموں کا گہرا مطالعہ نہ کیا تھا میں نے اُن کی عظمت سے آگاہ نہ تھا۔ لیکن جب میں نے اُن کی زندگی کا بنظر غائر مطالعہ کیا تو مجھے قائل ہونا پڑا کہ وہ اس دور کے بہت بلند مرتبہ امام تھے۔

(معارفِ رضا، کراچی ۱۹۸۵ء، ص ۶۷)

تقدیم

"فاضل مصنف مولانا محمد صدیق ہزاروی زید مجدہٗ، اہلِ سُنّت کے جوان سال محقق و قلمکار ہیں۔ انہوں نے نہایت سنجیدگی سے عالمانہ وقار کے ساتھ اپنے موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔ اس سے قبل بھی وہ امام احمد رضا کے متعدد حواشی مرتب کر چکے ہیں۔ ان کو تصنیف و تدوین کا سلیقہ آتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ حق بات متانت و وقار کے ساتھ پیش کی جائے تو اس کا حُسن دو بالا ہو جاتا ہے اور نیک باطن انسان کے دل پر اثر کرتی ہے۔ اِنسان کی طبیعت سرکش واقع ہوئی ہے۔ وہ محبت و پیار کی زبان سمجھتا ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تک ممکن ہوا اُسی زبان میں سمجھایا اور اس کا انقلاب انگیز اثر بھی ہوا۔ سختی و درشتی اور طنز و طعن کی زبان کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ لوگ اہلِ حق کو اہلِ باطل سمجھنے لگتے ہیں۔ یہ ایک عظیم المیہ ہے جس کا تدارک سنجیدہ اور باوقار نگارشات سے ہی ہو سکتا ہے۔

امام احمد رضا خاں کا ترجمۂ قرآن کنز الایمان اپنی مثال آپ ہے۔ کسی کتاب کا ترجمہ اتنا آسان نہیں جتنا آسان سمجھا جاتا ہے۔ حقیقت میں ترجمہ کرنا ایک سینے سے دل نکال کر دوسرے سینے میں رکھنا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ کام آسان نہیں پھر قرآن جیسی عظیم کتاب کا ترجمہ کرنا تو اور بھی مشکل ہے۔ ہر ترجمے کے لئے ضروری ہے کہ مترجم جس زبان کی کتاب کا ترجمہ کر رہا ہے اور جس زبان میں کر رہا ہے دونوں زبانوں کے نشیب و فراز سے باخبر ہو۔ اگر وہ کتاب مترجم کے عہد سے بہت پہلے کی ہے تو پھر الفاظ کے ان معانی کا جاننا بھی ضروری ہے جو اُس عہد میں لئے جاتے تھے، جس عہد میں کتاب سامنے آئی کیونکہ زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ الفاظ کے تلفظ

اور معانی میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ بعض الفاظ سفر کر کے دوسری زبانوں سے بھی آجاتے ہیں۔ اس لئے جب قومیں آپس میں ملتی ہیں تو ان کی زبان اور تہذیب و تمدن ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے ہیں اور ایک زبان کے الفاظ دوسری زبان میں داخل ہو جاتے ہیں کبھی ہو بہو نقل کر لئے جاتے ہیں اور کبھی الفاظ و معنی میں کچھ تغیر کے ساتھ۔ مترجم کو زبان پر کامل عبور اور اہل زبان کے اسرار و رموز کے ساتھ ان تمام حقائق کا جاننا بھی ضروری ہے۔ اس کے ساتھ سباقیات و سیاقیات اور ان علوم و فنون پر اس کی نگاہ ہونی چاہیئے جن سے وہ کتاب بحث کر رہی ہے کیونکہ علمی و فنی کتاب کے ترجمے کے لئے صرف زبان دانی کافی نہیں۔

قرآن حکیم میں بعض مقامات ایسے ہیں جن کا تعلق علوم جدیدہ سے ہے۔ ایسے مقامات کا ترجمہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک اُن علوم پر بصیرت حاصل نہ ہو۔

الفاظ کے معنی کا صحیح تعین متکلم کے تیوّر اور چہرے کے آثار چڑھاؤ، اندازِ بیان کے نشیب و فراز اور اسلوبِ خطابت سے ہوتا ہے۔ لیکن کتاب میں الفاظ تنہا رہ جاتے ہیں۔ اس تنہائی میں ان کے معانی کا صحیح ادراک ایک مشکل کام ہے۔ اس لئے مترجم کے لئے ضروری ہے کہ کتاب اور صاحبِ کتاب کی معرفت رکھتا ہو۔ کتاب اللہ کا ترجمہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک معرفتِ الٰہی کے ساتھ ساتھ معرفتِ رسول (علیہ التحیۃ والتسلیم) بھی حاصل نہ ہو۔ جس کو یہ معرفت حاصل نہیں وہ ترجمہ کا حق ادا نہیں کر سکتا۔

ایک عام مترجم کے دل میں علم و حکمت اور اسرار و معارف کے وہ چشمے پھوٹ ہی نہیں سکتے جو عاشقِ رسول کا مقدر بن چکے ہیں۔ ترجمۂ قرآن کے لئے " دلِ گرمے، نگاہِ پاک بینے، جانِ بے تابے ،، کی ضرورت ہے۔

ایک لفظ کے کئی کئی معانی ہوتے ہیں۔ مختلف المعانی الفاظ کے معانی کو محدود کر کے متعین کرنا بڑا نازک مسئلہ ہے کیونکہ ترجمہ ہدایت کی اساس بھی بن

سکتا ہے اور گمراہی کی بنیاد بھی۔ اُردو تراجم کی تاریخ کی روشنی میں گروہ بندیوں کا جائزہ لیا جائے تو بات سمجھ میں آجاتی ہے۔ منشاءِ قرآن کے خلاف جب مترجمین نے اپنی منشاء کو داخل کیا اور اپنی مراد کو قرآن کی مراد سمجھا تو بات بگڑنے لگی اور دیکھتے ہی دیکھتے سوادِ اعظم پارہ پارہ ہوگیا۔ مختلف فرقے بن گئے۔ غالباً اسی لئے بعض مخاطبین نے قرآنِ حکیم کے ترجمہ کی مخالفت کی تھی۔

قرآنِ حکیم کے ترجمے کا سلسلہ زمانۂ قدیم سے چلا آرہا ہے۔ صحابیٔ رسول حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے غالباً سب سے پہلے سورہ فاتحہ کا فارسی ترجمہ کرکے دربارِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش کیا جو شاید شرفِ قبولیت حاصل نہ کرسکا، اس لئے کام آگے نہ بڑھ سکا۔ عرصۂ دراز کے بعد فارسی میں ترجمہ ہوا، پھر اردو اور دُنیا کی ایک سو سے زیادہ دوسری زبانوں میں ترجمے ہوئے۔ کامیاب ترجمے کے لئے زبانوں پر عبور کے ساتھ ساتھ مترجم کے ذہنی اُفق کا وسیع ہونا ضروری ہے۔ ذہنی اُفق علم و حکمت سے وسیع ہوتا ہے۔ یہ اُفق جتنا وسیع ہوگا ترجمہ اُتنا ہی مکمل ہوگا۔ تنگ ہوگا تو ترجمہ بھی نامکمل و ناتمام ہوگا۔ بالخصوص قرآنِ حکیم کا ترجمہ۔ مترجمینِ قرآن میں بعض حضرات ایسے نظر آئے جو اِن چیزوں سے بے خبر ہیں جن سے قرآن کے مترجم کو باخبر ہونا چاہیئے۔ حتّٰی کہ بعض مترجمین عربی ہی سے نابلد ہیں۔

اُردو کے تمام مترجمین میں امام احمد رضا اس لئے فوقیت رکھتے ہیں کہ اُن کا ذہنی اُفق نہایت ہی وسیع تھا۔ وہ نہ صرف عربی اور اُردو کے زبان دان اور ماہر تھے بلکہ اُن علوم و فنون پر بھی عبور رکھتے تھے، جن سے قرآن بحث کرتا ہے۔

امام احمد رضا نے ترجمۂ قرآن فاضل جلیل مولانا امجد علی اعظمی کو فی البدیہہ لکھوایا لیکن اس وقت امام احمد رضا کو علومِ عقلیہ نقلیہ سے فارغ ہوئے چالیس برس گزر چکے تھے اور اُن کے مطالعات و مشاہدات شباب پر پہنچ چکے تھے۔ اُن کا ذہنی

اُفق وسیع سے وسیع تر ہو چکا تھا۔ اس کا اندازہ اُن چند مثالوں سے ہوتا ہے جو فاضل مصنف نے اِس مقالے میں پیش کی ہیں۔ یہ گو مختصر ہے مگر امام احمد رضا کے ترجمۂ قرآن کے ایک ایسے گوشے کی نشاندہی کرتا ہے جس کی طرف کما حقہٗ توجہ نہیں دی گئی۔

اس مقالے سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام احمد رضا کا مطالعہ کتنا وسیع تھا، اُن کی نظر کتنی گہری تھی، اُن کی سوچ کتنی وزنی تھی، اُن کا خیال کتنا پختہ تھا اور اُن کا حافظہ کس بلا کا تھا!

ایک مترجم قرآن وہ ہے جس کی نظر عربی و اردو زبان و ادب پر بھی ہے، لفظیات و لسانیات پر بھی ہے، تفسیر پر بھی ہے، حدیث پر بھی ہے، فقہ پر بھی ہے، فلکیات و ریاضیات اور طبیعیات پر بھی۔ الغرض ۵۵[1] علوم و فنون پر دستگاہ رکھتا ہے۔ ایسے مترجم کی ذہنی سطح اس سے کہیں بلند ہوگی جو صرف چند درسی علوم و فنون پر عبور رکھتا ہے۔ اور عربی و اردو زبان و ادب کا رمز شناس نہیں۔ فاضل مصنف مولانا محمد صدیق ہزاروی زید مجدہٗ نے "کنز الایمان" سے صرف مثالیں پیش کی ہیں اور مختلف تفاسیر کی روشنی میں امام احمد رضا کے ترجمۂ قرآن کی صحت اور ہمہ گیریت پر بحث کی ہے۔ انہوں نے تقریباً چودہ مفسرین کرام کے اقوال سے استناد و استشہاد کیا ہے۔ مثلاً امام رازی، علامہ زمخشری، ابوالسعود علامہ قرطبی علامہ آلوسی، شیخ اسمٰعیل حقی، علامہ بیضاوی، امام طبری، قاضی ثناء اللہ پانی پتی، علامہ ابن کثیر، علامہ خفاجی، علامہ صاوی وغیرہ۔

فاضل مصنف کی تحقیق سے ایک طرف خود اُن کی محنت و تلاش و جستجو کا اندازہ ہوتا ہے تو دوسری طرف امام رضا کی ذہنی اور فکری وسعت کا اندازہ ہوتا ہے اور یہ پتہ چلتا ہے کہ جب ایک صاحبِ علم و فضل ترجمہ کرتا ہے تو برسوں کے

[1] پروفیسر مجید اللہ قادری صاحب کی تحقیق ۷۰ علوم و فنون تک جا پہنچی ہے۔ طاہر

مطالعات و مشاہدات اس کے سامنے آتے چلے جاتے ہیں اور جو کچھ وہ بولتا یا لکھواتا ہے وہ برسوں کی محنت کا نچوڑ ہوتا ہے۔ اس کو سرسری نگاہ سے نہ دیکھنا چاہیئے بلکہ مترجم کے فکری اور علمی پس منظر میں اس ترجمہ کو دیکھنا اور پرکھنا چاہیئے۔

اردو میں یوں تو بہت سے تراجم ہوتے ہیں۔ جزوی اور مکمل تراجم کی تعداد ایک سو سے زیادہ ہے۔ لیکن قرآن حکیم سے براہ راست تراجم کی تعداد چار پانچ سے زیادہ نہیں ہے۔ ان میں امام احمد رضا کا ترجمہ نہایت ہی ممتاز ہے۔ اس سے بہتر ترجمہ راقم کی نظر سے نہیں گزرا۔ البتہ راقم کے والدِ ماجد حضرت مفتیٔ اعظم محمد مظہر اللہ علیہ الرحمۃ کا ترجمۂ قرآن (۱۹۴۲ء) جو آج سے ۴۶ سال قبل دہلی سے شائع ہوا تھا۔ امام احمد رضا کے ترجمۂ قرآن (۱۹۱۱ء) کے ۳۱ سال بعد مکمل ہوا، نقشِ ثانی کہا جاسکتا ہے۔ کاش یہ ترجمہ پھر چھپ کر عام ہو جائے۔ اسی کے ساتھ ساتھ ایک اور ترجمہ قابلِ ذکر ہے جو ابھی منظرِ عام پر نہیں آیا۔ یعنی علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمۂ قرآن۔[1]

حضرت مفتیٔ اعظم اور علامہ موصوف نے کنز الایمان سے استفادہ کیا ہے اس لئے اگر مفتیٔ اعظم کا ترجمۂ قرآن نقشِ ثانی ہے تو علامہ موصوف کا ترجمہ نقشِ ثالث ہے نامعلوم اور کتنے نقوش منظرِ عام پر آئیں گے۔ مگر نقشِ اول کی اہمیت اور عظمت اپنی جگہ مسلم رہے گی اور اسی کے ساتھ ساتھ مولانا محمد صدیق ہزاروی زید مجدہٗ کی محنت و کاوش کی قدر کی جاتی رہے گی کہ انہوں نے کنز الایمان کی پوشیدہ خوبیوں کو اجاگر کر کے اس کو اور مقبول و محبوب بنا دیا ہے۔ انشاء اللہ اپنے اور بیگانے سب ان کی تحقیق کی داد دیں گے۔ مولیٰ تعالیٰ فاضل مصنف کو اس مخلصانہ کاوش پر اپنے کرمِ عمیم سے نوازے اور ان کو ایسے امور کے لئے مزید ہمت و استقامت

[1] غزالیٔ دوراں علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمۂ قرآن البیان حال ہی میں چھپ کر منظرِ عام پر آچکا ہے (رضا اکیڈمی لاہور)

ارزانی عطا فرمائے ۔ آمین بجاہ سید المرسلین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وازواجہ واصحابہ وسلم ۔

احقر

محمد مسعود احمد
گورنمنٹ ڈگری کالج ٹھٹھہ (سندھ)

۲۸ شعبان المعظم ۱۴۰۰ھ
مطابق ۱۲ اپریل ۱۹۸۸ء

رضا اکیڈمی رجسٹرڈ لاہور نے یہ مقالہ ۱۹۸۸ء میں بغیر تقدیم کے شائع کیا تھا ۔ ازاں بعد اسی سال یعنی ۱۹۸۸ء ہی میں تقدیم سے آراستہ کر کے مکرر شائع کیا ۔ تقدیم سے مقالہ کی افادیت و اہمیت کئی گنا بڑھ گئی ۔

(طاہر)

کنز الایمان ارباب علم و دانش کی نظر میں

مؤلفہ، محمد عبدالستار طاہر

"یہ مقالہ ستمبر ۱۹۸۹ء میں ادارہ تحقیقات امام احمد رضا رجسٹرڈ کراچی نے معارف رضا میں شائع کیا تھا۔ مکمل صورت میں کتابی شکل میں طباعت کے لیے حضرت مسعود ملت زید لطفہٗ نے تقدیم رقم فرمائی جو مقالے کا سنگھار ہے۔ یہ مقالہ مع اضافات عنقریب منظر عام پر آرہا ہے۔ اس مقالہ کی خصوصیت اس میں شامل "اشاریہ کنز الایمان" ہے۔ جو اپنے موضوع پر پہلی کاوش ہے — ماہنامہ جہان رضا، لاہور میں "اشاریہ کنز الایمان" کی اشاعت کو اہل علم نے بہت سراہا۔"

طاہر

پروفیسر ڈاکٹر سرور اکبر آبادی (کراچی)

اس وقت اعلیٰ حضرت اپنے فضل و کمال، مصلحانہ تقدس، حکیمانہ شعور، ذہانت و فطانت، طباعی و دراکی اور عالمانہ و استادانہ تدبر و بصیرت کے سبب اور نعت گو شعراء میں نہایت مقبول و محبوب ہونے کے ساتھ ساتھ شہرت و عظمت لازوال کے مالک ہیں۔ آپ کے دل سے نکلنے والے ایک ایک لفظ اور ایک ایک شعر نے عاشقانِ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دلوں میں دیوانگی و شیفتگی اور وارفتگی و ربودگی کی تڑپ کوٹ کوٹ کر بھر دی اور ایک ایسی شمعِ ایمان فروزاں کر دی جس کی روشنی میں آنے والی نسلوں کے شعراء بھی اپنی منزلِ مقصود تک بآسانی پہنچنے میں کامیاب و کامراں ہوتے رہیں گے اور حق تو یہ ہے ؎

ہرگز نمیرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

(ہفت روزہ ہجوم، نئی دہلی، امام احمد رضا نمبر، دسمبر ۱۹۸۸ء ص ۵ ک۵)

تقدیم

برادرم جناب محمد عبدالستار طاہر زید مجدہٗ اہلِ سُنّت کے جواں سال قلمکار ہیں۔ وہ عرصۂ دراز سے مرکزی مجلسِ امامِ اعظمؒ لاہور سے وابستہ ہیں اور دینی و ملی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ پیشِ نظر مقالہ "کنزالایمان اربابِ علم و دانش کی نظر میں" ایک قابلِ قدر کوشش ہے۔ یہ مقالہ ادارہ تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی کے سالنامہ معارفِ رضا (۱۹۸۹ء) میں شائع ہو چکا ہے۔ فاضل مقالہ نگار نے مقالے کو پانچ حصّوں پر تقسیم کیا ہے :-

۱۔ پہلے حصّے میں امام احمد رضا اور ترجمۂ قرآن کا مختصر تعارف ہے۔

۲۔ دوسرے حصّے میں کنزالایمان کی شانِ انفرادیت" کے ذیلی عنوان کے تحت شانِ الوہیت جل جلالہٗ، شانِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلّم اور عظمتِ انبیاء علیہم السّلام سے متعلق قرآنی آیات کے مختلف تراجم کا کنزالایمان سے تقابلی جائزہ لیا ہے۔ جس سے کنزالایمان کی شانِ امتیاز نکھر کر سامنے آگئی ہے۔

۳۔ تیسرے حصّے میں کنزالایمان دانشوروں کی نظر میں، کے ذیلی عنوان کے تحت اہلِ علم کے تاثرات قلمبند کئے ہیں۔ ان تاثرات میں بالخصوص علامہ عطا محمد بندیالوی اور حضرت صدر الافاضل مولانا سیّد محمد نعیم الدین مراد آبادی کے تاثرات نہایت وقیع اور وزنی ہیں۔ ان تاثرات سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام احمد رضا کے ترجمۂ قرآن میں برسوں کی فکری کاوشیں پنہاں ہیں۔

یہ مولیٰ تعالیٰ کا کرم ہے کہ وہ اپنے بندے کو ایسی نظر عطا فرما دے جس کے سامنے علم و دانش کی وسعتیں سمٹ کر ایک نقطے پر آجائیں ۔۔۔۔۔۔ فی البدیہہ ترجمۂ قرآن میں ایسی جامعیت کا پیدا ہو جانا عجائبات عالم میں ایک عجوبہ ہے ۔ اس سے مترجم کی عظمت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے ۔

۴۔ چوتھے حصے میں کنز الایمان پر تحریری اور اشاعتی کام کا جائزہ لیا گیا ہے ۔

اُمید ہے کہ برادرم محمد عبد الستار طاہر زید مجدہٗ کی یہ علمی کاوش قدر کی نگاہ سے دیکھی جائے گی ۔ مولیٰ تعالیٰ فاضل مؤلف کو ظاہری و باطنی ترقیاں عطا فرمائے اور اس خدمت کو قبول فرمائے ۔ آمین ! بجاہ سید المرسلین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وازواجہٖ واصحابہٖ وسلم

مقالے کا یہ حصہ خصوصیت کا حامل ہے کہ اپنی نوعیت کی اولین کوشش ہے ۔

۵۔ اس حصہ میں کنز الایمان کے حوالے سے محررہ نظمی ادب کو پیش کیا گیا ہے ۔

احقر

محمد مسعود احمد

پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج ، ٹھٹھہ

۲۹ صفر المظفر ۱۴۱۰ھ

قرآن، سائنس اور امام احمد رضا

مؤلفہ: ڈاکٹر لیاقت علی خاں نیازی

" محترم جناب ڈاکٹر لیاقت علی نیازی، چکوال (پنجاب) میں ڈپٹی کمشنر رہے ہیں۔ اسی زمانے میں آپ نے یہ مقالہ قلمبند کیا تھا۔ آجکل وہ وزارتِ امورِ مذہبی، حکومتِ پاکستان، اسلام آباد میں ایک اعلیٰ عہدے پر فائز ہیں —— ڈاکٹر صاحب اسلامی ذہن رکھتے ہیں اور ان کے افکار و خیالات میں گہرائی ہے ——
زیرِ تقدیم مقالہ میں انہوں نے سائنس کے حوالے سے کنز الایمان کی خوبیوں کو اُجاگر کیا ہے اور سائنس کے بارے میں بھی بہت سی حیران کُن باتیں بتائی ہیں —— یہ مقالہ ۱۹۹۰ء میں جہلم سے شائع ہو چکا ہے۔

طاھر

پروفیسر ڈاکٹر پیر محمد حسن

ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد (پاکستان)

"مولانا جس قدر زود نویس تھے اس کا پتہ ان کی لاتعداد تصانیف سے چلتا ہے، اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ علم کا سمندر ان کے سینہ اور دماغ میں موجزن تھا اور اس کا بہاؤ اس قدر تیز تھا کہ روکنے اور رکنے کی گنجائش نہیں تھی۔ شیخ اکبر (محی الدین ابن عربی) فرماتے ہیں کہ "جو تصانیف میں نے کی ہیں ان سے میرا مقصد مصنف بننا نہیں ہے بلکہ اگر میں یہ تصانیف نہ کرتا تو مجھے جل جانے کا خطرہ تھا" ——— یہی بات مولانا پر صادق آتی ہے۔"

(مقالاتِ یومِ رضا، حصہ دوم، ص ۴۹)

تقدیم

پیشِ نظر مقالہ نہایت مفید اور معلومات افزا ہے اور قرآن و سائنس کے بارے میں نئے انکشافات پر مشتمل ہے۔ اس میں شک نہیں کہ قرآنی حقائق سائنس کی روشنی میں اور واضح ہوتے جا رہے ہیں۔ مذہبی کتابوں میں یہ امتیاز قرآن اور صرف قرآن کو حاصل ہے اور یہی اس کے سچا ہونے کی قطعی دلیل بھی ہے ـــــ سائنسی حقائق و نتائج چونکہ ترقی پذیر ہیں اس لئے کہیں کہیں قرآنی حقائق سے مختلف نظر آتے ہیں۔

جو دانشور مغربی علوم سے متاثر تھے انہوں نے آیاتِ قرآنی میں دور از کار تاویلات کر کے سائنسی حقائق سے تطبیق دینے کی لاحاصل سعی کی ہے۔ مثلاً سر سید احمد خاں جنھوں نے اپنی "تفسیر القرآن" میں یہی طرز اختیار کیا ہے۔ لیکن جو دانشور مغرب سے مرعوب نہ تھے اور ان کے دماغ دانشِ نورانی سے منور تھے انہوں نے قرآنی حقائق کی روشنی میں ایسے سائنسی حقائق و نتائج کا بُطلان کیا ہے جو قرآنی حقائق سے مختلف نظر آتے ہیں۔ اِن دانشوروں میں مولانا احمد رضا خاں بریلوی نہایت ممتاز نظر آتے ہیں۔ اگر فاضل مقالہ نگار اِس نکتے کی روشنی میں مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے سائنسی افکار کا جائزہ لیں تو مقالہ کی قدر و قیمت میں اضافہ ہو سکتا ہے۔

مقالہ کا موضوع "قرآن، سائنس اور امام احمد رضا" ہے مگر حقیقتاً اس میں قرآن اور سائنس سے بحث کی گئی ہے۔ البتہ مولانا احمد رضا خاں بریلوی

کے ترجمہ قرآن سے استفادہ کیا ہے۔ فاضل مقالہ نگار نے پہلے سائنس کے معنی و مفہوم کو بیان کیا ہے پھر سائنس کی اساس کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ سائنس اور مذہب اسلام الگ الگ نہیں۔ اس کے بعد سائنس کی اقسام کو گنوایا ہے اور سائنس کے ارتقاء اور اس کے مختلف ادوار کا ذکر کیا ہے۔ پھر آیات قرآنی کے ترجمۂ کنز الایمان اور احادیث کی روشنی میں سائنسی حقائق کے نتائج کا تجزیہ کیا ہے اور ان سائنسی علوم کی تفصیل دی ہے جن کا ذکر قرآن میں ہے مثلاً علم البحر، علم الانسان، علم الاحجار، علم الکائنات، علم الخلاء، ارضیات سماویات، حیاتیات، نباتات، سیاحت، آثار قدیمہ، آبی حیوانات وغیرہ، آخر میں امام احمد رضا کا ذکر کیا ہے۔

فاضل مقالہ نگار نے مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے علوم و فنون کا ذکر کرتے ہوئے یہ بڑی دل لگتی بات فرمائی ہے۔

"امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ (کنز الایمان) سائنسی اصطلاحات اور علم فلکیات کے قریب تر ہے۔"

اگر فاضل مقالہ نگار مزید دلائل و شواہد کی روشنی میں اس دعوے کو ثابت کرتے تو مقالہ اور دقیع ہو جاتا کیونکہ یہی وہ امتیاز ہے جو دوسرے تمام تراجم قرآن سے مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے ترجمۂ قرآن کنز الایمان کو نہایت ممتاز کرتا ہے۔

فاضل مقالہ نگار نے مقالے کے آخر میں چند سوالات کر کے سائنس کے دعوئ ہمہ دانی کو باطل قرار دیا اور اس شعر کو پیش کر کے سائنسدانوں کی بے بسی کو ظاہر فرمایا۔ ؎

جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا

سچ ہے اصل کمال یہ ہے کہ زندگی کے اندھیروں میں اُجالا کیا جائے اور یہ اُجالا قرآنی تعلیمات اور اتباعِ سُنّتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی سے ہو سکتا ہے ـــــ ظاہری اور مادی ترقیوں کے باوجود ہمیں اسی طرف لوٹنا ہے۔ اگر نہ لوٹیں گے تو اندھیروں میں بھٹکتے رہیں گے۔ ہاں!

ے تو مری رات کو مہتاب سے محروم نہ رکھ
تیرے پیمانے میں ہے ماہِ تمام اے ساقی!

احقر

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد
پرنسپل، گورنمنٹ، ڈگری کالج
سکھر (سندھ)

پروفیسر ڈاکٹر مختار الدین آرزو

(ڈین اور صدر شعبۂ عربی، مُسلم یونیورسٹی علیگڑھ)

"آپ کی ذات " الحُبّ للّٰہ والبغض للّٰہ" کی زندہ تصویر تھی۔ اللہ اور رسول سے محبت رکھنے والے کو اپنا عزیز سمجھتے، اللہ اور رسول کے دشمن کو اپنا دشمن سمجھتے۔ اپنے مخالف سے کبھی کج خلقی سے پیش نہ آئے۔ کبھی دشمن سے بھی سخت کلامی نہ فرمائی بلکہ حلم سے کام لیا لیکن دین کے دشمن سے کبھی نرمی نہ برتی۔ اعلیٰ حضرت کی زندگی کا ہر گوشہ اتباعِ سنت کے انوار سے منور ہے۔"

(معارفِ رضا، کراچی ۱۹۸۱ء، ص ۰۰)

پروفیسر سیّد عبد القادر

(حیدر آباد دکن، بھارت)

علوم حدیث میں آپ کو نمایاں مقام حاصل ہے۔ احادیثِ کریمہ کا ایک بحرِ ذخار آپ کے سینۂ مبارک میں موجزن تھا۔ جس موضوع پر بھی آپ کا قلم اٹھتا تھا، اسلامی مزاج، افکار و نظریات کی حمایت اور کفر و بطالت کی تردید میں احادیثِ کریمہ کا انبار لگا دیتے تھے کہ پڑھنے والے کا کلیجہ ٹھنڈا اور آنکھیں روشن ہوں۔

(معارفِ رضا، کراچی ۱۹۸۵ء، ص ۱۲۹)

کنزالایمان مع تفسیر

مؤلفہ: مولانا محمد یاسین نقشبندی

مجلسِ رضا، واہ کینٹ کے بانی مولانا محمد یٰسین نقشبندی ایک فعال شخصیت کا نام ہے۔ وہ علوم جدیدہ اور قدیمہ میں سند یافتہ ہیں۔ ۱۹۸۰ء میں واہ کینٹ میں مجلسِ رضا قائم کی اور ۱۹۸۲ء میں کنزالایمان مع تفسیر خزائن العرفان ایک ایک پارہ کرکے شائع کرنا شروع کیا اور انداز یہ رکھا کہ بین السطور میں کنزالایمان اور نیچے فٹ نوٹ میں تفسیر خزائن العرفان۔ ۱۹۹۲ء میں ۹ سال میں یہ سلسلہ مکمل ہوا اور یہ ترجمہ و تفسیر ڈھائی ہزار صفحات پر شائع ہوا۔ زیرِ نظر تقدیم اس ترجمے اور تفسیر کے لئے لکھی گئی تھی۔

طاہر

پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں

(ایم۔ اے، ایل۔ ایل۔ بی، پی۔ ایچ۔ ڈی، ڈی۔ لٹ)

سابق صدر شعبۂ اردو، سندھ یونیورسٹی، حیدرآباد (سندھ، پاکستان)

"اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں علیہ الرحمہ اپنے دور کے بے مثل علماء میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کے فضل و کمال، ذہانت و فطانت، طباعی و دراکی کے سامنے بڑے بڑے علماء، فضلاء، یونیورسٹیوں کے اساتذہ، محققین و مستشرقین نظروں میں نہیں جچتے۔ مختصر یہ کہ وہ کونسا علم ہے جو انہیں نہیں آتا تھا، وہ کونسا فن ہے جس سے وہ واقف نہیں تھے۔"

(ہفت روزہ "افق" کراچی، شمارہ ۲۲ جنوری تا ۲۸ جنوری ۱۹۷۹ء، ص ۱۰)

پروفیسر ڈاکٹر محمد ایوب قادری

(سابق صدر شعبۂ اردو، اردو کالج، کراچی اور پاکستان کے مشہور محقق و قلمکار)

"فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں (۱۸۵۶ء — ۱۹۲۱ء) اپنے عہد کے نامور عالم، فقیہہ، ریاضی داں، مصنف اور عبقری تھے۔ علوم ریاضی میں وہ مجتہدانہ دسترس رکھتے تھے۔ اسی طرح علم فقہ میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔"

(معارفِ رضا، کراچی ۱۹۸۲ء، ص ۱۰۷)

باسمہٖ تعالیٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم ؁

قرآنِ حکیم کے ترجمہ کا آغاز عاشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سورۂ فاتحہ کے فارسی ترجمہ سے ہوتا ہے ——

اب تک دُنیا کی ایک سو سے زیادہ زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے —— پاک و ہند میں چوتھی صدی ہجری میں ایک عراق النسل سندھی عالم نے کشمیر کے راجہ مہردک کی فرمائش پر پورے قرآنِ حکیم کا ہندوستانی زبان میں ترجمہ کیا تھا۔ ترجمہ سے متاثر ہو کر وہ راجہ مسلمان ہو گیا —— اردو زبان میں ترجمہ کا باقاعدہ آغاز گیارہویں صدی ہجری سے ہوا —— امام احمد رضا کے ترجمۂ قرآن کنز الایمان سے پہلے اور بعد میں ان حضرات کے یہ مشہور تراجم نظر آتے ہیں۔ شاہ رفیع الدین محدث دہلوی، شاہ عبد القادر محدث دہلوی، حکیم محمد شریف خان دہلوی، مولوی محمود حسن دیوبندی، مولوی نذیر احمد دہلوی، مولوی فتح محمد جالندھری، مولوی اشرف علی تھانوی، مفتی محمد مظہر اللہ دہلوی، ابو الکلام آزاد، عبد الماجد دریا آبادی، مفتی محمد شفیع دیوبندی، علامہ احمد سعید کاظمی وغیرہ وغیرہ —— یہ تراجم ہمارے سامنے ہیں لیکن جب ہم کنز الایمان کا ان سے مقابلہ کرتے ہیں تو کنز الایمان ہی سارے ترجموں کا سرتاج معلوم ہوتا ہے ——

امام احمد رضا بڑے متبحر عالم تھے۔ ۷۰ علوم و فنون عقلیہ و نقلیہ پر اُن کو عبور حاصل تھا —— اُن کے تبحرِ علمی کا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اس وقت برِّاعظم یورپ، برِّاعظم امریکہ، برِّاعظم افریقہ اور برِّاعظم ایشیا کی بہت سی

یونیورسٹیوں میں امام احمد رضا کی حیات اور علم و دانش پر مختلف جہات سے تحقیقات ہو رہی ہیں ـــــ امام احمد رضا اپنے عہد کے جلیل القدر عالم ہی نہ تھے بلکہ عربی، فارسی اور اُردو کے شاعر و ادیب بھی تھے ـــــ اُن کا یہ پہلو اُن کے علم و فضل کے ہجوم میں چھُپ کر رہ گیا ـــــ وہ اپنے عہد کے بڑے سے بڑے شاعر و ادیب پر بھاری تھے ـــــ

قرآنِ حکیم کے ترجمہ کے لئے ضروری ہے کہ اس کا مترجم علوم و فنون کا خزانہ ہو اور عربی زبان و ادب کے ساتھ ساتھ اُردو زبان و ادب پر بھی پُورا پُورا عبور اور مہارت رکھتا ہو ـــــ اِسی کے ساتھ ساتھ ترجمہ کے فن سے بھی واقف ہو جو اہلِ قلم کی نظر میں تصنیف و تالیف سے کہیں زیادہ مُشکل ہے جب ہم اُردو کے تمام مترجمینِ قرآن پر نظر ڈالتے ہیں تو امام احمد رضا ہی اِن سب میں ممتاز نظر آتے ہیں ـــــ

امام احمد رضا کا ذہن علوم و معارف کا خزانہ تھا ـــــ اُن کے فکر و خیال کے دریچے تفسیر و حدیث کے انوار سے منوّر تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جب وہ ترجمہ کرنے پر آئے تو اپنے شاگرد اور اہلِ سُنّت کے جلیل القدر عالم علاّمہ امجد علی اعظمی کو فی البدیہہ لکھواتے چلے گئے اور وہ لکھتے چلے گئے ـــــ اللہ اکبر! ـــــ کہیں کاٹ چھانٹ کی نوبت نہ آئی اور ترجمہ مکمل ہو گیا ـــــ ترجمہ کی تاریخ میں یہ ایک حیرت انگیز تجربہ ہے ـــــ قرآنِ کریم کا اس طرح فی البدیہہ ترجمہ لکھوانا قطعاً ناممکن ہے ـــــ مولوی محمود حسن دیوبندی نے قرآنِ حکیم سے براہِ راست ترجمہ نہیں کیا بلکہ شاہ ولی اللہ کے فارسی ترجمہ کو اُردو میں منتقل کیا اور اس کوشش میں بھی سات برس لگ گئے ـــــ دیکھا جائے تو یہ طویل عرصہ گزر جانے کے باوجود یہ کوشش ناتمام رہی ـــــ

خدا جانے انہوں نے کتنی بار کاٹ چھانٹ کی ہوگی ـــــ ترجمہ کا کام بغیر کاٹ چھانٹ کے ممکن ہی نہیں ـــــ مگر جب فقیر نے ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی کے کتب خانے میں کنزالایمان کا اصل مسوّدہ دیکھا (جو علامہ امجد علی اعظمی نے قلم بند فرمایا ہے) تو فقیر حیران رہ گیا ـــــ یہ مسوّدہ کیا ہے گویا مبیضہ ہے۔

امام احمد رضا کا ترجمۂ قرآن کنزالایمان اردو کے تمام تراجم میں ممتاز اور عظیم ترجمہ ہے ـــــ اس ترجمہ نے عقیدوں کو سنبھالا، عاشقوں کے جذبات کو سنبھالا، شانِ الوہیت (جل جلالہٗ) اور شانِ رسالت (صلی اللہ علیہ وسلم) پر حرف نہ آنے دیا، گستاخیوں اور بے ادبیوں کے سارے راستے بند کر دیئے ـــــ سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور قرآنِ کریم نے جس ادب و احترام کی تاکیدِ شدید فرمائی ہے ایک ایک قدم پر اُس کا خیال رکھا اور اس کے تقدس کو قائم رکھا ، نازک ترین مواقع سے وہ اس آسانی سے نکل گئے جس طرح جسم سے سانس نکلتا ہے ـــــ انہوں نے آفاق النفس سے متعلق رازہائے سربستہ کو اپنے ترجمہ میں اس طرح محفوظ کر دیا کہ دنیا کا کوئی سائنس دان قرآنِ پاک کو چیلنج نہیں کر سکتا ـــــ انہوں نے کوثر سے دُھلی ہوئی زبان میں ترجمہ کیا اور اس حیرت ناک مہارت کا مظاہرہ فرمایا کہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے اُن کے فکر و شعور میں قرآنِ پاک رچا بسا ہوا تھا ـــــ اُن کے ترجمۂ قرآن کو دیکھ کر ایک فاضلِ جلیل نے فرمایا تھا "یہ تو اُردو میں قرآن ہے" ـــــ

اس میں شک نہیں کہ امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے قرآنِ کریم کے مطالب و معانی اور اسرار و معارف کو جس مہارت و خوبی کے ساتھ اُردو میں منتقل کیا ہے اس کی نظیر نہیں ـــــ بلاشبہ کنزالایمان اُردو کا وہ بے مثال واحد ترجمہ ہے جس میں قرآنی انوار جھلکتے نظر آتے ہیں۔ یہ عظیم ترجمہ پاک و ہند

میں زیادہ سے زیادہ چھپنا چاہیئے اور عالم اسلام میں پھیلنا چاہیئے ــــــ

برادرم مولانا محمد یٰسین نقشبندی (مہتمم مرکزی مکتبۂ رضا، واہ کینٹ) دلی مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے کئی سال قبل ۱۹۸۲ء میں کنزالایمان کے ایک ایک پارے کی اشاعت کا بیڑہ اٹھایا اور یہ اہم کام پایۂ تکمیل تک پہنچا اور تیس پارے مع تفسیر ترجمہ کنزالایمان چھپ کر مفت تقسیم کیے گئے اور اب یہ سلسلہ پھر شروع ہو رہا ہے۔ گویا مولانا محمد یٰسین صاحب زید مجدہٗ قرآن کریم کا ایک دورہ مکمل کرنے کے بعد دوسرا دورہ شروع کر رہے ہیں۔ مولیٰ تعالیٰ مولانا موصوف کو اُن کے تمام معاونین کو اجر عظیم عطا فرمائے اور دارین میں اپنی بے کراں نعمتوں سے نوازے! آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم ــــــ

احقر

محمد مسعود احمد عفی عنہ

پرنسپل

گورنمنٹ ڈگری کالج سکھر (سندھ)

۹؍جمادی الآخر ۱۴۱۲ھ

۱۷؍نومبر ۱۹۹۱ء

فقہیات

فتاویٰ رضویہ اور فتاویٰ رشیدیہ کا تقابلی جائزہ

مؤلفہ: علامہ مفتی محمد مکرم احمد

"زیر نظر مقالہ حضرت مسعودِ ملت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب کے ایماء اور خواہش پر اُن کے بھتیجے علامہ مفتی محمد مکرم احمد صاحب نے لکھا۔ جو شاہی مسجد، فتحپوری دہلی کے امام اور مفتی ہیں۔ اور جامعہ ملیہ یونیورسٹی (نئی دہلی) کے مدرس بھی۔ رُشد و ہدایت کا سلسلہ بھی جاری ہے۔ خود مسعودِ ملت نے ۱۹۸۹ء میں اس نئے اور اچھوتے موضوع پر لکھنے کی پیشکش فرمائی جس پر علامہ موصوف نے جواباً تحریر فرمایا کہ ایسے دقیق موضوع پر سات آٹھ صفحات ہی لکھ پائیں گے۔ لیکن جب قلم چل پڑا تو سو کے قریب صفحات پر موضوع بیان ہو سکا۔ یہ ۱۹۹۰ء میں ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی نے شائع کیا۔ اس پر حضرت مسعودِ ملت نے جو تقدیم تحریر فرمائی ہے زیر نظر مقالے کے ماتھے کا جھومر ہے۔"

طاہر

پروفیسر ڈاکٹر الٰہی بخش اختر اعوان

(ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی، لندن)

پشاور (پاکستان)

"اعلیٰ حضرت کی شخصیت کا ہر پہلو اس قدر وجیہہ و دقیع ہے، ہر جہت میں اس قدر جامعیت و مانعیت ہے کہ اہلِ فکر و نظر کے لئے یہ فیصلہ کرنا دشوار ہو جاتا ہے کہ ان جہات میں سے وہ کونسی جہت ہے جو سب سے زیادہ دلکش ہے؟ . . . حقیقت یہ ہے کہ وہ ایسا کُل ہے جس کا ہر جزو اس درجہ وسیع و بسیط ہے کہ دیکھنے والے کی نظر و فکر اُس ایک ہی جزو کی وسعتوں اور پہنائیوں میں گم ہو کر رہ جاتی ہے۔"

(ڈاکٹر الٰہی بخش: عرفان رضا (قلمی) مصنفہ ۱۹۷۹ء، ص ۷)

پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی

(صدر شعبۂ عربی، گورنمنٹ کالج، فیصل آباد)

"مولانا کا علم ایک بحرِ ذخار تھا کہ جس جانب بھی اُبل پڑتا، سیراب کر دیتا۔ ان کی دلچسپیاں متنوع اور مطالعہ ہمہ گیر تھا۔ حافظہ بلا کا تھا کہ پڑا ہوا لفظ بمشکل ہی حافظہ سے اوجھل ہوتا تھا۔ اُردو، عربی، فارسی، ہندی پر دسترس حاصل تھی۔ ذہن رسا تھا اس کی مسائل کی تہہ تک اُتر جانا اُن کے لئے کوئی مسئلہ نہ تھا۔ اُن کی زندگی ہی میں اُن کے تبحر اور وسعتِ علمی کا اعتراف ہونے لگا تھا۔"

(مقالۂ ڈاکٹریٹ پاک و ہند کی عربی نعتیہ شاعری، پنجاب یونیورسٹی لاہور و معارف رضا، کراچی ۱۹۸۶ء، ص ۷)

تقدیم

علامہ مفتی محمد مکرّم احمد زید مجدہٗ (شاہی امام مسجد فتحپوری، دہلی) شیخ الاسلام مفتیٔ اعظم شاہ محمد مظہر اللہ علیہ الرحمہ کے پوتے اور جانشین ہیں جنہوں نے ۶۵ سال مسجد جامع فتحپوری۔ دہلی کی مسندِ افتاء و ارشاد کو رونق بخشی۔ علامہ موصوف مدرسہ عالیہ عربیہ، مسجد فتحپوری دہلی کے فارغ التحصیل، دہلی یونیورسٹی کے فاضل اور جامعہ ملیہ یونیورسٹی (نئی دہلی) کے استاد ہیں۔ فتویٰ نویسی کی اجازت مفتی عبدالدائم جلالی سے حاصل ہے۔ وہ کئی سال سے بحسن وخوبی فتویٰ نویسی کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ وہ بیک وقت امام بھی ہیں، مفتی بھی اور محقق و مرشد بھی — ۱۹۸۹ء میں راقم نے فتاویٰ رشیدیہ اور فتاویٰ رضویہ کے تقابلی جائزے پر ایک تحقیقی مقالہ لکھنے کے لئے اُن سے فرمائش کی پہلے تو علامہ موصوف نے تحریر فرمایا کہ وہ اس موضوع پر سات آٹھ صفحات لکھ سکیں گے مگر جب لکھنا شروع کیا تو ستر صفحات سے لکھدیئے فالحمد للہ علیٰ ذلک — اس تحقیق سے یہ حیرت انگیز حقیقت سامنے آئی کہ مولوی رشید احمد گنگوہی جن کو "فقیہ النفس" کہا جاتا ہے ایک متوسط درجہ کے مفتی بھی نہ تھے اور امام احمد رضا کا مقام اُن سے بہت ہی بلند تھا

علامہ مفتی محمد مکرّم احمد زید مجدہٗ ہمہ تن مصروف رہتے ہیں، اُن کی گوناگوں دینی و علمی مصروفیات کا فقیر کو علم ہے۔ مصروفیات کے اس اژدھام میں اتنا طویل مقالہ لکھنا بغیر توفیق الٰہی کے ممکن نہ تھا، علامہ موصوف کو اگر فرصت کے لمحات میسّر آتے تو وہ اس سے زیادہ دقیع، منظّم و مربوط مقالہ تحریر فرماتے۔

علامہ مفتی محمد مکرم احمد زید مجدہٗ نے فتاویٰ رشیدیہ اور فتاویٰ رضویہ کے تقابلی جائزے کے لئے سرسری طور پر بعض مسائل سے متعلق فتاویٰ کا انتخاب فرمایا ہے اور اُن کی روشنی میں دونوں حضرات کے تفقہ اور تبحر کا تجزیہ کیا ہے مثلاً یہ مسائل:

(۱) رہن سے نفع حاصل کرنا (۲) ولایتی شکر کا استعمال (۳) ایصال ثواب (۴) مرنے کے بعد ارواح کا آنا (۵) قبرستان کی خالی جگہ پر مدرسہ اور کتب خانے کی تعمیر (۶) فیس دے کر منی آرڈر بھیجنا (۷) نوٹ پر زکوٰۃ ادا کرنا (۸) حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر ناظر جاننا (۹) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم غیب سے آگاہ ہونا (۱۰) اولیاء اللہ کے مزارات سے استمداد (۱۱) مولود شریف اور اعراس کا انعقاد وغیرہ وغیرہ — حقیقت یہ ہے کہ امام احمد رضا کے کسی بھی ایک جامع و مفصل فتوے کا تجزیہ کیا جاتا تو مقالہ کتابی صورت اختیار کر جاتا — مولوی رشید احمد کے فتوے بالعموم چند سطور پر مشتمل ہوتے ہیں۔ اسی لئے علامہ مفتی محمد مکرم احمد زید مجدہٗ نے مولوی رشید احمد کے پورے فتوے نقل کئے ہیں اور امام احمد رضا کے فتوؤں سے صرف اقتباسات دینے پر اکتفا کیا ہے۔

علامہ موصوف نے فتوؤں پر عمومی بحث کے بعد امام احمد رضا کی شانِ علم دکھانے کے لئے دو فتوے بھی نقل کئے ہیں جو بیماری کی حالت میں دونوں حضرات نے لکھے ہیں۔ اس تقابل سے امام احمد رضا کے استحضارِ علمی کا اندازہ ہوتا ہے۔ اسی طرح علامہ موصوف نے عربی زبان وادب پر امام احمد رضا کی حیرت انگیز مہارت کو دلائل وشواہد کی روشنی میں بیان کیا ہے — یزید کے بارے میں مولوی رشید احمد کے حسنِ ظن اور موافقانہ خیالات کو پیش کر کے خود عالمانہ اور مؤرخانہ تعاقب کیا ہے۔ مگر اس سلسلے میں امام احمد رضا

کے افکار و خیالات نہیں پیش کئے۔ اس بحث میں یہ کمی رہ گئی ——
بہرحال اس سے خود علامہ موصوف کی فنِ فتویٰ نویسی میں مہارت، حُبِّ رسول علیہ التحیۃ والتسلیم اور حُبِّ اہلِ بیت رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے —— یہ محبت ایمان کی جان ہے اور اس دور کی ظلمت میں اسی محبت کی ضرورت ہے —— یہ نہیں تو کچھ نہیں

علامہ مفتی محمد مکرم زید مجدہٗ نے تقابلی جائزے کے بعد مولوی رشید احمد گنگوہی اور امام احمد رضا خاں بریلوی کے فتویٰ کی خصوصیات کا ذکر کیا ہے جس سے فنِ فتویٰ نویسی میں دونوں کے مقام و مرتبہ کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ وہ خصوصیات یہ ہیں۔

فتاویٰ رشیدیہ کی خصوصیات

۱۔ استدلال اور قوتِ فیصلہ کی کمی۔
۲۔ لاحاصل تاویلات سے کام لینا
۳۔ ضروری تفصیلات کو نظر انداز کرنا
۴۔ ایک ہی سوال کے بارے میں کبھی ہاں، کبھی نا
۵۔ فروگذاشتوں اور غیر محتاط بے اعتدالیوں کا ارتکاب
۶۔ غیر ضروری اختصار
۷۔ کتب حدیث وفقہ کے حوالوں کا فقدان
۸۔ مختلف فیہ مسائل میں علماء کے اقوال اور فقہاء کی آرا کا ذکر نہ کرنا۔
۹۔ مختلف فیہ مسائل میں مفتی بہ اور قولِ مرجوح کا ذکر نہ کرنا
۱۰۔ مستفتی کو حیران اور متجسس چھوڑ دینا۔

۱۱۔ بعض مسائل میں اپنی لاعلمی اور عاجزی کا اظہار کرنا
۱۲۔ بعض مفروضہ اور مزعومہ وجوہات کی بناء پر امور مباحہ کو ممنوع، بدعت اور بدعت ضلالۃ لکھنا
۱۳۔ بعض مسائل میں رائے دینے کے باوجود خود مطمئن نہ ہونا

علامہ مفتی محمد مکرم احمد زید مجدہٗ نے فتاویٰ رشیدیہ کی خصوصیات پیش کرنے کے بعد فتاویٰ رضویہ کی خصوصیات پیش کرنے سے قبل یہ وضاحت کی ہے۔

"سب خصوصیات کا ذکر کرنا بہت مشکل ہے" اس کے بعد مندرجہ ذیل خصوصیات کا ذکر کیا ہے۔

فتاویٰ رضویہ کی خصوصیات؛

۱۔ پہلے کتاب و سنت سے استدلال پھر کتب فقہ سے
۲۔
۳۔ سوال کے ہر پہلو پر تنقیح — فقہاء و علماء کا اختلاف ہے تو قول راجح کا ذکر
۴۔ قرآنی تراجم و تفاسیر، کتب حدیث و فقہ کا بھرپور علم
۵۔ نادر و نایاب حوالوں کا ذکر
۶۔ فقہی کلیات و جزئیات کا استحضار
۷۔ بعض مسائل پر جدید و قدیم علوم کی روشنی میں بحث
۸۔ نقلی اور عقلی دلائل کی کثرت
۹۔ دیگر مذاہب کے قوانین اور جزئیات کا علم

۱۰۔ فقہائے متقدمین کا احترام اور اختلاف کی صورت میں ادب سے اعتراض کرنا۔

۱۱۔ موجودہ دور میں درپیش مسائل کا علماء متقدمین کے فتاویٰ کی روشنی میں حل پیش کرنا۔

۱۲۔ فتاویٰ اور دیگر تصانیف جو ۵۵ علوم میں ہیں مسلک احناف کے علماء کے لئے خصوصاً اور دیگر مسالک کے علماء کے لئے عموماً رہنما کا درجہ رکھتی ہیں، نیز منتہی طلباء اور فضلا کے لئے مشعلِ راہ ہیں۔

۱۳۔ فتاویٰ قرآنِ حکیم کی اس آیت کی حقانیت کی دلیل ہیں کہ "اس میں ہر شے کا بیان ہے۔"

۱۴۔ مستفتی کی ذہنی اور علمی استعداد اور صلاحیت کے اعتبار سے جوابات اور دلائل دیئے جاتے ہیں کہ مستفتی کی تشنگی ختم ہوجاتی ہے اور وہ مطمئن ہوجاتا ہے بلکہ اس کے کسی اور کی طرف رجوع کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔

۱۵۔ جواب لکھنے پر پوری قدرت ہے۔ کسی مسئلے سے لاعلمی یا عاجزی کا اظہار نظر نہیں آتا۔

۱۶۔ تاریخی حقائق کو نظر انداز نہیں کیا گیا۔

۱۷۔ ہر مسئلے میں اتباعِ سنت سنیّہ کا کمال اہتمام رکھا گیا ہے۔

۱۸۔ فتاویٰ کے مطالعے سے حیرت انگیز قوتِ مطالعہ، قوتِ حافظہ، قوتِ استنباط، استدلال اور قوت بیانی کا اندازہ ہوتا ہے جس زبان میں استفتاء پیش ہوتا اسی زبان میں اس کو جواب دیا جاتا۔ عربی فارسی ہو یا اردو، حتی کہ منظوم استفتاء کے جواب میں منظوم فتویٰ دیا جاتا۔

۱۹۔ لاکھوں جزئیاتِ قدیمہ و جدیدہ کے منقح مسائل کا صاف صاف حکم ملتا ہے

۲۰۔ ان کے مستفتیوں میں عوام النّاس سے لے کر محدّث و مفسّر، فقیہہ و صوفی، جدید و قدیم علوم دینیہ و دنیاویہ کے فضلاء اور یونیورسٹی اور کالجز کے اساتذہ پائے جاتے ہیں، وہ ہر ایک کے مزاج کے مطابق مسائل کی تحقیق و تدقیق پیش کرتے ہیں۔

۲۱۔ ہر مسئلے میں اصولِ تفسیر، اصولِ فقہ، اصُولِ حدیث کی روشنی میں قرآنِ کریم، حدیث سے مستدلات کی کثرت ہے۔

۲۲۔ فنِ ہیأۃ، ریاضی، ہندسہ اور توقیت سے فرائض سے متعلق مسائل کی فاضلانہ تحقیق ہے۔

۲۳۔ دورِ جدید کے نئے نئے مسائل کی تحقیق و تشریح اور اُن کا شرعی حل پیش کیا گیا ہے۔

۲۴۔ بدعات و منکرات کا ایمان افروز ردّ کیا گیا ہے۔

۲۵۔ امام احمد رضا کی تحریرات (عربی، فارسی، اردو) فنِ ادب کا ایسا شاہکار ہیں جن کو کالجوں اور یونیورسٹیوں کی اعلیٰ ادبی کلاسوں کے نصابوں میں شامل کیا جانا چاہیئے۔

۲۶۔ فتاویٰ رشیدیہ میں امام احمد رضا کے کئی فتاویٰ نقل کئے گئے ہیں۔ اس سے بھی فتاویٰ رضویہ کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ امام احمد رضا بریلوی اپنے وقت کے جلیل القدر عالم اور فقیہہ تھے۔ مولوی ابوالحسن علی ندوی نے نزہتہ الخواطر میں اختلافِ مسلک کے باوجود یہ اعتراف کیا ہے کہ امام احمد رضا کو جزئیاتِ فقہ پر جو عبور حاصل تھا اس کی نظیر نہیں ملتی ــــــ امام احمد رضا اُس طبقۂ علماء کی نمائندگی کرتے تھے جس نے دورِ آزادی میں ملّتِ اسلامیہ کی ساکھ کو قائم رکھا۔ اُن کا

تعلق سوادِ اعظم اہلِ سنت و جماعت سے تھا جس کو آج عرفِ عام میں بریلوی کہا جاتا ہے اور یہ نام بقول ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی علمائے اہلِ حدیث کا مرہونِ منت ہے۔ تقریباً ایک صدی قبل عالمِ اسلام کے وہی عقائد تھے جس کی تعلیم امام احمد رضا نے دی بعد میں مستعمرین نے اپنی اپنی سیاسی ضرورتوں کے مطابق اہلِ سنّت ہی کے بعض افراد کو توڑ کر مختلف فرقوں میں تقسیم کر دیا اور یوں انتشار پھیلتا چلا گیا جو ابھی تک پھیلتا جا رہا ہے۔

اس وقت اتحاد عالمِ اسلامی کی ضرورت ہے جس کے لئے امام احمد رضا نے اپنے نام و ناموس کی پرواہ نہ کی۔ اتحادِ عالمِ اسلامی مختلف فرقوں کے ایک پلیٹ فارم پر جمع ہونے سے حاصل نہ ہوگا۔ بلکہ منتشر افکار کے اس مرکز پر جمع ہونے سے حاصل ہوگا جہاں یہ افکار دو صدی قبل جمع تھے۔ حقیقی اتحاد کے لئے فکری اتحاد ضروری ہے اور امام احمد رضا نے اس کے لئے سعی فرمائی۔

—— تحقیق سے یہ حیرت انگیز حقیقت سامنے آئی کہ موجودہ دور کے تمام فرقوں کے اکابر اور اجداد کا تعلق اس سوادِ اعظم اہلِ سنت سے رہا ہے جس کی امام احمد رضا نمائندگی کرتے تھے۔ پھر رفتہ رفتہ اصاغر نے اکابر اور اخلاف نے اسلاف کی راہ چھوڑ کر اپنی اپنی راہیں بنالیں اور انتشار کا شکار ہو گئے —— امام احمد رضا اللہ کی عظیم رحمت تھے۔ اس رحمت کا چرچا ہونا چاہیئے اور سب فرقوں کو اپنے موجودہ افکار و عقائد کا جائزہ لے کر اپنے اکابر و اجداد کی پیروی کرنا چاہیئے۔ یہ وہی راہ ہے جس کو امام احمد رضا نے گہری سوچ اور بصیرت کے بعد ملّتِ اسلامیہ کے لئے متعین کیا ہے۔ اس میں کسی قسم کی شرم محسوس نہ کرنی چاہیئے، انسان سے غلطیاں ہوتی ہیں، دانا انسان تاریخ کی روشنی میں غلطیوں کی اصلاح کرتا ہے، ناداں ضد پر قائم رہتا ہے

اور اپنی انا کی خاطر مخلوقِ الٰہی کو تباہ و برباد کر دیتا ہے۔

قیادت کے لئے دانا و بینا قائد کی ضرورت ہوتی ہے۔ بصیرت سے محروم جذباتی قیادتِ ملت کو تباہی کی طرف لے جاتی ہے —— امام احمد رضا اپنے عہد کے عظیم مدبر و مصلح تھے —— ان کی قیادت کی آج بھی ملتِ اسلامیہ کو ضرورت ہے۔ اُن جیسا دانا و بینا نہ اُن کے دور میں تھا اور نہ اب نظر آتا ہے ——

بیس برس مسلسل مطالعہ کے بعد راقم اس نتیجے پر پہنچا ہے کہ اگر عالمِ اسلام امام احمد رضا کے افکار و عقائد کو رہنما اصول کے طور پر اپنا لے تو اتحادِ عالمِ اسلامی کا خواب حقیقت کا روپ اختیار کر سکتا ہے۔

آخر میں علامہ مفتی محمد مکرم احمد زیدہ مجدہٗ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ اُنہوں نے راقم کی فرمائش پر جرأت مندی اور بے باکی کے ساتھ ایسا فاضلانہ اور محققانہ مقالہ تحریر فرمایا —— انہوں نے سفید کو سیاہ اور سیاہ کو سفید بنا کر نہیں دکھایا بلکہ جو جیسا تھا اُس کی تصویر ہمارے سامنے پیش کر دی اور صداقت شعاری و دیانت داری کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا ——

مولوی رشید احمد گنگوہی کے معتقدین سے بھی اُمید کی جاتی ہے کہ اس مقالے کو جذبات کی رنگین عینک لگا کر نہیں پڑھیں گے بلکہ تحمل و بردباری کے ساتھ مطالعہ فرما کر حق پسندی کا ثبوت دیں گے۔

ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی ہم سب کے شکریہ کا مستحق ہے کہ وہ اپنی مطبوعات شائع کر کے دورِ جدید کے اندھیروں میں "چراغِ مصطفوی" کی روشنیاں پھیلا رہا ہے۔ ملتِ اسلامیہ پر ادارے کا یہ عظیم احسان ہے۔ جس کے لئے ہر فردِ مسلم، ادارے کا ممنون ہے اور یہ احسان اس بات کا بھی متقاضی ہے کہ اس ادارے کی ہر طرح سے ہمت افزائی کی جائے اور دامے،

درمے، سخنے، قلمے اس کے ساتھ تعاون کیا جائے۔
مولائے کریم ہم کو صراطِ مستقیم پر چلائے اور صراطِ مستقیم ہی پر اٹھائے۔
(آمین)

احقر

محمد مسعود احمد عفی عنہ
کراچی۔ سندھ

مقدمہ حاشیہ جد الممتار علی الرد المحتار

مصنفہ: امام احمد رضا خاں بریلوی
مقدمہ: علامہ محمد احمد مصباحی

"مولانا محمد احمد مصباحی، الجامعۃ الاشرفیہ کے استاذ، المجمع الاسلامی کے رکن اور دار العلوم فیض العلوم (محمد آباد، گوہنہ، اعظم گڑھ، بھارت) کے پرنسپل ہیں ـــــ وہ محقق بھی ہیں، مقرر بھی ہیں، مصنف بھی ہیں، مدرس بھی ہیں اور قلمکار بھی ـــــ ان کی کئی نگارشات منظر عام پر آچکی ہیں جس سے ان کے تبحر علمی، دینی و فقہی بصیرت اور دقت نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔

مولانا محمد احمد مصباحی نے جد الممتار (جلد اول و جلد ثانی) کا جو تعارف کرایا ہے اس سے امام احمد رضا کی فقہی بصیرت و عظمت اور کتاب کی اہمیت کا تو اندازہ ہوتا ہے مگر خود تعارف نگار کی علمی فضیلت کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔"

طاہر

پروفیسر ڈاکٹر وحید اشرف

(ایم۔اے، پی۔ایچ۔ڈی)

بڑودہ یونیورسٹی (بھارت)

"دنیائے اسلام میں ایسی شخصیتوں کی کمی نہیں جنھوں نے اپنے علم و عقل اور بصیرت سے ساری دنیا کو مستفیض و متحیر کیا ہے۔ ابن سینا، عمر خیام، امام رازی، امام غزالی، البیرونی، فارابی، ابن رشد وغیرہ وہ شخصیتیں ہیں جن کے علمی کارناموں پر رہتی دنیا تک فخر کیا جائیگا۔ ان میں کوئی فلسفہ و حکمت کا امام ہے، کوئی ریاضی و ہیئت کا، کوئی فلسفۂ اخلاق کا اور فلسفۂ یونان کا۔ لیکن ان سب سے زیادہ حیرت انگیز شخصیت سرزمین ہندوستان میں پیدا ہوئی اور موجودہ صدی ہی میں اس نے دنیا کو الوداع کہا۔ مولانا احمد رضا خاں کی شخصیت ایسی پہلو دار اور جامع علوم ہے کہ آپ کے کسی پہلو پر سیر حاصل بحث کے لئے اس فن کا ماہر ہی اس سے عہدہ برآ ہو سکتا ہے۔"

(انوار رضا۔ مطبوعہ لاہور ۱۹۷۷ء ص ۵۴۷)

پروفیسر ڈاکٹر ملک زادہ منظور

(ایم۔اے، پی۔ایچ۔ڈی)

لکھنؤ یونیورسٹی، لکھنؤ (بھارت)

"مجدد اسلام حضرت مولانا احمد رضا خاں اگر ایک طرف تبحر علمی، زہد و تقویٰ اور روحانی تصرفات کے معیاری نمونہ تھے تو دوسری طرف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ان کی بے پناہ محبت و عقیدت بھی مثالی تھی۔ انھوں نے اپنی علمی اور دینی صلاحیتوں سے مسلمانوں میں جو ذہنی انقلاب پیدا کیا اس کی شہادت ہماری پوری صدی دے رہی ہے۔"

(امام احمد رضا "ارباب علم و دانش کی نظر میں" ص ۱۲۷)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقدیم

اللہ تعالیٰ نے انسان بنایا[1]، سب سے اچھا بنایا[2]، مسلمان بنایا[3]، بولنا سکھایا[4]، لکھنا سکھایا[5] ——— اپنے کرم خاص سے محبوب بندوں کو علم لدنی عطا فرما کر برگزیدہ بنایا، اوروں کو دکھایا کہ جب ہم راضی ہوتے ہیں تو کتنا کچھ علم عطا فرماتے ہیں، بیشک

ع یہ علم عطا جب ہوتا ہے، جب خاص عنایت ہوتی ہے

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو نوازا ——— وعلم آدم الاسماء کلھا[6] (اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام اشیاء کے نام سکھائے) ——— حضرت داؤد علیہ السلام کو سرفراز فرمایا ——— وعلمہ مما یشاء[7] (اور اُسے جو چاہا سکھایا) حضرت خضر علیہ السلام پر کرم فرمایا ——— وعلمناہ من لدنا علما[8] (ہم نے اُسے اپنا علم لدنی عطا کیا) ——— حضرت یوسف علیہ السلام کو نوازا ——— اٰتینٰہ حکما وعلما[9] (ہم نے اُسے حکم اور علم عطا فرمایا) ——— حضرت لوط علیہ السلام کو سرفراز فرمایا ——— ولوطا اٰتینٰہ حکما وعلما[10] (اور لوط کو ہم نے حکومت اور علم دیا) ——— اور سرکارِ دوجہان

---

[1] قرآن الحکیم، سورۃ الرحمٰن ۳، [2] قرآن الحکیم، سورۃ التین: ۴ [3] قرآن الحکیم، سورۃ الحج، ۷۸ [4] قرآن الحکیم، سورۃ الرحمٰن، ۴ [5] قرآن الحکیم، سورۃ العلق، ۴ [6] قرآن الحکیم، سورۃ البقرہ ۳۱، [7] قرآن الحکیم، سورۃ البقرہ: ۲۵۱ [8] قرآن الحکیم، سورۃ الکہف، ۶۵ [9] قرآن الحکیم، سورۃ یوسف: ۲۲ [10] قرآن الحکیم، سورۃ الانبیاء: ۷۴

صلی اللہ علیہ وسلّم کو سب کچھ عطا فرمایا ـــــ علمك مالم تكن تعلم[1] (اور تمہیں سکھادیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے) ـــــ "اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کو تمام کائنات کے علوم عطا فرمائے اور کتاب و حکمت کے اسرار و حقائق پر مطلع کیا"[2] ـــــ آپ کے دامنِ کرم سے وابستہ جو آپ کے غلام ہیں وہ کیسے محروم رہ سکتے ہیں؟ ـــــ بلاشبہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوبوں کو تو نوازتا ہی ہے مگر اُن کے طفیل اُن کے غلاموں کو بھی سرفراز فرماتا ہے ـــ علمِ سفینہ اپنی جگہ مگر علمِ سینہ کی بات ہی کچھ اور ہے ـــــ اخلاصِ عمل کے وسیلے سے سینہ، اسرار و معارف کا گنجینہ بنا دیا جاتا ہے

عباداتِ نافلہ کے ذریعہ تقرّب الی اللہ حاصل ہو جائے تو وہ کان بن جاتا ہے، وہ آنکھ بن جاتا ہے ـــــ وہ ہاتھ بن جاتا ہے[3]

سُبحان اللہ! ـــــ کنت سمعہ الّذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ ویدہ الّذی یبطش بہ ـــــ جس کا وہ کان بن جائے اُس کی سماعت کی کیفیت نہ پوچھیئے ـــــ جس کی وہ آنکھ بن جائے اُس کی بصارت و بصیرت کا عالم نہ پوچھیئے ـــــ جس کا وہ ہاتھ بن جائے، اُس کے اقتدار و اختیار کا حال نہ پوچھیئے ؎

ہر لحظہ مومن کی نئی شان، نئی آن
گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان

---

[1] قرآن الحکیم، سورۃ النساء: ۱۱۳ [2] محمد نعیم الدین مراد آبادی، خزائن العرفان ص ۱۳۲، مطبوعہ لاہور

[3] محمد ظفر الدین رضوی: جامع الرضوی، مطبوعہ حیدرآباد سندھ ۱۹۹۲ء، ص ۶۲۷

دانشِ نورانی جب اپنا جلوہ دکھاتی ہے تو دانشِ برہانی حیران رہ جاتی ہے۔

ع دانشِ برہانی حیرت کی فراوانی

امام احمد رضا، اللہ تعالیٰ کے اُن مقرب اور برگزیدہ بندوں میں تھے جن کو لوح و قلم کے سہارے تو بہت کچھ ملا ہی تھا مگر فیضِ ربِ قدیر سے وہ کچھ ملا جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ——— یہی وہ علم ہے جس کی جھلک اُن کی ہر تصنیف میں نظر آتی ہے، یہی وہ فکرِ رسا ہے جس کو دیکھ دیکھ کر اہلِ علم حیران ہوتے جاتے ہیں ——— مشہور ریاضی دان اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے وائس چانسلر ڈاکٹر سر ضیاء الدین مرحوم ریاضی کے ایک مسئلے میں اُلجھ گئے، سُلجھانے کے لئے جرمنی جانا چاہتے تھے، قدرتِ الٰہی ڈاکٹر صاحب کو امام احمد رضا کی چوکھٹ پر لے آئی، مسئلہ پیش کیا، آن کی آن میں حل کر کے ڈاکٹر صاحب کو حیران کر دیا[1] انھوں نے یہی فرمایا، یہ علم لدنی ہے، کسب و ریاض سے حاصل نہیں ہوتا، یہ عطائے ربانی ہے ———

امام احمد رضا بکثرت علوم و فنون کے ماہر تھے، پہلے یہ تعداد ۵۵ تک شمار کی گئی، اب مزید تحقیق کے بعد ۷۰ ہو گئی ہے کیوں کہ علوم و فنون شاخ در شاخ پھیلتے جاتے ہیں۔ امام احمد رضا کے آثارِ علمیہ میں جتنا خوض کیا جائے گا، یہ تعداد بڑھتی ہی جائے گی ——— امام احمد رضا ایک ایسا بحرِ بے کراں ہیں جہاں بے شمار نہریں پھوٹتی ہیں ——— وہ ہر علم و فن میں مہارت رکھتے تھے مگر فقہ میں اُن کو جو تبحر اور گہرائی حاصل تھی اُس میں وہ اپنی نظیر آپ تھے۔ پروفیسر عبد الفتاح ابو غدہ (پروفیسر کلیۃ الشرعیہ

---

[1] مفتی محمد برہان الحق جبل پوری: اکرام امام احمد رضا، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۱ء، ص ۵۹

[2] محمد ظفر الدین رضوی: حیات اعلیٰ حضرت، جلد اول، مطبوعہ کراچی، ص ۱۵۵

محمد بن مسعود یونیورسٹی، ریاض) نے جب فتاویٰ رضویہ کی پہلی جلد کا ایک عربی فتویٰ مطالعہ فرمایا تو وہ پھڑک گئے اور دل نے کہا کہ یہ "اپنے وقت کا زبردست فقیہ ہے"[1] ——— امام احمد رضا مرجع علماء و مشائخ تھے، پاک و ہند کے کسی مفتی کو یہ مرجعیت حاصل نہیں ہوئی، پاک و ہند کے مشہور و معروف مفتی شاہ محمد مظہر اللہ نقشبندی مجددی دہلوی اور ولی کامل شاہ محمد رکن الدین الوری نقشبندی مجددی نے مختلف مسائل کے سلسلے میں امام احمد رضا سے استفادہ کیا تھا ——— مفتی محمد مظہر اللہ دہلوی نے انجنیہ سے متعلق ایک استفتاء ارسال فرمایا[2]، امام احمد رضا کا جواب مطالعہ فرما کر دہ حیران رہ گئے یہی فتوے جب مفتی محمد کفایت اللہ دیوبندی نے ملاحظہ کیا تو برملا اعتراف کیا:

مولانا احمد رضا خاں کا علم بہت وسیع تھا۔[3]

امام احمد رضا کے کمالِ فقاہت پر دو رائیں نہیں، موافق و مخالف سب ایک رائے ہیں اور علمائے عرب و عجم سب متفق ہیں[4] ——— عالم اسلام کے مشہور دانشور سید ابوالحسن علی ندوی، امام احمد رضا کی فقاہت پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

---

[1] محمد یٰسین اختر المصباحی، امام احمد رضا ارباب علم و دانش کی نظر میں، مطبوعہ الہ آباد ۱۹۷۷ء، ص ۱۹۳

[2] ہفت روزہ ہجوم (نئی دہلی) امام احمد رضا نمبر، شمارہ دسمبر ۱۹۸۸ء، ص ۶، کالم ۳/۴

[3] ایضاً، ص ۶

[4] تفصیلات کے لئے مطالعہ فرمائیں، الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیۃ (امام احمد رضا) فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں (پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد)، امام احمد رضا اور عالم اسلام (پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد)، افکائے حرمین کا تازہ عطیہ (سید عبدالرحمن قادری) وغیرہ وغیرہ ——— فقیر مسعود

"فقہ حنفی اور اُس کی جزئیات پر مولانا احمد رضا خاں بریلوی کو جو عبور حاصل ہے، اُس کی نظیر شاید ہی کہیں ملے اور اس دعویٰ پر اُن کا مجموعۂ فتاویٰ شاہد ہے، نیز اُن کی تصنیف کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم جو انہوں نے ۱۳۲۳ھ میں مکہ معظمہ میں لکھی تھی" [1]

حافظ کتب الحرم سید اسمٰعیل بن خلیل مکی، امام احمد رضا کے نام ایک مکتوب (محررہ ۱۶ ذی الحجہ ۱۳۲۵ھ) میں تحریر فرماتے ہیں:

"اگر امام اعظم نعمان بن ثابت ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ آپ کے فتاویٰ ملاحظہ فرماتے تو اُن کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں اور اس کے مؤلف کو (آپ کو) اپنے خاص شاگردوں میں شامل فرماتے۔" [2]

بلاشبہ امام احمد رضا بے مثال فقیہ تھے ——— اور جو فقیہ ہوتا ہے اُس کے لئے ضروری ہے کہ فنِ حدیث میں کمال رکھتا ہو ——— محدث کے لئے ضروری نہیں کہ وہ فقیہ ہو، البتہ فقیہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ محدث ہو ———

امام احمد رضا بلند پایہ محدث تھے، علمِ حدیث پر اُن کو بڑا تبحر حاصل تھا اور اُن کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ چنانچہ جب آپ سے پوچھا گیا کہ حدیث کی کتابوں میں کونسی کتابیں پڑھی یا پڑھائی ہیں تو آپ نے یہ جواب دیا:-

---

[1] امام احمد رضا: الاجازات المتینہ لعلماء بکۃ والمدینہ (۱۳۲۴ھ) مترجمہ حافظ محمد احسان الحق لائل پوری مشمولہ رسائل رضویہ، جلد دوم مرتبہ علامہ محمد عبد الحکیم خاں اختر شاہجہان پوری، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۶ء ص ۲۵۹

[2] امام احمد رضا: اظہار الحق الجلی، بزم فیضان رضا، بمبئی ۱۹۸۶ء، ص ۲۴/۲۵

"مسندِ امامِ اعظم، و موطا امام محمد، و کتاب الآثار امام محمد، و کتاب الخراج امام ابو یوسف، و کتاب الحج امام محمد، و شرح معانی الآثار امام طحاوی، و موطا امام مالک، و مسندِ امام شافعی و مسندِ امام محمد، و سنن دارمی، و بخاری و مسلم، و ابو داؤد، و ترمذی، و نسائی، و ابن ماجہ و خصائص نسائی، و ملتقی ابن الجار، و زد علل متناہیہ، و مشکوٰۃ، و جامع کبیر، و جامع صغیر و ملتقی ابن تیمیہ، و بلوغ المرام، و عمل الیوم واللیلۃ ابن السنی، و کتاب الترغیب، خصائص کبریٰ و کتاب الفرج بعد الشدت، و کتاب الاسماء و الصفات وغیرہ پچاس سے زائد کتب حدیث میرے درس و تدریس و مطالعہ میں رہیں[1]"

امام احمد رضا کے وسعتِ مطالعہ کی شان یہ ہے کہ شرح عقائد نسفی کے مطالعہ کے وقت ستر شرح سامنے رہیں، ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:-

"شرح عقائد میری دیکھی ہوئی ہے اور شرح عقائد نسفی کے ساتھ ستر شروح و حواشی میں نے دیکھے[2]"

امام احمد رضا کے مطالعہ و تحقیق کا معیار بھی بہت بلند تھا، انہوں نے کبھی لکھی لکھائی اور سنی سنائی پر تکیہ نہ فرمایا بلکہ اصل متنوں کا خود مطالعہ فرمایا اور جب تک خود مطمئن نہ ہوتے حوالہ نہ دیتے ـــــ اُن کے پایۂ تحقیق کا اندازہ حبب العوارعن مخدوم بہار کے مطالعہ سے ہوتا ہے[3] جس میں انہوں نے

---

[1] امام احمد رضا: اظہار الحق الجلی، بزمِ فیضانِ رضا، بمبئی ۱۹۸۶ء، ص ۲۴/۲۵

[2] ایضاً، ص ۶۷

[3] امام احمد رضا: اظہار الحق الجلی، مطبوعہ بمبئی ۱۹۸۶ء، ص ۶۷

متن کتاب کی تحقیق سے متعلق وہ وہ نکات و اصول بیان فرماتے ہیں جو دورِ جدید کے محققین کے وہم و خیال میں بھی نہیں اور دُنیا کا کوئی محقق متن کیلئے یہ اہتمام نہیں کرتا جو امام احمد رضا اہتمام فرماتے تھے ——— امام احمد رضا نے اپنی تمام نگارشات میں اصولِ تحقیق کا پورا پورا خیال رکھا ہے ———

وہ ایک محتاط محقق، عاقبت اندیش مدبّر اور بلند پایہ مفکّر تھے ———

اس حزم و احتیاط کے باوجود اُن کی تصانیف کی تعداد ہزار سے تجاوز کر چکی ہے۔

امام احمد رضا تصنیف و تالیف کے میدان میں تو گویا سبقت لے گئے مگر حاشیہ نگاری میں بھی وہ اپنے معاصرین میں نہایت ممتاز ہیں۔ انہوں نے حاشیہ نگاری کا آغاز طالب علمی کے زمانے (قبل ۱۲۸۶ھ) سے کیا، جو آخر دم تک (۱۳۴۰ھ) جاری رہا ——— حاشیہ نگاری کی کچھ تفصیل امام احمد رضا نے اُس سندِ اجازت میں دی ہے جو ۱۳۲۴ھ کو علمائے حرمین شریفین کو جاری کی گئی ——— اُس میں ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں۔

"حاشیہ نویسی کا سلسلہ زمانۂ طالب علمی سے اب تک جاری ہے کیونکہ اُس وقت میرا یہ دستور رہا کہ جب کوئی کتاب پڑھی، اگر وہ میری مِلک میں ہے[1] تو اُس پر حواشی لکھدیئے اگر اعتراض ہو سکتا ہے تو اعتراض لکھدیا، اگر مضمون پیچیدہ ہے تو اُس کی پیچیدگی دور کر دی" ———

(۱) حنفی اصولِ فقہ کی کتاب مسلم الثبوت پر

(۲) صحیح البخاری کے نصفِ اوّل پر

---

[1] امام احمد رضا: تجب العوارض مخدوم بہار، مطبوعہ لاہور

نوٹ:- راقم نے اپنے تحقیقی مقالے حیاتِ امامِ اہلِ سُنّت (مطبوعہ لاہور مبارکپور) میں تفصیل دی ہے (ص ۳۸-۴۰)

صحیح مسلم اور جامع ترمذی پر

شرح رسالہ قطبیہ پر

حاشیہ امورِ عامہ پر ——— اور

شمسِ بازغہ پر

اکثر حواشی اُس وقت لکھے جب کہ طالب علمی کے زمانے میں اپنے سبق کے لئے مطالعہ کرتا تھا ——— علاوہ ازیں

تیسیر شرح جامع صغیر پر

شرح چغمینی ——— اور

تصریح پر

اقلیدس کے تین مقالوں ——— اور

الزیج الاجد پر ——— اور

علامہ شامی کی رد المحتار پر بھی حواشی لکھے ——— اِن سب میں پچھلی یعنی ردّ المحتار کے حواشی سب سے زیادہ ہیں ——— مجھے اُمید ہے کہ اگر انہیں کتاب سے الگ کر دیا جائے تو دو جلدوں سے بڑھ جائیں گے حالانکہ ان پر اپنی دوسری کتابوں، اپنے فتاویٰ اور اپنی تحریرات کا حوالہ دے کر اشارات بھی کئے ہیں۔[1]

امام احمد رضا نے یہاں حاشیہ ردّ المحتار کا بطورِ خاص ذکر فرمایا ہے،

---

[1] امام احمد رضا: الاجازۃ المتینۃ لعلماء بکۃ والمدینۃ بحوالہ مذکور ص ۳۰۹

نوٹ: مولانا ہدایت رسول لکھنوی (م ۱۳۳۳ھ / ۱۹۱۵ء) امام احمد رضا کے حواشی پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں "اعلیٰ حضرت کے حواشی خود اُن کے افاضات و افادات سے ہوتے ہیں۔"

(محمد ظفر الدین رضوی: حیاتِ اعلیٰحضرت، مطبوعہ کراچی، ج ۱، ص ۱۳۸)

ویسے اب تک ملنے والے حواشی میں حاشیہ مسلم الثبوت، فواتح الرحموت [1] کا حاشیہ بھی کچھ کم ضخیم نہیں

امام احمد رضا کا حاشیہ تالیف نہیں تصنیف ہوتا ہے جبکہ دوسرے علماء کے حواشی میں تالیفی رنگ ہوتا ہے ۔۔۔ امام احمد رضا کے حواشی کا یہ خاص امتیاز ہے [2] ۔۔۔ جیسا کہ عرض کیا گیا حاشیہ ردّ المحتار امام احمد رضا کے حواشی میں خاص امتیاز رکھتا ہے ۔۔۔ حافظ کتب الحرم شیخ اسمٰعیل بن خلیل مکی اس کے منتظر نظر آرہے ہیں ۔۔۔ وہ امام احمد رضا کے نام اپنے ایک مکتوب (محررہ ۱۶ ذی الحجہ ۱۳۲۵ھ) میں تحریر فرماتے ہیں،

"حضرت کو معلوم ہے کہ میں ان تحریرات کا محتاج ہوں جو آپ نے حاشیہ ابن عابدین پر افادہ فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو محسنین میں شامل فرمائے! [3]

---

[1] شام کے ایک فاضل شیخ احمد عبد الحلیم اسماعیل دمشقی کے پاس یہ حاشیہ محفوظ تھا جو موصوف سے ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی نے حاصل کرکے اپنے کتب خانے میں محفوظ کرلیا ہے۔ فاضل موصوف نے سندھ یونیورسٹی کے شعبۂ علوم اسلامیہ میں ایک تحقیقی مقالہ پیش کیا تھا جس میں ایک دو مقامات پر امام احمد رضا کا ذکر بھی ہے ۔۔۔ علامہ محمد ظفر الدین رضوی نے بھی ۱۳۲۲ھ میں امام احمد رضا کا یہ حاشیہ مطالعہ فرمایا تھا جس کو علامہ بحر العلوم فرنگی محلی اور علامہ عبد الحق خیر آبادی کے حواشی سے بھی بہتر پایا ۔۔۔ اسی طرح صحیح البخاری کے حاشیے کو عمدۃ القاری، فتح الباری، ارشاد الساری وغیرہ تمام شروح سے افضل پایا ۔۔۔ فقیر مسعود

[2] جناب ایس ایم خالد الحامدی (لیکچرر شعبۂ عربی، جامعہ ملیہ یونیورسٹی، نئی دہلی) فنِ حدیث میں علمائے پاک و ہند کے حواشی پر برسوں سے کام کر رہے ہیں۔ موصوف کے پاس اس فن میں امام احمد رضا کے متعدد حواشی ہیں ۔۔۔ امام احمد رضا کے حواشی پر علامہ شمس بریلوی نے بھی کام کیا ہے۔ دو مجلدات شائع ہو چکی ہیں ۔۔۔ جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور میں بھی تفسیری حواشی پر کام ہوا ہے جو عرصہ ہوا شائع ہو چکا ہے ۔۔۔ فقیر مسعود

[3] امام احمد رضا: الاجازۃ المتینہ لعلماء بکۃ المدینہ، بحوالہ مذکور ص ۲۶۱

برادرم جناب محمود حسین بریلوی (لیکچرر شعبۂ اردو بریلی کالج، بریلی) نے مسلم یونیورسٹی، علیگڑھ سے پروفیسر ڈاکٹر عبد المنان (شعبۂ عربی) کی نگرانی میں عربی زبان و ادب میں امام احمد رضا کی خدمات پر ایم فل کے لیے وقیع مقالہ پیش کر کے ڈگری حاصل کر لی ہے — اسی طرح جناب محمد سمیع الدین صاحب (لیکچرر جونیئر کالج، حیدر آباد دکن) نے بھی "امام احمد رضا کی عربی شاعری" پر عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد دکن سے ایم فل کے لئے مقالہ قلمبند کیا ہے۔ اُمید ہے کہ اُن کو بھی ڈگری مل گئی ہوگی — پروفیسر حافظ محمد رفیق صاحب "امام احمد رضا کے عربی آثار" پر پنجاب یونیورسٹی، لاہور سے ڈاکٹریٹ کر رہے ہیں

امام احمد رضا کے عربی حواشی، شروح اور تصانیف کی تعداد دو سو سے متجاوز ہے — علمائے حرمین شریفین آپ کی عربی تصانیف کے منتظر رہتے تھے۔ چنانچہ سید محمد مامون الازرنجانی ثم المدنی امام احمد رضا کے نام ایک مکتوب (محررہ محرم ۱۳۲۶ھ) میں تحریر فرماتے ہیں:-

"اُمید ہے کہ آپ اپنی بعض عربی تالیفات ارسال فرمائیں گے۔"[1]

امام احمد رضا کے حاشیہ جد الممتار علی الرد المحتار کی شان یہ ہے کہ دورِ جدید کے فضلاء محققین دیکھ دیکھ کر حیران ہوئے جاتے ہیں۔ پاک و ہند کے مشہور محقق و فاضل اور سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کے شیخ وقت علامہ ابو الحسن زید فاروقی مجددی مدظلہ العالی نے جب حیدر آباد دکن میں پہلی مرتبہ یہ حاشیہ مطالعہ فرمایا تو حیران رہ گئے۔ آپ نے ایک ملاقات (دسمبر ۱۹۸۲ء کراچی) میں راقم سے فرمایا:-

[1] امام احمد رضا: الاجازۃ المتینۃ لعلماء بکۃ المدینۃ بحوالہ مذکور ص ۲۶۱

"مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے ردّ المحتار پر عربی حاشیہ جد الممتار کے چند اوراق دیکھے تو حیران رہ گیا —— جہاں صاحب ردّ المحتار ایک دو کتابوں کا ذکر کرتے ہیں، وہاں مولانا احمد رضا خاں آٹھ دس کتابوں کے حوالے دے ڈالتے ہیں" ——

ردّ المحتار سید محمد امین بن عمر عابدین حسنی الشامی (م ۱۱۹۸ھ) کا حاشیہ ہے جو انہوں نے علاؤالدین محمد علی بن علی محمد حصنفکی (م ۱۰۲۵ھ) کے حاشیہ ردّ المحتار پر لکھا ہے اور ردّ المحتار، محمد بن عبداللہ احمد غزی تمرتاشی (م ۹۳۹ھ) کی کتاب تنویر الابصار کا حاشیہ ہے —— امام احمد رضا نے ردّ المحتار کا حاشیہ جد الممتار تحریر فرمایا جو اپنی مثال آپ ہے، بظاہر یہ حاشیہ ہے لیکن حقیقت میں متن، شرح اور حاشیہ کا مجموعہ ہے۔ اس سے نہ صرف حدیث و فقہ بلکہ بکثرت علوم و فنون میں امام احمد رضا کی جلالت شان کا اندازہ ہوتا ہے —— فاضل جلیل محترم مولانا محمد احمد مصباحی زید لطفہ نے اس عظیم حاشیہ کا تعارف قلمبند فرما کر ایک اہم علمی فریضہ ادا کیا ہے، ایسے جلیل القدر حاشیہ کے تعارف کے لئے ایسے ہی جلیل القدر عالم کی ضرورت تھی —— مولانا محمد احمد مصباحی، الجامعۃ الاشرفیہ کے استاد، المجمع الاسلامی کے رکن اور دار العلوم فیض العلوم (محمد آباد، گوہنہ، اعظم گڑھ۔ بھارت) کے پرنسپل ہیں —— وہ محقق بھی ہیں، مصنف بھی ہیں، مدرس بھی ہیں، مقرر بھی ہیں اور قلمکار بھی، اُن کی کئی نگارشات منظر عام پر آچکی ہیں۔ جس سے اُن کے تبحر علمی، دینی و فقہی بصیرت اور دقت نظر کا اندازہ ہوتا ہے —— فاضل موصوف سے راقم کا برسوں سے غائبانہ تعارف ہے لیکن اب یہ

کیفیت ہوگئی ہے ؎

اے غائب از نظر کہ شدی، ہمنشین دلِ من

راقم، فاضلِ ممدوح کی عنایات و نوازشات پیہم کا تہہ دل سے ممنون ہے اور ان کے خلوص و للّٰہیت، عاجزی و انکساری سے متاثر ——— یہ خوبیاں علماء میں عنقا ہوتی جا رہی ہیں۔ مولا تعالیٰ مولانائے محترم کے علمی فیوض و برکات کو جاری و ساری رکھے۔ آمین!

مولانا محمد احمد مصباحی نے جدّ الممتار (جلد اوّل و جلد ثانی) کا جو تعارف کرایا ہے اس سے امام احمد رضا کی فقہی بصیرت و عظمت اور کتاب کی اہمیت کا تو اندازہ ہوتا ہی ہے مگر خود تعارف نگار کی علمی فضیلت کا بھی اندازہ ہوتا ہے ——— انہوں نے سمندر میں غوطہ زن ہو کر گوہر ہائے آبدار نکالے اور اس سلیقے سے سجائے کہ دیکھنے والے کا دل کھنچے بغیر نہیں رہ سکتا ——— جو فاضل بھی یہ تعارف مطالعہ کرے گا امام احمد رضا کے تبحرِ علمی اور حاشیہ نگاری میں کمال و مہارت کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہے گا، انشاء اللہ تعالیٰ! ———

جدّ الممتار مختلف خوبیوں سے مالا مال ہے ——— مولانا افتخار احمد قادری (رکن المجمع الاسلامی، مبارکپور) نے بھی جدّ الممتار (مطبوعہ حیدرآباد، دکن) کے مقدمے میں بعض خوبیوں کا ذکر فرمایا ہے[1] ——— مولانا محمد احمد مصباحی نے اختصار کے پیشِ نظر جدّ الممتار کے تعارف کے لئے مندرجہ ذیل عنوانات کا انتخاب فرمایا ہے اور ہر عنوان کا مختصراً تعارف کرایا ہے

- فکر انگیز تحقیق
- جزئیات کی فراہمی اور استخراج

---

[1] امام احمد رضا، جد الممتار علی الرد المحتار، مطبوعہ حیدرآباد دکن جلد اوّل ص ۴۳ - ۴۹

- لغزشوں پر تنبیہات
- حل اشکالات اور جواب اعتراضات
- فقہی تبحر اور وسعتِ نظر
- تحقیق طلب مسائل کی تنقیح
- مراجع کا اضافہ
- مشکلات و مُبہمات کی توضیح
- غیر منصوص احکام کا استنباط

علم حدیث میں کمال اور قوت استنباط و استدلال

دلائل کی فراہمی

- مختلف اقوال میں تطبیق
- مختلف اقوال میں ترجیح
- اُصول و ضوابط کی ایجاد
- مختلف علوم میں مہارت

ایجاز و اختصار

مولانا محمد احمد مصباحی نے جن مشکلات کا انتخاب فرمایا ہے اُن میں سے ہر ایک عنوان میں اتنی وسعت ہے کہ وہ ایک مقالہ ڈاکٹریٹ کا عنوان بن سکتا ہے اور ایک ضخیم مقالہ تیار ہو سکتا ہے —— یہ مبالغہ نہیں، امام احمد رضا کی شخصیت، ایک شخصیت نہیں بلکہ ایک جہاں اور ایک سمندر ہے جو یہاں آتا ہے گُم ہو جاتا ہے

جدّ الممتار کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام احمد رضا اس انداز سے تحقیق فرماتے ہیں کہ بات کی تہہ تک پہنچ جاتے ہیں، تاریک گوشوں کو

کو منوّر کر دیتے ہیں —— کبھی ایک اصل کے تحت جزئیات جمع کر دیتے ہیں، کبھی اصول کی روشنی میں نئے جزئیات کا استخراج کرتے ہیں جس سے وسعتِ فکر و نظر اور قوّتِ استنباط کا پتا چلتا ہے —— لغزشوں اور خطاؤں پر بھی گرفت کرتے ہیں مگر ادب کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے، بزرگوں کے حضور ہمیشہ جھکے رہتے ہیں اور اس حقیقت کو بخوبی جانتے ہیں کہ ؎

بے ادب محروم گشت از فضلِ ربّ

—— اُلجھی ہوئی گرہیں بڑی آسانی سے کھول دیتے ہیں —— فقہی تبحّر اور وسعتِ نظر کا حال نہ پوچھیے، اُن بلندیوں تک رسائی حاصل کر لیتے ہیں جہاں فقہا کی نظریں بھی نہ پہنچ سکیں —— جو حوالے صاحبِ درالمختار اور صاحبِ ردّ المحتار کی نظر سے رہ گئے، اُن حوالوں کا اضافہ کرتے ہیں —— جو مسائل علامہ شامی کی نظر میں واضح نہ تھے، اُن کو واضح کرتے چلے جاتے ہیں —— جدید مسائل میں کتاب و سنّت اور فقہائے کرام کے طے کردہ اصولوں کی روشنی میں احکام کا استخراج کر کے مُجتہد کی ضرورت کو چیلنج کرتے ہیں —— دورِ جدید میں وہی لوگ مُجتہد کی ضرورت پر زور دیتے ہیں جو اپنے علمی خزانے سے بے خبر ہیں، ایسے لوگ اجتہاد کی آڑ میں سلف سے فرار کا ایک بہانہ تلاش کرتے ہیں۔ امام احمد رضا نے نئے مسائل میں احکام کا استخراج کر کے بتا دیا کہ مُجتہد کی ضرورت نہیں البتہ علم فقہ پر بالغ نظری کی ضرورت ہے ——

جد الممتار کے مطالعہ سے نہ صرف علم فقہ بلکہ علم حدیث میں امام احمد رضا کی کمال مہارت کا پتا چلتا ہے۔ امام احمد رضا بخوبی اس حقیقت سے واقف ہیں کہ کہاں اور کس طرح ایک حدیث سے استفادہ کیا جا سکتا ہے ——

علامہ شامی نے جہاں بات بے دلیل چھوڑ دی، امام احمد رضا نے وہاں دلائل

کی تشنگی کو دور کر دیا اور کوئی بات بے دلیل نہ چھوڑی —— دلائل و شواہد کی فراہمی میں امام احمد رضا اپنی نظیر آپ تھے، وہ مولوی رشید احمد گنگوہی کی طرح راہِ فرار اختیار نہیں کرتے تھے بلکہ دلائل و براہین کا تعاقب کر کے ایک ایک دلیل کو مستفتی کے سامنے پیش کرتے تھے اور مستفتی کو مستغنی فرما دیتے تھے —— کوئی سائل، دلائل طلب بھی نہ کرے پھر بھی وہ نوازتے تھے اور بن مانگے عطا فرماتے تھے —— امام احمد رضا کے قلب و نظر میں ایسی پاکیزگی تھی کہ اگر مختلف اقوال میں کچھ اُلجھن ہے تو وہ تطبیق فرما کر اُلجھن دُور فرما دیا کرتے تھے —— یہ بات بڑی مہارت، جلاءِ قلب اور وسعتِ نظر سے حاصل ہوتی ہے —— اسی طرح مختلف اقوال میں سے کسی ایک قول کو دوسرے اقوال پر قواعد و اصول کے مطابق ترجیح دینا بھی کوئی آسان کام نہیں، یہ بات فکرِ رسا سے حاصل ہوتی ہے —— امام احمد رضا اس میدان میں بھی گوئے سبقت لے جاتے ہوئے نظر آتے ہیں —— اُن کی طبعِ ایجاد پسند نے نہ صرف منقولات بلکہ معقولات میں بھی نئے نئے اصول و قواعد منضبط کر کے اہلِ علم کو حیران کر دیا —— وہ اپنے عہد سے بہت آگے دیکھتے تھے، وہ اپنے زمانے سے بہت آگے چلتے تھے —— اُن کی سُرعتِ فکر اور اُفتادِ نظر ایک تحقیقی مقالے کی متقضی ہے —— جدّ الممتار میں امام احمد رضا کے علوم و فنون کی بہار بھی نظر آتی ہے اور یہ راز کھلتا ہے کہ فقہ صرف ایک علم نہیں بلکہ یہ تو بکثرت علوم و فنون کا "علم مجموعہ" ہے —— امام احمد رضا کو مختلف علمی مباحث کو پھیلانے اور سمیٹنے کی بھی حیرت انگیز قدرت تھی اور یہ بات جبھی پیدا ہوتی ہے جب مختلف علوم و فنون پر پورا پورا قابو ہو —— ایجاز و اختصار امام احمد رضا کے کلام کی وہ خصوصیت ہے جو اُن کو معاصرین میں ممتاز کرتی ہے، بعض اوقات

اُن کا ایک ورق پوری کتاب پر بھاری ہوتا ہے —— امام احمد رضا کی تصانیف اور حواشی و شروح کا مطالعہ کرنے والا قدم قدم پر دریا کو کوزے میں بند پائے گا —— المختصر امام احمد رضا کا حاشیہ جد الممتار علی الرد المحتار ایک علمی اعجوبہ ہے اور محشی کی فضیلتِ علمی پر حرفِ آخر —— پاکستان کے ایک غیر مقلد عالمِ دین مولوی نظام الدین احمد پوری کو امام احمد رضا کا رسالہ الفضل الموہبی دکھایا گیا تو وہ پھڑک گئے اور فرمایا :۔

" یہ سب منازلِ فہمِ حدیث مولانا کو حاصل تھے ؟ —— افسوس میں اُن کے زمانے میں رہ کر بے خبر و بے فیض رہا —— علّامہ شامی اور صاحبِ فتح القدیر مولانا کے شاگرد ہیں —— یہ تو امامِ اعظم ثانی معلوم ہوتے ہیں [۱]

ہندوستان کے مشہور عالم شاہ اولادِ رسول مارہروی (م ۱۳۷۲ھ) کے تاثرات سے مولوی نظام الدین احمد پوری کے خیالات کی تصدیق ہوتی ہے، وہ فرماتے ہیں :۔

" اعلیٰحضرت کو میں ابنِ عابدین شامی پر فوقیت دیتا ہوں کیونکہ جو جامعیت اعلیٰ حضرت کے ہاں ہے وہ ابنِ عابدین شامی کے ہاں نہیں " —— [۱]

احقر

محمد مسعود احمد

۱۶ محرم الحرام ۱۴۱۳ھ
۱۸ جولائی ۱۹۹۲ء

---

[۱] بروایت مخدومی حضرت حسن میاں مارہروی (۲۸ جولائی ۱۹۸۲ء، کراچی)

ادبیات

Marfat.com

ثنائے مصطفیٰ در اندازِ عبدِ مصطفیٰ

مؤلفہ: خواجہ اعجاز اشرف انجم نظامی

" خواجہ اشرف انجم نظامی صاحب جہلم کے نواح میں پنڈدادنخان میں محبتوں کے چراغ جلا رہے ہیں۔ اس سے قبل " افکارِ رضا" ــــ " امام احمد رضا دانشوروں کی نظر میں" لکھ چکے ہیں ــــ حال ہی میں زیرِ نظر مرتبہ " ثنائے مصطفیٰ در اندازِ امام احمد رضا" سامنے آئی ہے ــــ اِن دنوں " اشاریہ امام احمد رضا" کی ترتیب و تدوین میں ہمہ تن سرگرمِ عمل ہیں۔ ع

اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ

طاہر

نیاز فتح پوری

(پاک و ہند کے مشہور معروف دانشور اور صحافی)

"شعر و ادب میرا خاص موضوع اور فن ہے۔ میں نے مولانا بریلوی کا نعتیہ کلام بالاستیعاب پڑھا ہے۔ ان کے کلام سے پہلا تاثر جو پڑھنے والوں پر قائم ہوتا ہے وہ مولانا کے بے پناہ وابستگیٔ رسول عربی کا ہے۔ ان کے کلام سے ان کے بیکراں علم کے اظہار کے ساتھ افکار کی بلندی کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ مولانا کے بعض اشعار میں نعت مصطفوی (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اپنی انفرادیت کا دعویٰ بھی ملتا ہے جو ان کے کلام کی خصوصیات سے ناواقف حضرات کو شاعرانہ تعلی معلوم ہوتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ مولانا کے فرمودات بالکل حق ہیں۔ مولانا حسرت موہانی بھی مولانا احمد رضا خاں کی نعتیہ شاعری کے مداح و معترف تھے۔ مولانا حسرت موہانی اور مولانا بریلوی میں ایک شے قدر مشترک تھی اور وہ غوث الاعظم (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی ذات والا صفات جن سے دونوں کی گہری وابستگی تھی۔ مولانا حسرت موہانی کی زبان سے اکثر میں نے مولانا بریلوی کا یہ شعر سنا ہے ؎

تیری سرکار میں لاتا ہے رضا اس کو شفیع
جو مرا غوث ہے اور لاڈلا بیٹا تیرا

(نیاز فتحپوری۔ بحوالہ محمود احمد قادری۔ نیاز فتحپوری کے تاثرات۔ مطبوعہ ماہنامہ ترجمان اہلسنت۔ کراچی۔ نومبر دسمبر ۱۹۷۵ء ص ۲۸)

تقدیم

عزیز گرامی اعجاز اشرف انجم زید مجدہٗ کو ابھی تک دیکھا نہیں مگر اُن کے ذوق و شوق اور نفاست پسندی سے متاثر ضرور ہوں۔ لگن ہو تو منزل آسان ہو جاتی ہے۔ مولیٰ تعالیٰ اُن کے حوصلے اور بلند فرمائے۔

ع اللہ کرے مرحلۂ شوق نہ ہو طے ——!

امام احمد رضا کا نام نامی برصغیر پاک و ہند اور بنگلہ دیش میں عشق مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلّم کے حوالے سے جانا پہچانا جاتا ہے اور اب تو عالمی سطح پر اُن کا چرچا ہے۔ انہوں نے ایسی دھوم مچائی کہ سارا چمن چہچہانے لگا۔ غالبؔ نے اپنے لئے کہا تھا۔ ع

میں چمن میں کیا گیا گویا دبستاں کھُل گیا

یہ مصرع امام احمد رضا پر زیادہ صادق آتا ہے ——

امام احمد رضا نے نعت گوئی میں وہ کمال پیدا کیا کہ دل کھنچنے لگے اور شعراء اُسی رنگ میں رنگنے لگے۔ اُن کی زمینوں اور ردیف و قوافی میں شعر کہنے لگے —— اس سے امام احمد رضا کی اثر انگیزی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے —— عظیم شاعر اپنے زمانے کو متاثر کرتا ہے ع

ایّام کا مرکب نہیں راکب ہے قلندر

ادیبوں اور شاعروں کو غزلوں سے زیادہ شغف رہتا ہے، حمد و نعت تبرکاً کہتے ہیں۔ سارا دیوان دیکھ جایئے دیگر اصنافِ سخن کی فراوانی نظر آئیگی ——

حمد و نعت کہیں گے بھی تو بے کیف، جیسے دل سے نہ کہی ہو ـــــ امام احمد رضا نے غزل کو اتنا بلند کیا کہ نعت بنا دیا ـــــ مجازی محبوبوں سے نجات دلا کر سچے محبوب کی چوکھٹ پر لا کھڑا کر دیا ـــــ اردو ادب میں یہ اُن کا انقلابی قدم تھا۔

داغ دہلوی نے جب اُن کی نعت کا یہ مطلع سُنا

؎ وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
ترے دن اے بہار پھرتے ہیں

تو حسن بریلوی سے بے ساختہ کہا ـــــ "مولوی ہو کر اتنے اچھے شعر کہتا ہے!" ـــــ داغ کے اس ریمارکس سے ایک طرف امام احمد رضا کے شاعرانہ کمال کا اندازہ ہوتا ہے تو دوسری طرف مولویوں کے لئے داغ کی تنگ دلی کا بھی اندازہ ہوتا ہے ـــــ گویا "مولوی" ایک ایسی مخلوق ہے جس کا دل نہیں ہوتا؛ ـــــ امام احمد رضا نے اس خیالِ خام کو باطل کر کے رکھ دیا ـــــ اُن کی نظم و نثر کے آگے بڑے سے بڑے نظم نگار و نثر نگار نہیں ٹھہر سکتے ـــــ یہ صرف خیال ہی نہیں بلکہ حقیقت ہے ـــــ سچے نگینوں کے سامنے جھوٹے نگینے ماند پڑ جاتے ہیں۔

امام احمد رضا سچے شاعر تھے اور انہوں نے سچوں ہی کو پسند کیا۔ وہ جھوٹی شاعری سے الرجک تھے۔ انہوں نے شہیدِ جنگِ آزادی مولانا کفایت علی کافیؔ کی نعتوں کو پسند فرمایا اور اُن کو نعت گوئی کا بادشاہ قرار دیا، خود اُن کا وزیرِ اعظم ـــــ ۱۹۷۷ء میں صحرائے تھر کے ایک شہر مٹھی میں میرا تبادلہ ہوا ـــــ چاروں طرف ریت کے ٹیلے، دو سو برس پرانا ماحول، نہ سڑک نہ ٹریفک نہ بجلی نہ پانی ـــــ اونٹ قطار در قطار نظر آتے ـــــ انہیں دنوں کافیؔ

کی یہ نعت سامنے آئی جس کا ایک شعر ہے :- ؎

دشتِ طیبہ میں ترے ناقہ کے پیچھے پیچھے
دھجیاں جیب و گریباں کی اُڑاتے جاتے

کیا بتاؤں کہ پڑھتے ہی دل کا کیا حال ہوا۔ ماحول نے اس اثر کو دو چند کر دیا۔ آنکھوں سے آنسو اُبل پڑے، نہ معلوم کس دل سے اور کس جذبے سے شاعر نے یہ شعر کہا تھا ـــــ وہ کہتا ہے " اے محبوبِ ربّ العالمین! ـــــ اے مدینہ کے تاجدار! ـــــ اے دو عالم کے سردار! کاش ایسا بھی ہوتا کہ صحرائے مدینہ میں آپ اونٹ پر سوار جا رہے ہوتے اور میں پیچھے پیچھے دیوانہ وار اپنا دامن و گریباں تار تار کرتا ہوا دوڑے چلا جاتا ـــــ ہاں کاش ایسا بھی ہوتا "

امام احمد رضا نے مجاہدوں اور شہیدوں سے فیض حاصل کیا۔ اسی لئے اُن کی شاعری جاوداں ہو گئی ـــــ مشرق و مغرب جنوب و شمال جدھر دیکھئے اُن کا چرچا ہے اور جدھر سُنئے یہ آواز آرہی ہے : ؎

مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

امام احمد رضا کی شاعری پر گزشتہ بیس برسوں میں بہت کچھ لکھا گیا ہے ـــــ علامہ شمس بریلوی نے کلامِ رضا میں معانی و بیان اور صنائع و بدائع کو تلاش کیا ـــــ علامہ نصر اللہ خاں صاحب نے کلامِ رضا میں آیات و احادیث کے جلوے دکھائے ـــــ پروفیسر بشیر احمد قادری نے پنجاب یونیورسٹی میں کلامِ رضا پر ضخیم مقالہ قلمبند کیا ـــــ پروفیسر غیاث الدین قریشی (یو۔ کے) کلامِ رضا کے مذہبی عنصر پر برمنگھم یونیورسٹی سے ڈاکٹریٹ کر رہے ہیں ـــــ پروفیسر عبد السمیع صاحب امام احمد رضا کی عربی شاعری پر عثمانیہ یونیورسٹی سے

ایم اے کر رہے ہیں ـــــ پروفیسر محمد اسحاق قریشی نے پنجاب یونیورسٹی سے اپنے مقالۂ ڈاکٹریٹ میں امام احمد رضا کی عربی شاعری کا ذکر کیا ہے۔ ـــــ پروفیسر شاہد اختر کلکتہ یونیورسٹی سے کلامِ رضا پر ڈاکٹریٹ کر رہے ہیں ـــــ مولانا عبدالنعیم عزیزی کلامِ رضا کے نئے نئے تنقیدی زاویئے تلاش کر کے قارئین کو حیران کر رہے ہیں ـــــ شاعر لکھنوی احسان دانش اختر الحامدی، الٰہی بخش اعوان، وارث جمال وغیرہ نے کلامِ رضا پر مستقل مقالے لکھے ہیں اور مضامین لکھنے والوں کا تو کوئی شمار نہیں ـــــ اس میں شک نہیں کہ کلامِ رضا اس قابل ہے کہ اس کے مختلف پہلوؤں پر ریسرچ کی جائے۔[1]

ایک یہ پہلو تشنہ رہ گیا تھا ـــــ امام احمد رضا کی زمینوں میں اور ردیف و قوافی میں جن شعراء نے طبع آزمائی کی تھی اُن کا جائزہ نہیں لیا گیا تھا۔ اِس کمی کو فاضل نوجوان عزیزم اعجاز اشرف انجم نظامی نے پورا کر دیا۔ اُن کی محنت قابلِ داد ہے مگر یہ موضوع اپنے اندر بڑی وسعت رکھتا ہے۔ اُمید ہے کہ وہ مطالعہ جاری رکھیں گے اور نقشِ ثانی کو نقشِ اوّل سے زیادہ حسین و دل رُبا بنانے کی کوشش کریں گے۔

بایں ہمہ رنگ برنگ پھولوں کا یہ گلدستہ مشامِ جاں معطر کئے بغیر نہیں رہتا ـــــ اِس وقت خوشبوؤں کی ضرورت ہے۔ اس وقت روشنیوں کی ضرورت ہے ـــــ ذکرِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں خوشبوئیں بھی ہیں اور روشنیاں بھی ـــــ آیئے آپ کے ذکر و فکر سے متعفن فضاؤں کو مہکا دیں ـــــ آیئے آپ کے ذکر و فکر سے اندھیروں میں اجالا کر دیں

---

[1] مولانا مفتی محمد خان صاحب (لاہور) نے "سلام رضا کی تشریح کی ہے جو ۴۰۵ صفحات پر مشتمل ہے "جہانِ رضا" لاہور، ص ۶ ماہ مئی ۱۹۹۲ء - قادری

اعجاز اشرف انجم نظامی قابلِ مبارکباد ہیں کہ انہوں نے یہ کتاب مرتب کر کے خوشبوئیں اور روشنیاں پھیلائیں

فجزاھم اللہ احسن الجزاء

ع کرم کردی الٰہی زندہ باشی !

احقر
محمّد مسعود احمد
پرنسپل
گورنمنٹ ڈگری کالج اینڈ پوسٹ گریجویٹ
سٹڈی سنٹر
شکارپور روڈ ۔ سکھّر (سندھ)

۲۲ ربیع الاول ۱۴۱۱ھ
مطابق ۱۴ اکتوبر ۱۹۹۰ء

حافظ بشیر احمد غازی آبادی مرحوم

(پاکستان کے مشہور دانشور اور اخبار جنگ کے کالم نگار)

"ایک عام غلط فہمی یہ ہے کہ حضرت فاضل بریلوی نے نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم میں شریعت کی احتیاط کو ملحوظ نہیں رکھا۔ یہ سراسر غلط فہمی ہے جس کا حقائق سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ ہم اس غلط فہمی کی صحت کے لئے آپ کی ایک نعت نقل کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

کہہ لیگی سب کچھ ان کے ثنا خواں کی خامشی — چپ ہو رہا ہے کہہ کے میں کیا کیا کہوں تجھے
لیکن رضا نے ختم سخن اس پہ کر دیا — خالق کا بندہ، خلق کا آقا کہوں تجھے

"بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر" کی کیسی فصیح و بلیغ تائید ہے۔ جتنی بار پڑھئے کہ "خالق کا بندہ خلق کا آقا کہوں تجھے" دل ایمانی کیفیت سے سرشار ہوتا چلا جائے گا۔ بے شک جس کے لئے یہ زمین و آسمان پیدا کئے گئے وہ خدا کا محبوب ہے جسے اللہ تعالیٰ نے معراج کی عظمت سے نوازا جو شافع محشر ہے، یتیم عبد اللہ، آمنہ کا لال، وہ ساقی کوثر، وہ خاتم الانبیاء اور خیر البشر، وہ شہنشاہ کونین، وہ سرور کون و مکان، وہ تاجدار دو عالم جس کا سایہ نہ تھا۔ اُس کا ثانی ہو ہی نہیں سکتا۔ بیشک وہ خالق کا بندہ اور خلق کا آقا تھا۔"

(حافظ بشیر احمد غازی آبادی، جنگ (کراچی) بحوالہ 'اعلیٰ حضرت کی شاعری پر ایک نظر' از سید نور محمد قادری، مطبوعہ لاہور ۱۹۷۵ء، ص ۳۷)

تضمین سلامِ رضا

مؤلفہ: ڈاکٹر بشیر حسین ناظم

"ڈاکٹر بشیر حسین ناظم وزارت مذہبی امور، حکومتِ پاکستان اسلام آباد میں ڈائریکٹر ریسرچ ہیں۔ وہ صاحبِ علم و فضل ہیں اور اہلِ سنت و جماعت کے بے باک ترجمان ہیں۔ بہت ہی پُرگو شاعر ہیں۔ اُن کی شاعری میں بے ساختگی اور گہرائی ہے —— زیرِ تقدیم تضمین انہوں نے امام احمد رضا کے مشہور نعتیہ قصیدۂ سلامیہ پر لکھی ہے جو اپنی مثال آپ ہے —— یہ تضمین ابھی شائع نہیں ہوئی۔"

طاہر

پروفیسر ڈاکٹر فرمان فتحپوری

شعبۂ اُردو کراچی یونیورسٹی

علمائے دین میں نعت نگار کی حیثیت سے سب سے ممتاز نام مولانا احمد رضا خاں بریلوی کا ہے۔ مولانا احمد رضا خاں ۱۸۵۶ء مطابق ۱۲۷۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۹۲۱ء مطابق ۱۳۴۰ھ میں وفات پائی۔ اس لحاظ سے وہ مولانا حالیؔ، مولانا شبلیؔ، امیر مینائیؔ اور اکبر الٰہ آبادی وغیرہ کے ہمعصروں میں تھے۔ ان کی شاعری کا محورِ خاص آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زندگی و سیرت تھی۔ مولانا صاحبِ شریعت بھی تھے اور صاحبِ طریقت بھی۔ صرف نعت و سلام اور منقبت کہتے تھے اور بڑی دردمندی و دلسوزی کے ساتھ کہتے تھے۔ سادہ و بے تکلف زبان اور برجستہ و شگفتہ بیان ان کے کلام کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ ان کے نعتیہ اشعار اور سلام سیرت کے جلسوں میں عام طور پہ پڑھے اور سُنے جاتے ہیں۔ ان کا سلام ؎

مصطفٰے جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

بہت مقبول ہوا ہے۔ ایک نعت بھی جس کا مطلع ہے ؎

واہ کیا جود و کرم ہے شہِ بطحا تیرا
نہیں سُنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا

خاصی شہرت رکھتی ہے۔ مولانا احمد رضا خاں بریلوی کا دیوان "حدائقِ بخشش" کئی بار شائع ہو چکا ہے۔

(ڈاکٹر فرمان فتح پوری، اُردو کی نعتیہ شاعری، مطبوعہ لاہور ص ۸۶)

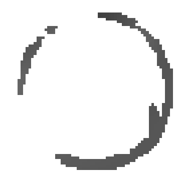
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

محترم المقام الحاج جناب بشیر حسین ناظم (ڈپٹی ڈائریکٹر جنرل، وزارتِ امور مذہبی، اسلام آباد) دل والوں کے حلقے میں جانے پہچانے ہیں ـــــ دس برس قبل اسلام آباد ہوٹل میں سیرت کانفرنس کے ایک اجلاس میں پہلی مرتبہ اُن کی زیارت ہوئی ـــــ اُن کی فقیرانہ وضع قطع اور قلندرانہ مزاج سے اندازہ نہ ہوتا تھا کہ وہ کوئی فاضل اور عظیم شاعر ہیں ـــــ نعت پڑھی، فقیر یہی سمجھا کہ کسی شاعر کی نعت پڑھی ہوگی ـــــ نعت بلند پایہ، سوز و گداز سے بھرپور ـــــ بیٹھے بیٹھے جب بات ہوئی تو معلوم ہوا کہ وہ وزارتِ امور مذہبی میں اسسٹنٹ ڈائریکٹر ہیں اور دو تین مضامین میں ایم اے ہیں ـــــ پھر بلدیہ راولپنڈی کی طرف سے کانفرنس کے مندوبین کے اعزاز میں ایک عشائیہ دیا گیا، یہاں بھی ناظم صاحب کو سننے کا اتفاق ہوا ـــــ بہت ہی خوب نعت پڑھی، دِل موہ لیا، اپنے قریب کر لیا، اپنا بنا لیا ـــــ

وہ بڑے لائق و فائق انسان ہیں ـــــ ایسے سخن گو و سخن سنج کہ سبحان اللہ، ماشاء اللہ! ـــــ اُن کا باطن، ظاہر سے اچھا ہے ـــــ اُن کا حال، قال سے اچھا ہے ـــــ کہتے بھی خوب ہیں اور پڑھتے بھی خوب ہیں ـــــ اُن کے فکر میں گہرائی ہے، اُن کے کلام میں گیرائی، اُن کی زمزمہ خوانی میں درد و سوز ہے ـــــ کبھی کبھی وہ ڈوب کر کہتے ہیں اور ڈوب کر پڑھتے ہیں ـــــ وہ باغ و بہار شخصیت کے مالک ہیں ـــــ ابرِ بہار بن کر کبھی اس شدّت سے برستے ہیں کہ کیچڑ ہو جاتا ہے ـــــ اُن کا راہوارِ گفتار جب سرپٹ دوڑتا ہے تو ہاتھ سے لگام چھوٹ جاتی ہے۔

وہ بُلبل کی طرح چہکتے ہیں، طوطی کی طرح باتیں کرتے ہیں، شیر کی طرح بپھرتے اور گرجتے ہیں ـــــ وہ اقبالؔ کے "جواں مرد" ہیں "حق گو" اور "بے باک" ـــــ مگر اُن کی بے باکی، حق گوئی سے دو قدم آگے ہے ـــــ وہ بڑی خوبیوں کے مالک ہیں، گدڑی میں لال ہیں ـــــ فقیر پر بڑا کرم فرماتے ہیں ـــــ اُن سے ملاقاتیں ہوتی رہتی ہیں ـــــ جولائی ۱۹۹۱ء میں پاکستان ہاؤس، مدینہ منوّرہ میں ملاقات ہوئی ـــــ سراپا محبّت و نیاز ـــــ خدا کرے وہ گرمیٔ عشق سے ہر بیت کو بالا کرتے رہیں ـــــ آمین! ـــــ ناظم صاحب نے اپنے رہوارِ فکر کی جولانیوں کے لئے امام احمد رضا کا قصیدۂ سلامیہ منتخب فرمایا ہے ـــــ سُبحان اللہ، ماشاءاللہ! ـــــ



امام احمد رضا نعت گوئی میں اپنی نظیر آپ تھے، قصیدہ گوئی میں بھی اُن کا جواب نہ تھا ـــــ امام احمد رضا نے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت میں قصائد کہے یا علمائے حق اور مشائخ طریقت کی منقبت میں ـــــ اُن کے اُردو قصائد، قصیدۂ سلامیہ، قصیدۂ معراجیہ، قصیدۂ نوریہ وغیرہ جناب تاجدارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت و ثنا میں شہرۂ آفاق قصائد ہیں ـــــ فاضلِ جلیل شاہ فضل رسول بدایونی کی مدح میں اُن کے عربی حمائد فضل رسول اور محامدِ فضل رسول اور اُن کے صاحبزادے حضرت شاہ عبدالقادر بدایونی کی منقبت میں اُن کا فارسی قصیدہ چراغِ انس قابلِ مطالعہ ہیں ـــــ

امام احمد ر[illegible]ا کا قصیدۂ سلامیہ اتنا مشہور و مقبول ہوا کہ آج دُنیا کے گوشے گوشے میں جہاں ا[illegible] بلنے والے پہنچ چکے ہیں، یہ پڑھا جاتا ہے اور پاک و ہند

کے گلی کوچے تو اس کی گونج سے گونج رہے ہیں ـــــ

مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

فقیر نے مدینہ منورہ کی محافلِ نعت میں یہ سلام سُنا، مسجد نبوی شریف میں مواجہ شریف میں سُنا اور خود فقیر نے بھی یہی سلام پیش کیا ـــــ سُبحان اللہ! یہ سلام کیف و سرور سے تو معمور ہے ہی مگر مدینہ منورہ میں اس کو سُن کر اور پڑھ کر کیف و سرور میسر آیا، وہ کس زبان سے بیان کروں؟ ـــــ اللہ اللہ

؎ کھنچی ہے سامنے تصویر یار کیا کہنا!

کاش کوئی دل والا اس قصیدے کی شرح لکھتا! ـــــ قصیدہ کیا ہے سیرتِ مصطفےٰ ہے صلی اللہ علیہ وسلم ـــــ ایک ایک شعر آیات و احادیث کا امین ـــــ اے کاش کوئی اشعار کے چہروں سے گھونگٹ اُٹھائے ـــــ افغانستان کی عبوری حکومت کے چیف جسٹس محدثِ جلیل علامہ محمد نصر اللہ خاں صاحب مدظلہٗ العالی نے اس قصیدے سے متعلق بعض احادیث کی نشاندہی کی ہے[ھ] ـــــ برمنگھم یونیورسٹی (انگلستان) کے ریسرچ اسکالر پروفیسر غیاث الدین قریشی نے عرصہ ہوا اس قصیدہ کا انگریزی میں ترجمہ کیا تھا جو رضا اکیڈمی (اسٹاک پورٹ) کے صدر حاجی محمد الیاس صاحب نے شائع کر دیا، پروفیسر موصوف نے امام احمد رضا کے نعتیہ دیوان حدائقِ بخشش کی اکثر نعتوں اور نظموں کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے جو اسلامک ٹائمز (اسٹاک پورٹ) میں برابر شائع ہو رہا ہے۔

ھ۔ مولانا مفتی محمد خاں صاحب (لاہور) نے اس قصیدۂ سلامیہ کی تشریح کی ہے جو ۴۵۰ صفحات پر محیط ہے۔ ادارہ نے ان کی اشاعت کے لئے ان سے [illegible] کیا ہے۔ قادری

امام احمد رضا کا یہ قصیدۂ سلامیہ اتنا مقبول ہوا کہ بہت سے شعراء نے اس پر طبع آزمائی کی، اس زمین پر سلام لکھے اور اس کی ردیف "لاکھوں سلام" کو اپنی نظموں میں باندھا، اس پر تضمینیں لکھیں ——— امام احمد رضا کے صاحبزادے مفتیِ اعظم ہند محمد مصطفےٰ رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ نے قصیدے کی ردیف کو کس خوبی سے باندھا ہے، آپ بھی چند بند ملاحظہ فرمائیں :-

آپ کا چاہا، ربّ کا چاہا   ربّ کا چاہا، آپ کا چاہا
ربّ سے ایسی چاہت والے   تم پہ لاکھوں سلام
تم پہ لاکھوں سلام

ڈگمگ ڈگمگ نیاّ ہالے   جیرا کانپے تو ہی سنبھالے
آہ دھائی رحمت والے   تم پہ لاکھوں سلام
تم پہ لاکھوں سلام

راجا پرجا آپ کے دوارے   سب ہیں بیٹھے جھولی پسارے
داتا پیارے دولت والے   تم پہ لاکھوں سلام
تم پہ لاکھوں سلام

اپنے پرائے آپ کے در سے   نعمتیں پائیں جھولیاں بھر کے
اللہ اللہ سخاوت والے   تم پہ لاکھوں سلام
تم پہ لاکھوں سلام

امام احمد رضا کے قصیدۂ سلامیہ پر تضمین کہنے والوں میں سید محفوظ علی صابر القادری بریلوی قابلِ ذکر ہیں۔ یہ تضمین اُن کے مجموعۂ کلام ارمغانِ حق (مطبوعہ راولپنڈی ۱۹۸۰ء) میں شامل ہے۔ سید صاحب موصوف صفیؔ لکھنوی کے تلمیذ اطہرؔ لکھنوی کے شاگرد ہیں ——— بریلی کے خاندانِ سادات سے

تعلق رکھتے ہیں۔ امام احمد رضا کا زمانہ پایا اور اُن کا بچپن اور نو عمری کا زمانہ امام احمد رضا کے سامنے گزرا، اسلام آباد سے بیس میل دُور واہ کینٹ میں قیام پذیر تھے ـــــــ دوسری قابلِ ذکر تضمین طوطیٔ چمنستانِ رسالت جناب بشیر حسین ناظم کی ہے جو واہ کینٹ سے کچھ فاصلے پر اسلام آباد میں رونق افروز ہیں ـــــــ اس تضمین کی شانِ نزول یہ ہے کہ ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی کے بانی و صدر محترم سید ریاست علی قادری زید مجدہا[۱] نے ناظم صاحب سے فرمایا کہ امام احمد رضا کے قصیدۂ سلامیہ پر شعراء نے تضمینیں لکھی ہیں مگر پورے سلام پر کسی نے تضمین نہیں لکھی، آپ پورے سلام پر تضمین لکھیں، بس پھر کیا تھا، ناظم صاحب کو جوش آگیا اور ایک ہی رات میں ۳۰ بندوں پر مشتمل ایک تضمین لکھ ڈالی۔ پھر جوش و خروش بڑھتا ہی گیا اور سات روز کے اندر اندر ۱۶۸ بندوں پر مشتمل ایک طویل و عریض تضمین لکھ ڈالی ـــــــ اس سے ناظم صاحب کی حیرت انگیز قدرتِ کلام کا اندازہ ہوتا ہے ـــــــ

تضمین کہنا آسان نہیں، کامیاب تضمین کہنے کے لئے دل میں دل ڈالنا پڑتا ہے ـــــــ کسی کے قدم سے قدم ملانا، کسی کے مُرغِ فکر کے ساتھ ساتھ اُڑنا ـــــــ کسی کے سمندر میں غوطے لگانا ـــــــ کسی کے جہانِ خیال کی سیر کرانا ـــــــ کسی کے درخت میں پھل لگانا اور کسی کے گلشن میں اپنے پھول سجانا اتنا آسان نہیں ـــــــ تضمین میں مرغِ فکر پابند ہو جاتا ہے۔ مرغِ فکر کو قفس میں اس طرح بند کرنا کہ حسنِ پرواز میں فرق نہ آئے، بڑا مشکل کام ہے ـــــــ مرغِ فکر آزاد ہی بھلا معلوم ہوتا ہے، پنجرے میں بند کیا جائے تو کبھی کبھی پھڑپھڑانے لگتا ہے

---

[۱] سید ریاست علی قادری صاحب کا ۳ جنوری ۱۹۹۲ء کو اسلام آباد میں انتقال ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ اپنے جوارِ رحمت میں ان کو جگہ عطا فرمائے (آمین) ـ قادری

بشیر حسین ناظم صاحب اور سید محفوظ علی صابر القادری کی تضمینیں فقیر کے سامنے ہیں ــــ دونوں حضرات کی تضمینوں میں بلندیاں جھولتی ہوئی نظر آتی ہیں ــــ کبھی اس طرف۔ کبھی اُس طرف ــــ پھر یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ ناظم صاحب اسلام آباد میں اور صابر القادری واہ کینٹ میں ــــ گویا ایک اِس طرف اور دوسرا اُس طرف ــــ نہ معلوم ان دونوں حضرات میں آپس میں تعارف ہے یا نہیں، تضمین کے ایک بند سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ صابر القادری سے تعارف ہو یا نہ ہو، اُن کے کلام سے ضرور تعارف ہے، دونوں حضرات کی تضمین کا ایک ایک بند ملاحظہ فرمائیں:

بشیر حسین ناظم

عارفہ، عالمہ، عاقلہ، طاہرہ ــ شاکرہ، فائزہ، عاکفہ، طاہرہ
حافظہ، قاریہ، عابدہ، طاہرہ ــ سیدہ، زاہرہ، طیبہ، طاہرہ
جانِ احمد کی راحت پہ لاکھوں سلام

سید محفوظ علی صابر القادری

حامدہ، عابدہ، زاہدہ، ساجدہ ــ صابرہ، ذاکرہ، شاکرہ، عارفہ
عاطفہ، عادلہ، صادقہ، صالحہ ــ سیدہ، زاہرہ، طیبہ، طاہرہ
جانِ احمد کی راحت پہ لاکھوں سلام

الحاج محمد حنیف قادری مجاہد بریلوی نے امام احمد رضا کی منظوم سیرت لکھی ہے (مطبوعہ لاہور) اسی کے ساتھ مکمل قصیدۂ سلامیہ بھی شامل کیا ہے۔ اس میں مندرجہ ذیل اشعار ہیں، غالباً یہ اشعار بشیر حسین ناظم صاحب کے زیرِ مطالعہ دیوان حدائق بخشش میں شامل نہیں ہوں گے ــــ امام احمد رضا کے کلام کا کوئی مستند نسخہ ملے تو حقیقتِ حال معلوم ہو۔ فقیر سکھر میں مسافرانہ

بسر کر رہا ہے، یہاں کتابوں کا ذخیرہ نہیں اس لئے حتمی طور پر کچھ کہنا ممکن نہیں، بہرحال قصیدۂ سلامیہ کے وہ اشعار جو بشیر حسین ناظم صاحب کی تضمین میں شامل نہیں، یہ ہیں :-

۱۔ لخت لخت دل ہر جگر چاک سے — شانہ کرنے کی حالت پہ لاکھوں سلام
۲۔ دور و نزدیک کے سننے والے وہ کان — کانِ لعلِ کرامت پہ لاکھوں سلام
۳۔ اولیں دافعِ اہلِ رفض و خروج — چاری رکنِ ملت پہ لاکھوں سلام
۴۔ شیرِ شمشیر زن شاہِ خیبر شکن — پرتو دستِ قدرت پہ لاکھوں سلام
۵۔ ماحیِ رفض و تفضیل نصب و خروج — حامیِ دین و سنت پہ لاکھوں سلام
۶۔ شافعی، مالک، احمد، امام حنیف — چار باغِ امامت پہ لاکھوں سلام
۷۔ کاملانِ طریقت پہ کامل درود — حاملانِ شریعت پہ لاکھوں سلام

(ص ۱۴، ۱۹)

بشیر حسین ناظم اور صابر القادری کی تضمینوں میں امام احمد رضا کے بعض اشعار کے متون میں بھی فرق ہے، مثلاً یہ اشعار

ناظم ۱۔ نرمیِ خوئے سنیت پہ دائم درود
گرمیِ شانِ شوکت پہ لاکھوں سلام

صابر ۱۔ نرمیِ خوئے سنیت پہ دائم درود
گرمیِ شانِ سطوت پہ لاکھوں سلام

ناظم ۲۔ ترجمانِ نبی، ہم زبانِ نبی
جانِ نثارِ رسالت پہ لاکھوں سلام

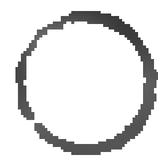
صابر ۲۔ ترجمانِ نبی، ہم زبانِ نبی
جانِ شانِ عدالت پہ لاکھوں سلام

ناظمؔ ۳۔ زاہدِ مسجدِ احمدی پر درود
دولتِ عیش و عسرت پہ لاکھوں سلام

صابرؔ ۳۔ زاہدِ مسجدِ احمدی پر درود
دولتِ جیش عسرت پہ لاکھوں سلام

ناظمؔ ۴۔ جس کے ماتھے شفاعت کا سہرا رہا
اُس جبینِ شفاعت پہ لاکھوں سلام

صابرؔ ۴۔ جس کے ماتھے شفاعت کا سہرا رہا
اُس جبینِ سیادت پہ لاکھوں سلام



اب ہم اپنے قارئین کو انتظار میں نہیں رکھتے اور دونوں شعراء یعنی صابر القادری
اور بشیر حسین ناظمؔ کی تضمینوں سے چند منتخب بند پیش کرتے ہیں ع
آفتاب آمد دلیلِ آفتاب
کن کن خوبیوں کو گنایا جائے، ہر بند پیکرِ حسن و جمال معلوم ہوتا ہے،
آیئے اس حسن و جمال کا بھی نظارہ فرمائیں:۔

ناظمؔ ۱۔
جس کے جلووں سے روشن ہے خلدِ بریں جس کا دارین میں کوئی ثانی نہیں
وہ وقارِ جناں، شاہِ روئے زمیں عرش تا فرش ہے جس کے زیرِ نگیں
اُس کی قاہر ریاست پہ لاکھوں سلام

صابرؔ ۱۔
جس نے پایا لقب سیّد المرسلین شافع المذنبین، راحت العاشقین

اللہ اللہ وہ لامکاں کا مکیں ؛ عرش تا فرش ہے جس کے زیرِ نگیں
اُس کی قاہر ریاست پہ لاکھوں سلام

ناظم ۲۔

دُرِّ شہوارِ قُدرت پہ نوری درود ؛ طیبِ گُل زار قدرت پہ نوری درود
شرحِ اسرارِ قدرت پہ نوری درود ؛ شرقِ انوارِ قدرت پہ نوری درود
فتق از ہار قربت پہ لاکھوں سلام

صابق ۲۔

رازِ اسرارِ وحدت پہ غیبی درُود ؛ زینِ عرشِ مُعلّیٰ پہ عرشی دُرود
زیبِ خُلدِ بریں پر بہشتی دُرود ؛ شرقِ انوارِ قدرت پہ نوری دُرود
فتق از ہار قربت پہ لاکھوں سلام

ناظم ۳۔

تاجداروں کے داتا پہ بے حد دُرود ؛ بے سہاروں کے مولا پہ بے حد دُرود
غمزدوں کے مداوا پہ بے حد درُود ؛ ہم غریبوں کے آقا پہ بے حد دُرود
ہم فقیروں کی ثروت پہ لاکھوں سلام

صابق ۳۔

ہم مریضوں کے عیسیٰ پہ بے حد دُرود ؛ ہم گداؤں کے داتا پہ بے حد دُرود
ہم غلاموں کے مولیٰ پہ بے حد درُود ؛ ہم غریبوں کے آقا پہ بے حد دُرود
ہم غریبوں کی ثروت پہ لاکھوں سلام

ناظم ۴۔

چادریں نیکیوں کی دمادم سلیں ؛ نعمتیں جس کے آنے سے سب کو ملیں
جس کی آمد سے طغیاں کی چولیں ہلیں ؛ جس کے جلوے سے مرجھائی کلیاں کِھلیں
اُس گُلِ پاک منبت پہ لاکھوں سلام

صابر ۴۔

فیضِ اعجاز سے جس کے مُردے جیئں
دیں گواہی، رسالت کا کلمہ پڑھیں
جس کے نورِ تبسّم سے روتے ہنسیں
جس کے جلووں سے مرجھائی کلیاں کھلیں
اُس گلِ پاک منبت پہ لاکھوں سلام

ناظم ۵۔

نورِ حق حمدِ خلّاق کرتا رہا
حُجلۂ ناز میں خوب پلتا رہا
بہرِ عفوِ خلائق مچلتا رہا
جس کے ماتھے شفاعت کا سہرا رہا
اُس جبینِ شفاعت پہ لاکھوں سلام

صابر ۵۔

جس کے ماتھے وجاہت کا سہرا رہا
جس کے ماتھے صدارت کا سہرا رہا
جس کے ماتھے رسالت کا سہرا رہا
جس کے ماتھے شفاعت کا سہرا رہا
اُس جبینِ سیادت پہ لاکھوں سلام

ناظم ۶۔

مغفرت کی جرس چار جانب بجی
راستی آگئی، مٹ گئی ہر کجی
جن کے آنے سے بزمِ رسالت سجی
جس کے سجدے کو محرابِ کعبہ جُھکی
اُن بھوؤں کی لطافت پہ لاکھوں سلام

صابر ۶۔

قسمتِ عرش جس سے جن کے کھلی
وقر و صولت ملی، عزّ و سطوت بڑھی
جن کے قدموں میں کرسئ رفعت بچھی
جس کے سجدے کو محراب کعبہ جُھکی
اُن بھوؤں کی لطافت پہ لاکھوں سلام

ناظم ۷۔

محتـــرم آگیا، محتشم آگیا
مالکِ خشک وتر، رشکِ جم آگیا
لے کے پیغام اب حـــرم آگیا
جس طرف اُٹھ گئی دم میں دم آگیا
اُس نگاہِ عنایت پہ لاکھوں سلام

صابر ۷۔
ہر کس و ناکس و ناسزا و سزا
اُس کے ذوق لطافت سے ہے آشنا
داروئے درد دل، روحِ جانِ شفا
جس طرف اُٹھ گئی، دم میں دم آگیا
اُس نگاہِ عنایت پہ لاکھوں سلام

ناظم ۸۔
جس کے دیدار سے غم ٹھکانے لگے
جس کے عرفان سے وجد آنے لگے
جس سے فانوسِ دل جھلملانے لگے
جس سے تاریک دل جگمگانے لگے
اُس چمک والی رنگت پہ لاکھوں سلام

صابر ۸۔
جس سے باغِ جناں لہلہانے لگے
جس سے کلیوں کے رُخ جُھمجھانے لگے
جس سے نصرت کے گُل کِھلکھلانے لگے
جس سے تاریک دل جگمگانے لگے
اُس چمک والی رنگت پہ لاکھوں سلام

ناظم ۹۔
دولتِ بے بہا، عشقِ شاہِ حرم
ذاتِ نور قدم، عاصیوں کا بھرم
بیکسوں کا عصا، دستِ شاہِ اُمم
ساق اصل قدم، شاخِ نخلِ کرم
شمعِ راہِ اصابت پہ لاکھوں سلام

صابر ۹۔
دستِ قدرت کا رنگیں نگارش قلم
قوتِ بازوئے قصر جود و نعم

الغرض کسی سے ہو وصفِ پاک اتم ساقِ اصل قدم، شاخِ نخلِ کرم
شمعِ راہِ اصابت پہ لاکھوں سلام

ناظم ۱۰۔

گیت صلِّ وسلّم کا گاتی صدا صرصراتی جگمگاتی صدا
دل کو لگتی ہوئی، من کو بھاتی صدا وہ چقاچق خنجر سے آتی صدا
مصطفیٰ تیری صولت پہ لاکھوں سلام

صابر ۱۰۔

رزم گہ میں دلیروں کا وہ جمگھٹا پیشوا سب کے سرورِ کلِّ انبیاء
آن میں گھمسان کا جس گھڑی رن پڑا وہ چقاچق خنجر سے آتی صدا
مصطفیٰ تیری صولت پہ لاکھوں سلام

ناظم ۱۱۔

جس سے تازہ ہوا گلشنِ اولیاء جس کا ہر قول مامنِ اولیاء
جس سے پھولا پھلا گلبنِ اولیاء جس کی منبر بنی گردنِ اولیاء
اُس قدم کی کرامت پہ لاکھوں سلام

صابر ۱۱۔

جبّہ سائی جہاں کرتے ہیں اتقیاء جس کے دریوزہ گر اسخیاء، اغنیاء
جس کے در پر جھکاتے ہیں سر اصفیاء جس کی منبر ہوئی گردن اولیاء
اُس قدم کی کرامت پہ لاکھوں سلام

ناظم ۱۲۔

نعت گویانِ نامی کہیں ہاں رضا شاعرانِ گرامی کہیں ہاں رضا
کعب و حسّانؓ و جامی کہیں ہاں رضا مجھ سے خدمت کے قدسی کہیں، ہاں رضا
مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

صابر ۱۲۔

ہو نگاہوں میں نورِ حبیب خدا | ہر زبان پہ ہو صلِّ علیٰ مرحبا
صابر قادری ہو شریکِ صدا | مجھ سے جنت کے قدسی کہیں ہاں رضا

حق نما نورِ وحدت پہ لاکھوں سلام
مرحبا شانِ رفعت پہ لاکھوں سلام
دل فزا نازِ فرحت پہ لاکھوں سلام
مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام
شمعِ بزمِ ہدایت پہ لاکھوں سلام

آپ نے شاعرِ خوش نوا جناب بشیر حسین ناظم کا کلام جانفزا سنا ——— اُن کے فکر کی جولانیاں دیکھیں ——— اُن کے خیال کی بلندیاں دیکھیں ——— اُن کے الفاظ و حروف کی روانیاں دیکھیں۔ ——— اُن کی خلوتوں کی حیرانیاں دیکھیں ——— اُن کی جلوتوں کی جلوہ ریزیاں دیکھیں ——— ہاں جب فکر و خیال اس دربارِ بیکس نواز میں حاضر ہوتے ہیں۔ دل کی دنیا ہی بدل جاتی ہے ——— جذبات کا ایک سیلاب اُمنڈنے لگتا ہے ——— دل و دماغ کے روزن کھل جاتے ہیں ——— فکر و خیال کو بال و پر مل جاتے ہیں۔ ——— الفاظ و حروف صف بہ صف کھڑے ہو جاتے ہیں ——— جس کے حضور فرشتے صف بہ صف کھڑے ہوں، اُس کے لئے الفاظ و حروف صف بہ صف کیوں نہ کھڑے ہوں؟ ——— جوشِ جنوں میں وہ بھی بولنے لگتے ہیں ——— اُن کو بھی زبان مل جاتی ہے ——— اے کاش! جانِ حزیں جانِ جاں کے خیال میں مست و بے خود رہے ——— اے کاش! دلِ غمگین، مکینِ لامکاں کے دردِ محبت میں تڑپتا رہے ———

یارب! نفسِ شرار، بیزم بخشند
یارب! مژہ ہائے دجلہ ریزم بخشند
بے سوزِ غمِ عشق مبادا زنہار
جانے کہ بہ روزِ رستخیزم بخشند
آمین!

احقر

محمد مسعود احمد عفی عنہ

۱۰؍ جمادی الثانی ۱۴۱۲ھ
۱۷؍ دسمبر ۱۹۹۱ء

امام احمد رضا کی نثر نگاری

مؤلفہ، مولانا عبد النعیم عزیزی

"مولانا عبد النعیم عزیزی سابق مدیر ماہنامہ سنّی دُنیا، بریلی شریف ایک معروف محقق ہیں۔ رضویات کے حوالے سے ان کی تحریریں معارف رضا کراچی کے علاوہ ماہنامہ اعلیٰحضرت، بریلی شریف، ماہنامہ استقامت" کانپور اور سنّی دُنیا، بریلی شریف میں اکثر و بیشتر شائع ہوتی رہتی ہیں ——— "کلامِ رضا کے نئے تنقیدی زاویے" میں ایک نئے زاویۂ نظر سے متعارف کرایا گیا ہے ——— علاوہ ازیں "طنزیاتِ رضا"۔ "وہابیائی اردو" اور زیرِ تقدیم "امام احمد رضا کی نثر نگاری" ان کی تحقیق کے بیّن ثبوت ہیں ——— انہوں نے "مسعود ملت اور امام احمد رضا" ایک طویل مقالہ لکھا ہے۔ جو اسی مجموعے کی زینت ہے ——— "مسعود ملت ——— فکر و فن" کے حوالے سے ڈاکٹریٹ کا ارادہ رکھتے ہیں۔

طاھر

ڈاکٹر حامد علی خاں

(ایم۔ اے، پی۔ ایچ۔ ڈی)

ریڈر شعبۂ عربی، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ (بھارت)

"امام احمد رضا نہایت بلند مرتبہ صاحبِ قلم تھے اور بے شک و شبہ اپنے عہد کے لاثانی صاحبِ تصنیف و تالیف تھے ــــ آپ کی زود نویسی، برجستہ تحریر اور تصنیفی استعداد کی اعلیٰ صلاحیت یہ تھی کہ آپ نے برسوں کا کام دنوں میں اور مہینوں کا کام گھنٹوں میں بہ اسلوب حسن انجام دے کر فضلائے وقت کو انگشت بدنداں کر دیا۔"

(امام احمد رضا، اربابِ علم و دانش کی نظر میں، ص ۱۱۸)

پروفیسر ڈاکٹر افتخار اعظمی

(استاد شعبۂ اردو، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ)

"احمد رضا خاں بریلوی کے مسلک سے اختلاف ممکن ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ غیر معمولی ذہین اور متبحر عالم تھے۔ وہ عالمِ دین کی حیثیت سے زیادہ مشہور ہوئے۔ اس لئے ان کی شاعرانہ تخلیقات کی طرف بہت کم توجہ دی گئی۔ حالانکہ ان کا نعتیہ کلام اس پایہ کا ہے کہ انہیں طبقۂ اولیٰ کے نعت گو شعراء میں جگہ دی جانی چاہیئے۔ انہیں فن اور زبان پر پوری قدرت حاصل ہے۔ ان کے یہاں تصنع اور تکلف نہیں بلکہ بے ساختگی ہے۔ کیونکہ رسولِ پاک (علیہ الصلوٰۃ والسلام) سے انہیں بے پناہ محبت اور عقیدت تھی۔ اس لئے ان کا نعتیہ کلام شدتِ احساس کے ساتھ ساتھ خلوصِ جذبات کا آئینہ دار ہے۔"

(افتخار اعظمی: ارمغانِ حرم، ص ۱۳، بحوالہ مولانا احمد رضا خاں کی نعتیہ شاعری از ملک شیر محمد خان اعوان۔ مطبوعہ لاہور، ۱۹۳۷ء، ص ۱۷)

باسمِ ربّ محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم

امام احمد رضا نے کہا تھا ع

جس سمت آگئے ہو سکے بٹھا دیئے ہیں

غلط نہ کہا تھا ـــــ جو کچھ کہا تھا، سچ کہا تھا ـــــ محققین نے جانچا، ادب شناسوں نے پرکھا، دانشوروں نے دیکھا ـــــ سب حیران رہ گئے ـــــ امام احمد رضا کو زبان و بیان پر حیرت انگیز قدرت حاصل ہے۔ الفاظ و حروف اُن کے حضور پرا باندھے نظر آتے ہیں ـــــ خیالات، الفاظ کے سانچوں میں ڈھلتے چلے جاتے ہیں ـــــ وہ باتیں بنا بنا کر نہیں لکھتے ـــــ اُن کے فکر و خیال سے فوارے پھوٹتے ہیں ـــــ اُن کی ادبی نگارشات میں پھوار کی سی ٹھنڈک ہے، پھولوں کی سی مہک ہے، ستاروں کی سی چمک ہے ـــــ وہ حیرت انگیز سُرعت کے ساتھ سوچتے چلے جاتے ہیں اور حیرت انگیز رفتار کے ساتھ لکھتے چلے جاتے ہیں ـــــ جب اُن کا مُرغِ فکر پرواز کرتا ہے تو وہ قاری کو حیران کرتے چلے جاتے ہیں ـــــ جب طنز و ظرافت پر آتے ہیں تو دل و دماغ میں گُدگُدیاں کرتے چلے جاتے ہیں ـــــ جب وہ درد و سوز کی باتیں کرتے ہیں تو رُلاتے چلے جاتے ہیں ـــــ جب فکر و تدبّر کی بات کرتے ہیں، دامنِ دل کھینچتے نظر آتے ہیں ـــــ اُن کے ادب میں بے ادبی نہیں ـــــ اُن کے فکر و خیال میں غفلت نہیں ـــــ اُن کا رنگ سب رنگوں سے اچھا ہے ـــــ امام احمد رضا نے اردو نثر کو اپنے فکر و خیال سے مالا مال کیا ـــــ یہ ایک سمندر ہے جو موتیوں سے بھرا ہوا ہے، یہ ایک گلشن ہے جو پھولوں سے مہکا ہُوا ہے ـــــ

اب تک ہم نے امام احمد رضا کے علوم و فنون کی بات کی، اُن کی شاعری اور فتویٰ نویسی کی بات کی —— عربی و فارسی اور اُردو میں اُن کی نثر نگاری کی بات نہ کی —— عرصہ ہُوا ادارہ تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی کے بانی و صدر مولانا سید ریاست علی قادری علیہ الرحمہ نے امام احمد رضا کی نثر نگاری پر ایک مختصر کتاب مرتب کی تھی، ضرورت تھی کہ ادب کا کوئی نبض شناس اِس موضوع پر قلم اٹھائے، فاضلِ گرامی مولانا عبد النعیم عزیزی زید مجدہٗ کے ہم سب ممنون ہیں کہ انہوں نے اس اہم موضوع پر قلم اُٹھایا —— مولانائے موصوف ماہنامہ سُنّی دنیا (بریلی) کے سابق مُدیر ہیں۔ انہوں نے برسوں خدمت کی لیکن ؎

صلۂ شہید کیا ہے، تب و تابِ جاودانہ

وہ شاعر بھی ہیں، نثر نگار بھی —— اُن کے بکثرت مقالات و رسائل شائع ہوئے ہیں۔ وہ زبان و بیان پر قُدرت رکھتے ہیں، اُمید ہے کہ اُن کی اس کاوش کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا —— اور اربابِ علم و دانش پر یہ راز کھل جائے گا کہ امام احمد رضا میدانِ ادب کے عظیم شہسوار تھے

یہ مقالہ ادارۂ معارفِ نعمانیہ، لاہور شائع کر رہا ہے۔ یہ ادارہ عرصۂ دراز سے نہایت خلوص اور لگن کے ساتھ بہت مُفید کام کر رہا ہے اور اب تک کثیر تعداد میں صالح لٹریچر شائع کر چکا ہے۔ اس دورِ پُر آشوب میں جب کہ ہر طرف عقائد پر شب خُون مارا جا رہا ہے، دولتِ عشقِ مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) لُوٹ کر مسلمانانِ عالم کو جسدِ بے رُوح بنایا جا رہا ہے۔ ایسے لٹریچر کی سخت ضرورت ہے جو دل و دماغ کو سنبھالے اور فکر و خیال کو

بکھرنے نہ دے ــــــ عوام اہلِ سُنّت کا فرض ہے کہ اس ادارے کے ساتھ بھرپور تعاون کریں، اس اصلاحی تحریک میں دل وجان سے شریک ہو کر دین و مسلک کی خدمت کریں اور دُنیا و آخرت میں سرخرو ہوں ــــــ

احقر

محمد مسعود احمد عفی عنہ

۱۳ر جمادی الاوّل ۱۴۱۴ھ
۹ر نومبر ۱۹۹۲ء

پروفیسر ڈاکٹر سلام سندیلوی

(ایم۔ اے، ایل۔ ایل۔ بی، پی ایچ ڈی، ڈی لٹ)

گورکھپور یونیورسٹی گورکھپور (بھارت)

"آپ کی شخصیت و شاعری میں فاصلہ نہیں ہے بلکہ آپ کی شخصیت، آپ کی شاعری ہے اور آپ کی شاعری، آپ کی شخصیت ہے۔ شخصیت و شاعری میں اس قدر گہری ہم آہنگی اردو کے چند ہی شعراء کے یہاں ملے گی۔"

(انوارِ رضا: ص ۵۶۵)

پروفیسر ڈاکٹر نسیم قریشی

(ایم۔ اے، پی۔ ایچ۔ ڈی)

ریڈر شعبۂ اُردو، مسلم یونیورسٹی۔ علی گڑھ (بھارت)

"کتنی عظیم سعادت آئی ہے حضرت رضا کے حصے میں کہ وہ مقبولین بارگاہِ الٰہی اور نظر کردگانِ رسالت پناہی کے اس محبوب زمرے میں ایک مقام خاص رکھتے ہیں — ایسا بلند مقام کہ انہیں "حسان الھند" کے مبارک لقب سے یاد کیے بغیر ان کے بے پناہ جذبۂ عشقِ رسول اور ان کی وجد آفریں نعت گوئی کے ساتھ انصاف ہو ہی نہیں سکتا۔"

(امام احمد رضا اربابِ علم و دانش کی نظر میں، ص ۱۲۷)

تنقیدات

البریلویہ کا تحقیقی و تنقیدی جا

البریلویہ کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ

مؤلفہ: محمد عبدالحکیم شرف قادری

"علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری نقشبندی جامعہ نظامیہ رضویہ، لوہاری گیٹ لاہور سے منسلک ہیں۔ معروف مدرس و مصنف ہیں۔ تحقیق کا ملکہ رکھتے ہیں۔ انہیں امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے حوالے سے خدمات پر لاہور میں منعقدہ انٹرنیشنل رضا کانفرنس میں امام احمد رضا ایوارڈ مل چکا ہے۔

زیرِ تقدیم مقالہ معاندین کی شرانگیز تحریر، اور جھوٹ و افتراء کے پلندے "البریلویہ" کا ردّ ہے۔ اس تحریر میں شرف صاحب نے اعتدال اور توازن کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیا بلکہ بڑے تحقیقی انداز میں اپنا مؤقف پیش کیا ہے۔

طاہر

ملک غلام علی (نائبِ مودودی)

(نائب امیر جماعت اسلامی پاکستان ابوالاعلیٰ مودودی)

"احمد رضا خاں صاحب کے بارے میں ہم لوگ اب تک سخت غلط فہمی میں رہے۔ اُن کی بعض تصانیف اور فتاویٰ کے مطالعہ کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ جو علمی گہرائی میں نے اُن کے ہاں پائی ہے وہ بہت کم علماء میں پائی جاتی ہے اور عشقِ خدا اور رسول تو اُن کی سطر سطر سے پھوٹا پڑتا ہے۔"

(ہفت روزہ شہاب، لاہور، ۲۰ نومبر ۱۹۶۲ء)

علامہ عبد الحمید

شیخ الجامعۃ النظامیہ، حیدرآباد دکن (بھارت)

"مولانا احمد رضا خاں صاحب، سیف الاسلام اور مجاہدِ اعظم گزرے ہیں، اہل السنۃ والجماعت کے مسلک عقائد کی حفاظت کا ایک مضبوط قلعہ تھے۔ آپ کا مسلمانوں پر احسانِ عظیم ہے کہ اُن کے دلوں میں عظمت واحترامِ رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور اولیاء اُمّت کے ساتھ وابستگی برقرار ہے۔ خود مخالفین پر بھی اس کا اچھا اثر پڑا اور اُن کا گستاخانہ لب ولہجہ ایک حد تک درست ہوا۔ بجا طور پر آپ امام اہل السنۃ والجماعت ہیں۔ آپ کی تصنیفات و تالیفات علوم کا ایک بحرِ ذخار ہیں۔"

(محمد یسین اختر اعظمی، "امام احمد رضا اربابِ علم و دانش کی نظر میں" مطبوعہ الٰہ آباد، ۱۹۷۷ء، ص ۱۴۵)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گفتنی و ناگفتنی

از پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد

جب پاک و ہند میں اسلامی سلطنت کا آفتاب غروب ہو رہا تھا، تاریکیاں پھیل رہی تھیں، دل ڈوب رہے تھے، حوصلے پست ہو رہے تھے کہ رحمتِ باری جوش میں آئی اور ایک آفتاب طلوع ہوا جس نے فضاؤں کو منوّر کر دیا، ڈوبتے دلوں کو سہارا دیا، پست حوصلوں کو بلند کیا ——— تاریک فضاؤں میں یہ طلوع ہونے والا آفتاب کون تھا؟ ——— وہی امام احمد رضا عرب و عجم نے جس کی عظمت و جلالت کی گواہی دی، جس نے اپنے نام و ناموس کو دینِ اسلام اور شارع علیہ السّلام کی آن پر قربان کر دیا ——— دشمنانِ اسلام کو اس کی یہ وارفتگی و شیفتگی اور جاں باختگی پسند نہ آئی، اس کے خلاف سازشیں کی گئیں، اس کے خلاف کئی محاذ قائم کئے گئے اور ہر محاذ پر اُس کی کردار کشی کی گئی، دلوں سے اُس کی یاد کو مٹایا گیا، ذہنوں سے اس کے نقوشِ عظمت کو کھرچ دیا گیا ———
وہ جو فضاؤں پر چھایا ہوا تھا، دانش گاہوں میں اُس کا نام لینا جرم ٹھہرا، علمی مجلسوں میں اُس کی بات کرنی مشکل ہو گئی ——— جو نشانِ علم و فضل تھا، سازشوں سے اُس کو بے نشان کر دیا گیا ——— نصف صدی گزر گئی ——— اچانک خزاں رسیدہ گلشن میں پھر بہار آئی، ٹہنیاں جھومنے لگیں، پھول کھلنے لگے، بلبل چہکنے لگے ——— اسلامیہ جمہوریہ پاکستان کے شہر لاہور

کو یہ سعادت حاصل ہوئی کہ آج سے تقریباً ۲۴ سال پہلے یہاں پر مرکزی مجلس رضا کے نام سے ایک اشاعتی ادارہ قائم کیا گیا، خلوص و للّٰہیت سے قائم کیا تھا۔ ہر سطح پر مخلصین نے تعاون کیا اور اس ادارے نے امام احمد رضا کے حالات و افکار پر لاکھوں کی تعداد میں لٹریچر چھاپ کر پھیلایا، نہ صرف پاک و ہند میں بلکہ پوری دنیا میں —— پھر گیارہ برس ہوئے کراچی میں ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا قائم ہوا اور اس نے اپنا لٹریچر پاک و ہند اور دنیا کے دور دراز علاقوں میں پھیلایا —— پھر رضا اکیڈمی، لاہور نے چھ سات برس ہوئے بڑی سرعت سے کام کیا اور اہلِ دانش سے خراجِ تحسین وصول کیا —— اب مرکزی مجلس رضا نے بھی طویل خاموشی کے بعد پھر کام شروع کیا ہے —— رضا اکیڈمی (یو۔کے)، رضا اکیڈمی (بمبئی)، سنی رضوی سوسائٹی (جنوبی افریقہ)، رضا انٹرنیشنل اکیڈمی (صادق آباد)، المجمع الاسلامی (مبارکپور) غرض پاک و ہند اور بیرونِ ملک بیسیوں ادارے ہیں جو امام احمد رضا کے حالات و افکار پر مسلسل لٹریچر شائع کر رہے ہیں —— الحمدللہ! ان اداروں کی علمی مساعی کے نتائج سامنے آئے، محققین کی بات سنی گئی، یونیورسٹیوں اور پبلک سروس کمیشن کے امتحانی پرچوں میں امام احمد رضا پر سوالات آنے لگے، جامعات میں ایم فل اور پی۔ایچ۔ڈی کے لئے تحقیقی مقالات لکھے جانے لگے اور ڈگریاں ملنے لگیں۔ چنانچہ اس وقت چار برّاعظموں کی یونیورسٹیوں میں چھ اسکالر تحقیقی مقالات لکھ کر ایم فل یا پی۔ایچ۔ڈی کی ڈگریاں حاصل کر چکے ہیں، ۱۹ اسکالر اس وقت تحقیق میں مصروف ہیں اور کچھ رجسٹریشن کے لئے کوشاں ہیں۔[1]

---

[1] مزید تفصیلات کے لئے راقم کا مقالہ "امام احمد رضا اور عالمی جامعات" مطالعہ فرمائیں جو پاکستان سے رضا انٹرنیشنل اکیڈمی (صادق آباد) اور ہندوستان سے افکارِ حق اکیڈمی (پوپری۔ بہار) نے بالترتیب ۱۹۹۰ء اور ۱۹۹۱ء میں شائع کر دیا ہے۔ مسعود

الغرض معاندین کے الفاظ میں جس کو زیر زمین دفن کر دیا گیا تھا وہ پھر زندہ ہو گیا ——— خوب کہا ہے اور خوب کہا ہے ؎

بے نشانوں کا نشان مٹتا نہیں
مٹتے مٹتے نام ہو ہی جائے گا

بے شک عاشق مرا نہیں کرتے، وہ شہید ہو کر بھی زندہ رہتے ہیں بلکہ اُن کی موت زندہ انسانوں کے لئے باعثِ رشک ہو جاتی ہے ؎

قسمت نگر کہ کشتۂ شمشیر عشق یافت
مرگے کہ زندگاں بدعا آرزو کنند!

عرض یہ کر رہا تھا کہ دفن کرنے والے دفن کر چکے تھے ——— جدید علمی حلقوں اور دانش گاہوں میں اُس کا نام لینا جرم ٹھہرا لیکن پھر وہی علمی حلقے، پھر وہی دانشکدے اُس کے ذکر و افکار سے گونجنے لگے ——— ۷۰ برس کے بعد پھر ایک مہم چلائی گئی ——— ۱۹۷۰ء میں راقم نے ترکِ موالات سے متعلق امام احمد رضا کے محققانہ رسالے المحجۃ الموتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ کی روشنی میں ایک مقالہ قلم بند کیا جو ۱۹۷۱ء میں مرکزی مجلسِ رضا، لاہور نے شائع کیا۔ اس مقالے میں تاریخی پس منظر پیش کرتے ہوئے ضمناً سید احمد بریلوی کا ذکر آ گیا جس سے یہ تاثر ملتا تھا کہ سید صاحب کی جد و جہد سے اور تو کچھ ہوا یا نہیں، انگریزوں کو ضرور فائدہ پہنچا۔ یہ تاثر اُس عام تاثر کے خلاف تھا جو بعض محققین و مؤرخین نے غلط بیانیوں کے ذریعے برسوں کی محنت کے بعد قائم کیا تھا ——— بہر حال راقم کے مقالے فاضل بریلوی اور ترکِ موالات کا شائع ہونا تھا کہ غیظ و غضب کی لہر دوڑ گئی۔ کیونکہ تسلیم شدہ حقائق تارِ عنکبوت کی طرح بکھرنے لگے ——— ایک یونیورسٹی کے شیخ الحدیث نے اپنی نجی

محفل میں راقم سے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

"میں فلاں پبلشر سے کہوں گا کہ پروفیسر مسعود کی کتابیں نہ چھاپا کرو"

دوسری یونیورسٹی کے صدر شعبۂ تاریخ بھی ناراض ہو گئے اور دیرینہ دوستی بھی ختم کر دی، راقم نے عرض کیا "تاریخی حقائق عقائد نہیں ہوتے، آپ میری بات غلط ثابت کر دیں، میں اپنی بات کاٹ کر آپ کی بات لکھدوں گا، کوئی لڑائی جھگڑا نہیں، یہ تو تحقیق و ریسرچ ہے، جو بات ثابت ہو گی وہی لکھی جائے گی" پھر خدا کی شان کہ مولوی حسین احمد دیو بندی کی کتاب الشہاب الثاقب میں یہ بات مل گئی کہ جب سید صاحب صوبۂ سرحد میں اپنی کارروائیوں میں مصروف تھے تو انگریز اسلحہ سے اُن کی مدد کر رہے تھے، چنانچہ مقالے کے دوسرے ایڈیشن میں یہ حوالہ پیش کر دیا گیا اور معترضین خاموش ہو گئے ــــ تاریخ میں غلط بیانی یا دھونس سے کسی بات کو منوانے کی گنجائش نہیں ــــ لیڈن یونیورسٹی ہالینڈ کے کہنہ سال مستشرق پروفیسر ڈاکٹر جے۔ ایم۔ الیس بلیان نے راقم کے اس مؤقف کی تائید کی کہ سید صاحب نے انگریزوں کے خلاف کوئی جدوجہد نہیں کی ــــ حقائق و شواہد کی روشنی میں ہر محقق اسی نتیجے پر پہنچے گا ــــ تو عرض یہ کر رہا تھا کہ راقم کا مقالہ فاضل بریلوی اور ترکِ موالات شائع ہوا تو امام احمد رضا کے مخالفین نے اُن پر اپنے ردِ عمل کا اظہار کیا ــــ پھر جب راقم کی کتاب "فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں" ۱۹۷۳ء میں شائع ہوئی اور امام احمد رضا کی عرب و عجم میں ہمہ گیر مقبولیت کے جلوے دکھائے گئے تو ماہر القادری صاحب نے اپنے رسالے فاران (کراچی) میں ایک طویل مضمون لکھ کر مخالفین و معاندین کو خبردار کیا کہ اگر دانشوروں نے امام احمد رضا کی عظمت و جلالت کے جلوے دیکھ لیے تو پھر اُن کی نظروں میں کوئی نہیں سمائے گا ــــ یہی کتاب عجب

مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ بھیجی گئی تو وہاں شعبۂ سُنّی دینیات کے صدر پروفیسر ڈاکٹر محمد رضوان اللہ مرحوم نے اپنے ساتھی پروفیسروں کو دکھائی۔ انہوں نے پڑھ کر بیک زبان کہا کہ اس سے قبل ہم سخت غلط فہمی میں مبتلا تھے ـــــ بیس پچیس پروفیسروں نے یہ بات کہی ـــــ پھر کیا ہوا، یہ کتاب ڈاکٹر صاحب کی میز پر رکھی ہوئی تھی، وہ کسی کام سے کمرے سے باہر گئے، امام احمد رضا کے کسی مخالف نے پار کرلی۔ واپس آئے تو کتاب میز پر نہ تھی ـــــ یہ بات مرحوم نے خود راقم کو بتائی ـــــ اس قسم کی اوچھی حرکتوں سے حق اور سچائی کو چھپایا نہیں جا سکتا ـــــ اس کی قسمت میں بلند ہونا ہے وہ بلند ہو کر رہتی ہے۔

تو عرض یہ کر رہا تھا کہ امام احمد رضا کی بات پھیلتی چلی گئی ـــــ معاندین اس سیلاب کے آگے باڑھ باندھتے رہے ـــــ امام احمد رضا کا ترجمۂ قرآن کنز الایمان جب لاکھوں کی تعداد میں مشرق و مغرب میں پہنچنے لگا تو بڑی تشویش ہوئی، کوشش کی گئی الزام تراشیوں کا سہارا لے کر کم از کم عرب ملکوں میں اس پر پابندی لگوا دی جائے اور بالآخر پابندی لگا دی گئی ـــــ جبکہ ایسے مترجمین کے ترجموں پر پابندی نہ لگی جو قرآن کی اداؤں کے رازدار نہیں، جو ترجمے کے مزاج سے واقف نہیں ـــــ ۱۹۹۱ء کی بات ہے فقیر جب حج بیت اللہ شریف کی سعادت حاصل کر کے جدہ ائرپورٹ سے کراچی روانہ ہو رہا تھا تو وہاں کی حکومت کی طرف سے تمام پاکستانی حاجیوں کو قرآن کریم کا تحفہ دیا گیا، جو احتیاط سے رکھ لیا گیا، بعد میں جو کھول کر دیکھا تو یہ قرآن مترجم تھا، مولوی محمود حسن دیوبندی کا ترجمہ اور مولوی شبیر احمد عثمانی کے تفسیری حواشی ـــــ جس کے متعلق عالم اسلام کے جانے پہچانے عالم مولوی ابوالحسن علی ندوی نے یہ تصدیق فرمائی:-

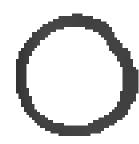
"اردو زبان میں یہ سب سے اچھا ترجمہ و تفسیر ہے، اس کی طباعت واشاعت

ہونی چاہیئے " [1]

یہ قرآنِ حکیم شاہ فہد قرآن پرنٹنگ کمپلیکس، مدینہ منوّرہ میں چھپا اور وزارت اوقاف سعودی عرب نے اس کو شائع کیا ـــــ اس ترجمے میں معاذ اللہ ثم معاذ اللہ حضورِ انور صلّی اللہ علیہ وسلّم کو گنہ گار بتایا گیا ہے [2] ـــــ اور بھٹکتا دکھایا گیا ہے [3] ـــــ ایسے ترجمہ کو " اردو زبان کا سب سے اچھا ترجمہ قرار دیا گیا " ـــــ اور وہ ترجمہ جس میں عظمتِ مصطفےٰ کا خیال رکھا گیا اور اُس پر حرف آنے نہ دیا، اُس کو اِس لائق نہیں سمجھا گیا کہ سعودی عرب میں اُس کی اشاعت بھی ہو، وہاں چھپنا تو دُور کی بات ہے

بریں عقل و دانش بباید گریست

پھر یہی کہ کنزالایمان پر پابندی لگوائی گئی بلکہ اس ترجمہ کے خلاف ایک فاضل کو لالچ دے کر کتاب لکھوائی گئی۔ پھر اس کو شائع کیا گیا ـــــ اس کتاب سے اور تو کچھ نہ ہوا مصنّف کا نام بدنام ضرور ہُوا اور ہاتھ کچھ نہ آیا ـــــ یہ ایک راز ہے، جو راز ہی رہے تو بہتر ہے، راقم کا مقصود کسی کو بدنام کرنا نہیں بلکہ حقائق سے پردہ اُٹھانا ہے



عرض یہ کر رہا تھا کہ جب دُور و نزدیک امام احمد رضا کا چرچا ہونے لگا تو اُن کے مخالفین کو یہ بات اچھی نہ لگی اور اُنھوں نے اُن کی کردارکشی کے لئے مختلف حربے استعمال کئے ـــــ چند حربوں کا ذکر تو اُوپر آچکا ہے، ـــــ

[1] قرآنِ کریم (مترجمہ محمود حسن دیوبندی) مطبوعہ مدینہ منورہ ۱۴۰۹ھ / ۱۹۸۹ء، ص ۳
[2] ایضاً، سورۂ فتح، آیت نمبر ص ۶۷۸
[3] ایضاً، سورۂ ضحیٰ، آیت نمبر ص ۷۹۴

ایک حربہ اور استعمال کیا گیا اور وہ یہ کہ احسان الٰہی ظہیر نامی ایک صاحب سے البریلویہ کے نام سے کتاب لکھوائی گئی۔ یہ بھی نہیں معلوم کہ یہ انہوں نے لکھی ہے یا ان سے منسوب کی گئی ہے، کیونکہ منسوب کرنے کے یہ حضرات عادی ہیں، بعض کتابوں اور عبارتوں کو شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے منسوب کیا گیا، یہ ایک طویل داستان ہے [1]

تو عرض یہ کر رہا تھا کہ البریلویہ کے نام سے عربی میں ایک کتاب لکھوائی جس کو "جھوٹ کا پلندہ" کہا جائے تو بجا ہے۔ اس میں امام احمد رضا کی جی بھر کے کردار کشی کی گئی ہے ـــــ جس زمانے میں یہ شائع ہوئی اُسی زمانے میں راقم سیرت کانفرنس میں شرکت کے لئے اسلام آباد گیا وہاں اسمبلی ہال میں محترم جسٹس مفتی سید شجاعت علی قادری سے ملاقات ہوگئی، وہ اپنے ساتھ دولت کدے پر لے گئے، وہاں اس کتاب کا ذکر نکل آیا ـــــ مفتی صاحب سے جب یہ کتاب طلب کی تو انہوں نے لاکر دکھائی ـــــ اس کی تقدیم شیخ عطیہ سالم نے لکھی ہے جس میں انہوں نے البریلویہ کی ساری مندرجات کی تصدیق فرمائی ہے۔ ان میں بعض الزامات چونکا دینے والے تھے، تفصیل آگے آتی ہے ـــــ کتاب کو ذرا آگے سے دیکھا تو ایک جگہ لکھا تھا کہ "امام احمد رضا کی صورت کالی تھی" ـــــ اور حوالے میں راقم کی کتاب فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں کا نام ہی نہیں بلکہ صفحہ بھی تھا، پڑھ کر حیران رہ گیا

چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد!

بہرحال گمراہ کن حوالے سے اتنا اندازہ ہوگیا کہ باقی مندرجات کا کیا حال ہوگا!

---

[1] تفصیلات کے لئے مطالعہ فرمائیں:-
حضرت شاہ ابو الحسن زید فاروقی و حکیم سید محمود احمد برکاتی : القول الجلی کی بازیافت مطبوعہ کراچی، ۱۹۹۱ء

ابھی کی بات ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے معمولات و افکار کا مستند ترین مجموعہ القول الجلی فی ذکر آثار الولی (مصنفہ محمد عاشق پھلتی، مطبوعہ دہلی ۱۹۸۹ء) سامنے آیا۔ معلوم ہوا کہ اس کو برسوں تک اس لئے دبایا گیا کہ اس سے امام احمد رضا کے مسلک کی تائید ہوتی تھی اور بعض ایسی کتابوں کی تغلیط ہوتی تھی جو شاہ صاحب کے نام سے گھڑی گئی تھیں ـــــ مگر جیسا کہ راقم نے پہلے عرض کیا کہ حق تو ظاہر ہو کر ہی رہتا ہے اور باطل کی قسمت ہی مٹنا ہے، وہ مٹ کر ہی رہتا ہے ـــــ تو یہ کتاب ظاہر ہو کر رہی ـــــ علمی خیانتوں اور الزام تراشیوں کا سلسلہ نہ معلوم کب سے جاری ہے، اس کے مقاصد اہلِ علم و دانش سے پوشیدہ نہیں۔

ہاں تو جب البریلویہ پر نظر ڈالی تو امام احمد رضا کے متعلق یہ انکشافات سامنے آئے کہ امام احمد رضا کا رشتۂ فکر ایک طرف مرزا غلام احمد قادیانی سے ملتا ہے تو دوسری طرف شیعہ حضرات سے، گویا اہلِ سنت سے اُن کا کوئی تعلق ہی نہیں یا ہے تو برائے نام ـــــ راقم کے لئے یہ دریافت بالکل نئی تھی کیونکہ پندرہ سال امام احمد رضا پر ریسرچ کرنے کے باوجود یہ پہلو سامنے نہ آیا تھا بلکہ راقم کے علم میں تو یہ تھا کہ امام احمد رضا نے قادیانیوں اور شیعوں کے خلاف رسالے لکھے تھے ـــــ چنانچہ یہ خیال کرتے ہوئے کہ شاید تقدیم نگار شیخ عطیہ سالم نے غلط فہمی کی بنا پر البریلویہ کے گمراہ کن مندرجات کی تصدیق کر دی ہے، دلائل و شواہد کے ساتھ اُن کو خط لکھا گیا مگر انہوں نے راقم کے خط کا جواب عنایت نہیں فرمایا جس سے اندازہ ہوا کہ یا تو اس نام کا کوئی عالم نہیں اور اگر ہے تو وہ اس سازش میں شریک ہے ـــــ بہرحال البریلویہ کے الزامات ایسے تھے کہ نہ اُٹھائیں جائیں نہ رکھے جائیں ـــــ جب البریلویہ کی حقیقت حکومتِ پاکستان

کے علم میں آئی اور اس کے خلاف اہلِ سنّت نے احتجاج کیا تو اس پر پابندی لگا دی گئی — برسوں سے اس پر پابندی لگی ہوئی ہے لیکن اس کے باوجود بین الاقوامی یونیورسٹی اسلام آباد کے طلبہ کی ذہنی تطہیر کے لئے اُن کو البریلویہ دکھائی جاتی ہے۔ ممکن ہے کہ تقسیم بھی کی جاتی ہو — اس یونیورسٹی میں امام احمد رضا کی بات نہیں سُنی جاتی تھی، ۱۹۹۱ء میں غالباً پہلی بار امام احمد رضا انٹرنیشنل کانفرنس (منعقدہ کراچی، لاہور، اسلام آباد) کے مندوبین کو ایک سیمینار میں دعوت دی گئی اور انھوں نے مسلک اہلِ سنّت اور امام احمد رضا کے افکار و خیالات پر اظہارِ خیال کیا — (راقم کے ایک غیر مطبوعہ اردو مقالے کا عربی ترجمہ شائع ہوا ہے،[1] اُمید ہے کہ اس یونیورسٹی کے طلبہ کے لئے بھی یہ مفید ہوگا) — راقم کے نزدیک اشخاص ہوں یا اُن کے افکار، اگر علمی دیانت کے ساتھ اُن کے زیرِ بحث لایا جائے تو کوئی حرج نہیں — کردارکشی کو راقم بدترین گناہ تصوّر کرتا ہے —

ہاں تو ذکر تھا احسان الٰہی ظہیر کی کتاب البریلویہ کا، جس میں امام احمد رضا کی کردارکشی میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی گئی — عربی میں ایک مقولہ ہے "سچ خود بُلند ہوتا ہے، بلند نہیں کیا جاتا" — الحمدللہ اہلِ سنّت حق پر ہیں اُن کو جھوٹ اور افترا پردازیوں کے سہارے کی ضرورت نہیں جبکہ جانبِ دیگر اس کی بہت ہی ضرورت ہے — اور یہ جھوٹ غیروں کی کردارکشی کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے اور اپنوں کی کردار سازی کے لئے بھی — یاد آیا ڈاکٹر محمد رضوان اللہ مرحوم (صدر شعبۂ سُنّی دینیات، مُسلم یونیورسٹی، علی گڑھ) نے مولانا محمد انور شاہ کشمیری پر علی گڑھ سے ڈاکٹریٹ کیا تھا اور علمائے دیوبند پر قاہرہ کی ازہر یونیورسٹی

[1] محمد مسعود احمد: الشیخ احمد رضا خان البریلوی، مطبوعہ کراچی ۱۹۹۱ء

سے ڈی لٹ، اس میں مولوی حسین احمد کا بھی ذکر کیا تھا ــــــ کئی برس پہلے موصوف ٹھٹھہ (سندھ) میں غریب خانے پر تشریف لائے۔ راقم کے کتب خانے میں مولوی حسین احمد دیوبندی کی "الشہاب الثاقب" نظر سے گزری تو حیران رہ گئے اور فرمایا "یہ تو مجھے دکھائی ہی نہیں گئی، اگر مجھے پہلے علم ہوتا کہ اس شخص نے اعلحضرت کے لئے ایسے نازیبا الفاظ استعمال کئے ہیں تو اپنے مقالے میں ہرگز اس کا ذکر نہ کرتا" ــــــ وہ اپنے ساتھ اپنا مقالہ ڈاکٹریٹ بھی لائے تھے جس میں مولوی محمد انور شاہ کشمیری کی تعریف و توصیف میں بلا دلیل بہت سی باتیں کہی گئی تھیں ــــــ راقم نے عرض کیا "آپ نے مولانا انور شاہ کشمیری پر مولانا مفتی محمد انوار اللہ نعیمی علیہ الرحمہ کے تعاقبات بھی ملاحظہ فرمائے؟" فرمایا "نہیں" ــــــ پھر راقم کو مقالہ کی مطبوعہ جلد دیتے ہوئے فرمایا "یہ ایک نسخہ میرے پاس تھا، آپ کو دیتا ہوں، آپ اس پر بھرپور مقدمہ لکھیں، مخالف و موافق جو کچھ لکھیں آپ کو اجازت ہے خوب دل کھول کر لکھیں" ــــــ سو ابھی تک مقدمہ لکھنے کی توفیق نہ ملی ــــــ

تبلیغی جماعت کے بانی مولوی محمد الیاس کو راقم نے دیکھا ہے، اُن کے متعلق بہت سی باتیں معلوم ہیں، انگلستان سے ایک صاحب نے موصوف پر تحقیق فرمائی اور تحقیق کے ایسے جوہر دکھلائے کہ "پہچانی ہوئی صورت پہچانی نہیں جاتی" وہ وہ خوبیاں گنائیں جنکا دُور دُور پتا نہیں ــــــ تو عرض یہی کرنا ہے کہ اپنوں کی کردار سازی کے لئے جھوٹ کا سہارا لیا جاتا ہے مگر یہی جھوٹ امام احمد رضا کی کردارکُشی کے لئے استعمال ہوتا ہے ــــــ یہ باتیں تو بہت ہیں کہاں تک بیان کی جائیں۔ اب راقم پھر البریلویہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے ــــــ ۱۴؍ ستمبر ۱۹۹۱ء کو ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی اور رضا اکیڈمی، لاہور کے تعاون سے لاہور میں اعلیٰ پیمانے پر پہلی مرتبہ بین الاقوامی امام احمد رضا کانفرنس منعقد ہوئی۔

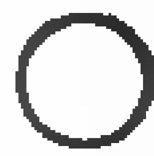
جس کی صدارت وزیر اعظم پاکستان جناب محمد نواز شریف کے بھائی اور قومی اسمبلی کے ممبر جناب شہباز شریف نے کی۔ یہ خاندان مسلک اہل سنت کا دلدادہ ہے اور اپنے مسلک کے اظہار میں جھجک محسوس نہیں کرتا — اپنے صدارتی خطبے میں موصوف نے یہ فرمایا کہ "امام احمد رضا کی ذات کو خراج تحسین پیش کرنے کا بہترین ذریعہ اُن کی ذات پر لگائے گئے الزامات کا جواب دینا ہے — "البریلویہ" نامی کتاب جو علامہ احسان الٰہی ظہیر کی تالیف ہے، اُس کا جواب دیا جانا چاہیئے اور جو شخص بھی یہ کام کرے گا میں اس کو ایوارڈ دونگا"[1] — اس میں کوئی ایسی بات نہ تھی جس سے کوئی چراغ پا ہو — مگر نہ معلوم کیوں بعض حضرات کو یہ بات بہت ہی گراں معلوم ہوئی اور انہوں نے بھرپور احتجاج کیا۔ شاید اس لئے کہ جو جھوٹ بولا گیا تھا اس پر پردہ پڑا رہے تو اچھا ہے — بہرحال جناب شہباز شریف کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اہل سنت کے ممتاز قلمکار اور عالم دین حضرت علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری (شیخ الحدیث، جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور) نے البریلویہ کی الزام تراشیوں اور افترا پردازیوں کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ لیتے ہوئے یہ کتاب مرتب کی۔ اُمید ہے کہ حق پسند حلقوں میں یہ کتاب پسند کی جائے گی اور جن حضرات نے البریلویہ کی روشنی میں امام احمد رضا کا امیج قائم کیا ہے وہ اصلاح فرمائیں گے — حضرت علامہ موصوف اہل سنت کے جید عالم اور محقق ہیں، البریلویہ اس لائق نہ تھی کہ وہ اس کی طرف توجہ فرماتے لیکن چونکہ اس کتاب نے دانشوروں کو اندرون ملک و بیرون ملک سخت غلط فہمی میں مبتلا کیا ہے اس لئے اس کا تدارک ضروری تھا تاکہ اصل حقائق سامنے آئیں اور بے بنیاد غلط فہمیاں دور ہوں — حضرت علامہ کا اہل سنت پر احسان ہے کہ آپ نے مسلک

---

[1] ماہنامہ ضیائے حرم، لاہور۔ اکتوبر ۱۹۹۱ء (مدیر دلبران) از صاحبزادہ محمد امین الحسنات شاہ

اہلِ سُنّت کی حفاظت اور امام احمد رضا کے افکار و خیالات کی حمایت میں بیسیوں کُتُب و رسائل اور مقالات تحریر فرماتے۔ مولیٰ تعالیٰ آپ کو قائم دائم رکھے تاکہ حق کا بول بالا ہوتا رہے ——

زیرِ نظر کتاب خود اُن کی ماہرانہ تحقیق اور علم و فضل پر شاہدِ عادل ہے —— اس کے باوجود کہ "البریلویہ" کا انداز معاندانہ و مجادلانہ ہے حضرت علاّمہ نے بڑے محققانہ انداز سے جوابات دیئے ہیں اور سنجیدگی و وقار کو بہرحال قائم رکھا ہے اور دلائل کو توڑ مروڑ کر پیش کر کے قاری کو گمراہ کرنے کی کوشش نہیں کی —— جو بات کہی وہ دلیل و ثبوت کے ساتھ کہی ہے —— یہی اس کتاب کا امتیاز ہے۔ ضرورت ہے کہ اس کتاب کا خلاصہ عربی زبان میں بھی شائع ہو تاکہ جو عرب، البریلویہ کے مطالعہ سے امام احمد رضا کی طرف سے بدگمانی میں مبتلا ہو گئے ہیں، اُن کی بدگمانیاں بھی دُور ہوں —— ویسے حضرت علامہ موصوف نے ریاض (سعودی عرب) سے شائع ہونے والی ایک کتاب میں امام احمد رضا کے بارے میں البریلویہ کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کے ازالے کیلئے عربی لٹریچر ارسال فرمایا جس پر ادارہ نے شکریہ ادا کرتے ہوئے آئندہ ضروری ترمیم و اصلاح کا وعدہ کیا۔ اسی طرح بیروت سے شائع ہونے والی ایک کتاب میں امام احمد رضا کے بارے میں گمراہ کن ریمارکس پڑھ کر پبلشر کو متوجہ کیا تو انہوں نے بھی آئندہ اڈیشن میں ضروری تصحیح کا وعدہ کیا اور گزارشات کو قبول کیا ——



البریلویہ میں امام احمد رضا پر جو فردِ جرم عائد کی گئی ہے وہ بہت طویل ہے، جس کا محققانہ اور تسلی بخش جواب اس کتاب میں موجود ہے۔

—— یہاں چار پانچ الزامات کا مختصراً ذکر کروں گا، جو سفید جھوٹ کے زمرے میں آتے ہیں —— اس سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ البریلویہ کے مصنف نے کس دیدہ دلیری سے جھوٹ بولا ہے ؏

چہ دلاور ست دزدے کہ بکف چراغ دارد!

۱۔ امام احمد رضا پر ایک الزام یہ ہے کہ وہ "بریلوی" فرقے کے بانی ہیں —— اگر تاریخ کی روشنی میں دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ "بریلوی" کوئی فرقہ نہیں بلکہ سوادِ اعظم اہلِ سنّت کے مسلکِ قدیم کو عرفِ عام میں "بریلویت" سے تعبیر کیا جاتا ہے اور یہ عرف بھی پاک و ہند میں محدود ہے۔ اصل میں امام احمد رضا اور اس مسلکِ قدیم کے مخالفین نے اس کو "بریلویت" کے نام سے یاد کیا ہے اور بقول ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی، "یہ نام اہلِ حدیث کا دیا ہوا ہے" —— پروفیسر ڈاکٹر جمال الدین (جامعہ ملیہ، دہلی) نے بھی اپنے ایک تحقیقی مقالے میں یہی تحریر فرمایا ہے کہ "یہ نام مخالفین کا دیا ہوا ہے" —— حقیقت یہ ہے کہ امام احمد رضا خاں بریلوی پوری قوت کے ساتھ سوادِ اعظم اہلِ سنّت کے اس عالمی مسلک کی حفاظت اور مدافعت فرمائی اور اس کو دشمنوں کے ہاتھوں برباد نہیں ہونے دیا۔ مسلمانوں کی سب سے بڑی حکومت، سلطنتِ عثمانیہ، جو دنیا کے تین براعظموں پر پھیلی ہوئی دنیا کی سب سے بڑی حکومت تھی، سوادِ اعظم اہلِ سنّت کے اسی مسلک کی علم بردار تھی جس کی تائید و حمایت امام احمد رضا ساری عمر کرتے رہے —— دشمنانِ اسلام عرصۂ دراز سے اس حکومت اور اس کے مسلک کے درپے تھے تا آنکہ انھوں نے اس حکومت کو پارہ پارہ کیا اور اس کے مسلک کو بھی ریزہ ریزہ کرنا چاہا کیونکہ اس میں زندگی کی حرارت تھی —— کولمبیا یونیورسٹی، امریکہ کی فاضلہ خاتون ڈاکٹر

اوشا سانیال نے اپنے مقالہ ڈاکٹریٹ میں بھی اس مفروضہ کو غلط قرار دیا ہے کہ "بریلوی" کوئی فرقہ نہیں۔ اُن کا مؤقف بھی یہی ہے کہ یہ وہی عالمی مسلک ہے جس کو سوادِ اعظم اہلِ سُنت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ــــــ مطالعہ و تحقیق سے پہلے موصوفہ یہی سمجھتی تھیں کہ "بریلوی" کوئی فرقہ ہے۔ جب اُن کو بتایا گیا اور انھوں نے خود مطالعہ کیا تو اُن پر حقیقت عیاں ہوگئی ــــــ علامہ شرف صاحب نے اس الزام کا خوب رَدّ فرمایا ہے۔

۲۔ امام احمد رضا پر دوسرا الزام یہ تھا کہ اُن کے عقائد مُشرکانہ تھے اور انھوں نے مُشرکانہ اعمال و عقائد کی تشہیر میں اہم کردار ادا کیا ہے ــــــ یہ سب کو معلوم ہے اور سب جانتے ہیں کہ امام احمد رضا کے مخالفین بھی اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں کہ وہ عاشقِ رسول تھے اس میں کسی کو شک نہیں ــــــ تو جو عاشقِ رسول ہے، نہ مُشرک ہو سکتا ہے اور نہ شرک و بدعت کی تعلیم دے سکتا ہے ــــــ ہاں ابلیس کا عاشق یہ کام ضرور کر سکتا ہے ــــــ اصل میں اختلاف ہے تو اظہارِ عشق میں ــــــ ایک عالم نے اُن سے عرض کیا کہ آپ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حد سے بڑھا دیتے ہیں تو امام احمد رضا نے بڑی خاموشی سے اُن کے سامنے کاغذ و قلم رکھتے ہوئے فرمایا "آپ حد مقرر فرما دیجئے" ــــــ وہ عالم امام احمد رضا کا مُنہ تکتے رہ گئے ــــــ کس کی مجال کہ حد مقرر کرے جبکہ اُن کا مولیٰ خود اُن پر رحمت بھیج رہا ہے، کہ ہم کو تعریف و تعظیم اور درود و سلام کا حُکم دے رہا ہے اور سورۂ توبہ میں محبت و عشق کا وہ معیار بتا رہا ہے جس میں من و تو کا فرق ہی نہ رکھا ــــــ ہاں مولیٰ تعالیٰ کے سوا کوئی حد مقرر نہیں کر سکتا مگر وہ تو بے حد و حدود درود و سلام بھیجنے کا حکم فرما رہا ہے ــــــ بات یہ ہے جس نے عشق ہی نہ کیا ہو، اُس کو عشق عجیب سا لگتا ہے ــــــ

عاشق کی ایک ایک بات عجیب سی لگتی ہے، شرک و بدعت سی لگتی ہے —— یہ اُس کی آنکھوں کا قصور ہے، یہ اُس کی عقل کا فتور ہے —— ایسے انسان کا دل پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو جاتا ہے، پتھر کبھی ریزہ ریزہ بھی ہو جاتا ہے، کبھی اُس میں سے چشمے پھوٹ نکلتے ہیں مگر یہ ٹس سے مس نہیں ہوتا —— ایک صاحب نے سوال کیا "لوگ روتے کیوں ہیں؟" اللہ اکبر! اُن کی آنکھوں میں آنسو اتنے خشک ہو گئے کہ اُن کو رونے پر تعجب ہو رہا ہے —— ہاں! ۵

عاشق نہ شُدی و محنت والفت نہ کشیدی

کس پیش تو غم نامۂ ہجراں چہ کشاید

اُن کے حضور ادب و تعظیم کی بات الگ رہی اگر عبادات پر نظر ڈالیں تو ایک ایک ادا میں اُن کے جلوے جھلکتے نظر آئیں گے —— اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے اُن کی نشانیوں کو اپنی نشانیاں بنا دیا —— اللہ اکبر! ——

کیا آپ نے کبھی اِس حقیقت پر غور فرمایا؟ —— حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے نشانِ قدم کو بیت اللہ میں رکھوایا گیا، یہی نہیں بلکہ یہ حکم دیا گیا کہ جب سات پھیرے مکمل کر لو تو اس کے سامنے دوگانہ ادا کرو اور سربسجود ہو —— بیشک اگر یہ بات قرآن میں نہ ہوتی تو کھلا شرک قرار دی جاتی —— پھر صفا و مروہ پہاڑیوں کے درمیان حضرت ہاجرہ علیہا السّلام دوڑی تھیں اور چلی تھیں، فرمایا صفا و مروہ، ہاجرہ (علیہا السّلام) کی نشانی نہیں یہ تو ہماری نشانیاں ہیں، اس کا بھی چکر لگایا کرو —— سارا عالم چکر لگاتا ہے اور چکر میں ایک نظر دیوارِ کعبہ کو دیکھتا ہے جو ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السّلام نے تعمیر کی تھی اور تعمیر کرتے کرتے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد آمد کے لئے دعا کی تھی —— یہ سب انہیں کے جلوے ہیں —— یہ سب انہیں

کی رونقیں ہیں —— حضرت ابراہیم علیہ السلام کون تھے ؟ —— حضرت ہاجرہ علیہا السلام کون تھیں ؟ —— یہ سب نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے امین تھے —— تو پھر سب اُن کی رونقیں نہیں تو کس کی رونقیں ہیں۔ بیشک ؎

زمین و زماں تمہارے لئے، مکین و مکاں تمہارے لئے
ہم آئے یہاں تمہارے لئے، اُٹھیں بھی وہاں تمہارے لئے

بے شک وہ معبود نہیں، مسجود نہیں —— مطلوب و محبوب تو ہیں۔ ؎

وہ خدا نہیں بخدا نہیں وہ مگر خدا سے جدا نہیں
وہ ہیں کیا، وہ ہیں کیا نہیں، یہ محب حبیب کی بات ہے

یہ داستانِ عشق تو اتنی لذیذ ہے کہ عمر ختم ہو جائے مگر بیانِ عشق و محبت ختم نہ ہو —— امام احمد رضا نے اسی عشقِ جہاں تاب کا راگ الاپا اور تاریکیوں میں اُجالا کرتے ہوئے ہمارے لئے اپنا یہ پیغام چھوڑ گئے ——

دُنیا! ترے قرطاس یہ کیا چھوڑ گئے ہم
اک حسنِ بیاں، حسنِ ادا چھوڑ گئے ہم
ماحول کی ظلمات میں جس راہ سے گزرے
قندیلِ محبت کی ضیاء چھوڑ گئے ہم

۳ امام احمد رضا پر تیسرا الزام یہ تھا کہ وہ جاہل تھے —— ظاہر ہے کہ جاہل ہی نئے فرقے نکال سکتا ہے اور وہی شرک و بدعت پھیلا سکتا ہے، اس لئے یہ الزام لگانا ضروری ہوا مگر یہ ایسا مضحکہ خیز الزام ہے جس نے مخالف کی جہالت اور عداوت کو آشکار کر دیا ہے —— امام احمد رضا کے علم و فضل کی کیا بات! —— ہر مکتبِ فکر اور ہر شعبۂ زندگی سے متعلق دانشور و قلمکار اُن کے علم و فضل کے معترف ہیں، عرب و عجم کے

عُلماء و فضلاء اُن کے علم و فضل کے معترف ہیں [1] ـــــ اس قسم کے تاثرات پر مشتمل اب تک پانچ مجموعے شائع ہو چکے ہیں، اور امام احمد رضا کا علم و فضل ایک طے شدہ حقیقت بن چکا ہے۔ تفسیر و حدیث، فقہ میں تو اُن کا جواب نہ تھا ـــــ جدید تحقیق کے مطابق ۷۵ علوم و فنون پر اُن کی ایک ہزار سے زیادہ تصانیف اُردو، فارسی اور عربی میں موجود ہیں ـــــ عربی ادب و لغت پر اُن کی مہارت کا یہ عالم تھا کہ پاک و ہند کے مشہور اہلحدیث عالم علامہ عبدالعزیز یمنی (م ـ ۱۹۷۸ء) جن کو بقول شاکر الفحام، عربی ادب اور لغت پر بے پناہ دسترس حاصل تھی (المعارف، لاہور، شمارہ ۹۰، ص ۵۴) جو پچاس برس تک المجمع العربی، دمشق کے مستقل ممبر اور مقالہ نگار رہے ـــــ اس فاضل جلیل کے اُستادِ کبار میں شیخ محمد طیب مکی (پرنسپل، مدرسہ عالیہ رامپور) بھی تھے۔ موصوف سے امام احمد رضا کی عربی زبان میں مراسلت ہوئی اور امام احمد رضا نے اُن کے خطوط میں جو لغوی اور نحوی غلطیوں کی نشاندہی کی تو وہ زِچ ہو کر رہ گئے۔ یہ مراسلت ایک رسالے کی شکل میں رسائل رضویہ، جلد اوّل، مطبوعہ لاہور۔ (مرتبہ علامہ محمد عبدالحکیم خان اختر شاہجہان پوری) میں موجود ہے جس کو حق کی تلاش ہو وہ مطالعہ کر سکتا ہے ـــــ اُردو اور عربی ادب میں بے مثال مہارت اور مختلف علوم و فنون پر اُن کی دسترس نے اُن سے قرآن حکیم کا ایسا ترجمہ کرایا جس کی مثال نہیں ـــــ ابھی کی بات ہے چکوال کے ڈپٹی کمشنر ڈاکٹر لیاقت علی خاں نیازی نے ایک مقالہ لکھا ہے جس کا عنوان ہے۔ "قرآن، سائنس اور امام احمد رضا بریلوی" ـــــ یہ مقالہ چکوال سے

---

[1] تفصیلات کے لئے مطالعہ فرمائیں:۔

(۱) محمد مسعود احمد: فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں، لاہور ۱۹۷۳ء

(۲) محمد مسعود احمد: امام احمد رضا اور عالم اسلام، کراچی ۱۹۸۲ء

شائع ہوا ہے۔ اس مقالے میں موصوف نے امام احمد رضا کے ترجمۂ قرآن کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے فرماتے ہیں ——— "جنہوں نے قرآن حکیم کے سائنسی علوم پر مکمل کر بحث کی ہے، آپ نے ثابت کر دیا کہ قرآن حکیم میں ہر موضوع موجود ہے"۔ [۱]

۴ - امام احمد رضا پر چوتھا الزام یہ تھا کہ وہ انگریزوں کے ایجنٹ تھے ——— غالباً یہ الزام تحریک خلافت (۱۹۱۹ء) اور تحریک ترک موالات (۱۹۲۰ء) کی مخالفت کی وجہ سے لگا جو انگریزوں کے خلاف چلائی گئی تھی ——— اصل میں یہ تحریکیں ہندوستانی سیاسی لیڈروں سے انگریزوں کی بدعہدی کا ردِ عمل تھا ——— دوسری جنگ عظیم، جس میں انگریز ترکوں کے خلاف لڑ رہے تھے، برطانوی حکومت کو ہندوستانی فوجیوں کی ضرورت پڑی، انہوں نے سیاسی لیڈروں سے وعدہ کیا کہ اگر ہم جیت گئے تو ہندوستانیوں کو محدود قسم کی آزادی دے دیں گے ——— چنانچہ مسٹر گاندھی اور مولانا محمد علی نے فوجی بھرتی میں اپنی انتھک کوشش کی اور ہندوؤں اور مسلمانوں کو بھرتی کرایا، ان مسلمان فوجیوں نے جاکر اپنے ترک بھائیوں کا خون بہایا ——— جب برطانوی حکومت جنگ جیت گئی تو وعدے سے پھر گئی ——— اس لئے اس کو مزہ چکھانے کے لئے تحریک خلافت اور پھر تحریک ترک موالات چلائی گئی ——— کل جو لیڈر ترکوں کے خلاف لڑنے کے لئے فوجی بھرتی کرا رہے تھے آج وہی لیڈر ترکوں کی حفاظت حمایت کا دم بھر رہے تھے ——— سیاست میں عقل کو دخل نہیں ——— جذبات بھڑکا کر عقل اندھی کر دی جاتی ہے مگر امام احمد رضا کی عقل بیدار تھی

---

[۱] ڈاکٹر لیاقت علی خاں نیازی: قرآن، سائنس اور امام احمد رضا بریلوی مطبوعہ چکوال ۱۹۹۱ء - ص ۸۷

اُن سے سیاسی بازی گروں کا یہ خوں آشام تماشا دیکھا نہ گیا اور انہوں نے اُن کے رازوں کو طشت از بام کرنا شروع کیا۔ اس کی سزا یہ ملی کہ اُن پر انگریزوں سے دوستی اور انگریزوں کی حمایت کا الزام لگایا گیا جو قطعی بے بنیاد الزام ہے ——— راقم نے اپنے مقالے "گناہِ بے گناہی" میں تحقیق کی ہے۔ یہ مقالہ ہزاروں کی تعداد میں پاکستان و ہندوستان سے شائع ہو چکا ہے اور اب ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی نے ۱۹۹۱ء میں اس کا انگریزی ترجمہ بھی شائع کیا ہے ——— کولمبیا یونیورسٹی کی فاضلہ ڈاکٹر اوشا سانیال نے بھی اپنے مقالہ ڈاکٹریٹ میں ثابت کیا ہے کہ امام احمد رضا انگریزوں کے مخالف تھے ——— ایک نومسلم انگریز فاضل ڈاکٹر محمد ہارون بھی امام احمد رضا کے سیاسی کردار پر تحقیق کر رہے ہیں، اُن کی تحقیق دسمبر ۱۹۹۱ء تک مکمل ہو جائے گی انشاء اللہ!

ہاں یہ عرض کرنا بھول گیا کہ تحقیق کے دوران امام احمد رضا کی تصانیف میں تو انگریزوں کی حمایت و دوستی میں ایک جملہ نہ ملا، لیکن اُن کے ہر مخالف کی تصنیف یا حالات میں کوئی نہ کوئی جملہ ایسا ضرور ملا جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ انگریزوں کے ان سے ظاہری و باطنی مراسم و روابط تھے ——— اس سے یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ ممکن ہے انگریزوں نے ہی ان لوگوں کو امام احمد رضا کے خلاف محاذ آرائی کے لئے تیار کیا ہو، کیونکہ انگریز سمجھتے تھے جب تک سوادِ اعظم اہلِ سُنّت زندہ ہیں، ایمان میں گرمی و حرارت موجود رہے گی اور یہی وہ گرمی و حرارت ہے جو سلطنتوں کو بناتی اور بگاڑتی ہے ——— اس کا تجربہ سلطنتِ عثمانیہ کی ... ت میں صدیوں تک وہ کرتے رہے ——— [۱]

۵ - امام احمد رضا پر پانچواں الزام یہ تھا کہ امام احمد رضا نے چونکہ مرزا غلام قادر بیگ سے پڑھا تھا، اور مرزا غلام احمد قادیانی کے ایک بھائی

[۱] مشہور اہلحدیث محقق ڈاکٹر سلمان شاہجہاں پوری نے تاریخی حقائق و شواہد کی روشنی میں ثابت کیا ہے دارالعلوم دیوبند کے مہتمم مولوی محمد احمد ابن مولوی قاسم نانوتوی اور مولوی اشرف علی تھانوی کا حکومت برطانیہ کی خفیہ پولیس سے ... (شاہ ولی اللہ اکیڈمی) ستمبر ۱۹۹۱ء ... حیدر آباد سندھ

کا نام بھی مرزا غلام قادر بیگ تھا، ہو نہ ہو یہ اُستادِ گرامی وہی غلام احمد قادیانی کے بھائی تھے ــــ بھائی تھے تو ضرور قادیانی مذہب رکھتے ہوں گے، جب امام احمد رضا نے ایک قادیانی سے پڑھا تو ضرور وہ بھی قادیانی ہوں گے یا کم از کم اُس کی طرح گمراہ تو ہوں گے ــــ آپ نے یہ نادر روزگار استدلال ملاحظہ فرمایا۔ یہ وہ مقام ہے جہاں عقل کو بھی دخل نہیں کیونکہ ؎

مستند ہے میرا فرمایا ہوا

علامہ شرف قادری نے اس الزام کا بہترین اور تشفی بخش ردّ فرمایا ہے ــــ لُبِ لباب یہ ہے کہ امام احمد رضا کے اُستاد مرزا غلام قادر بیگ مرچکے تھے۔ ایک ہی وجود کا بیک وقت مرنا اور جینا محالات میں سے ہے، مگر احسان الٰہی ظہیر نے نہ صرف ناممکن کو ممکن بنایا بلکہ محال کو بھی ممکن بنا دیا ــــ ڈاکٹر اوشا سانیال اور دوسرے محققین نے بھی اپنی تحقیقات میں اس الزام کو بے بُنیاد قرار دیا ہے خصوصاً جبکہ مرزا غلام احمد قادیانی کے خلاف امام احمد رضا کی کئی تصانیف موجود ہیں ــــ ایسی صورت میں کوئی ہٹ دھرم اور ضِدی و بے عقل ہی اصرار کرسکتا ہے ــــ

الغرض البریلویہ میں امام احمد رضا پر بہت سے بے بُنیاد الزامات لگائے گئے جن کا مسکت اور معقول و محققانہ جواب حضرت علامہ شرف صاحب نے دیا ہے جو آپ خود ملاحظہ فرمائیں گے ــــ

دُشمن اپنی دُشمنی میں کبھی حد سے گزر جاتا ہے، بعض اوقات یہ دُشمنی اُس کے مخالف کے لئے رحمت بن جاتی ہے ــــ البریلویہ کے مصنّف

کی دشمنی حد سے گزر گئی لیکن یہ امام احمد رضا کے لئے رحمت ثابت ہوئی۔۔۔۔ البریلویہ کی اشاعت کے بعد یہ احساس قوی سے قوی تر ہوتا چلا گیا کہ امام احمد رضا پر عربی میں کام ہونا چاہیئے۔ اس سے قبل جسٹس سید شجاعت علی قادری کی مجدد الأمۃ شائع ہو چکی تھی، مولانا محمد احمد مصباحی کا ایک مقالہ ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد کے عربی مجلے میں شائع ہو چکا تھا لیکن البریلویہ کی اشاعت کے بعد عربی میں مسلسل کام ہونے لگا۔۔۔۔ امام احمد رضا کا عربی حاشیہ جد الممتار علی الرد المحتار حیدر آباد دکن سے چھپ کر المجمع الاسلامی، مبارکپور سے شائع ہوا۔ اس پر مولانا محمد احمد مصباحی، مولانا افتخار احمد قادری، مولانا عبد المبین نعمانی نے امام احمد رضا کے حالات و افکار اور علامہ ابن عابدین شامی کے حالات پر عربی میں وقیع مقالات کا اظہار کیا۔۔۔۔ ڈاکٹر عبد الباری ندوی کی نگرانی میں مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ سے پروفیسر محمود حسین بریلوی نے امام احمد رضا کے عربی آثار پر مقالہ قلم بند کر کے ایم۔فل کیا، عثمانیہ یونیورسٹی، حیدر آباد دکن سے پروفیسر عبد السمیع صاحب نے امام احمد رضا کی عربی شاعری پر ایم۔فل کے لئے مقالہ لکھا۔۔۔۔ مفتی محمد مکرم احمد صاحب (شاہی امام مسجد فتحپوری، دہلی) نے بین الاقوامی امام احمد رضا کانفرنس (منعقدہ، کراچی ۱۹۹۱ء) میں امام احمد رضا کے عربی قصائد پر ایک وقیع مقالہ پڑھا۔۔۔۔ کراچی یونیورسٹی کے پروفیسر جلال الدین نوری نے امام احمد رضا کے معاشی نظریہ پر ایک مفصل مقالہ لکھا جو طبع ہو کر بغداد کی بین الاقوامی اسلامی کانفرنس کے مندوبین میں تقسیم کیا گیا۔۔۔۔ موصوف ہی نے امام احمد رضا پر عربی میں ایک ضخیم کتاب لکھی ہے۔۔۔۔ افغانستان کی سابق جمہوری حکومت کے چیف جسٹس محمد نصر اللہ خاں صاحب نے امام احمد رضا کے حالات و افکار پر کلاسیکل عربی میں ایک شاندار مقالہ قلمبند

کیا ——— راقم نے ایک تحقیقی مقالہ لکھا جس کا عربی ترجمہ مولانا ممتاز احمد سدیدی نے کیا۔ یہ مقالہ مجمع الملکی لبحوث الحضارۃ الاسلامیہ، عمان (اردن) سے شائع ہونے والی انسائیکلو پیڈیا کی پہلی جلد میں طبع ہوا۔ ایک اور مفصل تحقیقی مقالہ جو پاکستان ہجرہ کونسل، اسلام آباد کی طرف سے شائع ہونے والی عالمی مسلم مشاہیر کی انسائیکلو پیڈیا کے لئے لکھا تھا۔ مولانا محمد عارف اللہ مصباحی نے اس کا عربی میں ترجمہ کیا جو ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا، کراچی اور جامعہ نظامیہ رضویہ، لاہور کے تعاون سے ۱۹۹۱ء میں شائع ہوا ——— الغرض کہاں تک ذکر کروں ؎

سفینہ چاہیئے اس بحر بے کراں کے لئے

احسان الٰہی ظہیر، امام احمد رضا کی عداوت میں البریلویہ پیش نہ فرماتے تو شاید عربی زبان میں امام احمد رضا پر اس سرعت سے کام نہ ہوتا لیکن اس عداوت سے مصنف البریلویہ کو کوئی فائدہ نہ ہوا، سارا فائدہ اہلِ سنت وجماعت کو ہوا ——— رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور عاشقانِ رسول علیہ التحیۃ والتسلیم کی شان میں گستاخیوں اور زبان درازیوں کا انجام اچھا نہیں ہوتا ——— ذرا گستاخانِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نظر ڈالئے اور اُن کا انجام دیکھئے، ایک طویل فہرست نظر آتی ہے ———

ابولہب، عتبہ ابولہب، اُمِ جمیل، ابورافع، عمرو بن جحاش، ابن حطل، سفیان بن ہذل، ابی بن خلف، امیہ بن خلف، اسماء بنت مروان، اُمِ دلد، ابوعامر، شاہِ کسریٰ، عاص بن وائل سہمی، اسود بن عبد یغوث، حارث بن قیس، ابوالقیس بن الفاکہ، نضر بن حارث، عبداللہ بن قمیہ، ابی عفک وغیرہ وغیرہ

خواجہ معز الدین اشرفی نے اپنی کتاب "گستاخوں کا عبرتناک انجام" (مطبوعہ حیدرآباد دکن ۱۹۹۱ء) میں ان گستاخوں کے عبرتناک انجام کی تفصیلات دی ہیں ———

ایک اور بزرگ مولانا انیس احمد نوری نے "دورِ جدید کے گستاخوں کے عبرتناک انجام"

کی تفصیلات جمع کی ہیں۔ تو عرض کرنا ہے کہ گستاخیوں اور زبان درازیوں کا انجام اچھا نہیں ہوتا

امام احمد رضا عاشقِ رحمۃ للعالمین اور محبوبِ رب العالمین تھے ــــ اُن کا آغاز و انجام دونوں ایک سے ایک بڑھ کر ہوا۔ اُن کے عشقِ نبوی (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کا یہ عالم تھا کہ روئیں روئیں سے یہ صدا بلند ہو رہی تھی ؎

کاش ہر موئے من زبانے بودے
در ثنائے تو یا رسول اللہ!

۱۹۹۱ء میں مدینہ منوّرہ حاضر ہُوا، مواجہہ شریف میں کچھ غلام ہاتھ باندھے امام احمد رضا کا سلام، ع

مصطفٰے جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

عرض کر رہے تھے۔ خود راقم نے بھی امام احمد رضا کا درود، ع

کعبہ کے بدر الدجیٰ، تم پہ کروڑوں درود

اور سلام۔ ع

مصطفٰے جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام ــــ پیش کیا۔ کیا عرض کروں کہ کیا لطف و سرور آیا، زبان و قلم دونوں عاجز ہیں۔ مدینہ منوّرہ میں تین محافلِ نعت میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی۔ ہر محفل میں امام احمد رضا کا سلام پڑھا گیا ــــ اللہ اللہ! کیا مقبولیت و محبوبیت ہے کہ دیارِ حبیب صلّی اللہ علیہ وسلّم کی فضائیں بھی امام احمد رضا کے سلام سے گونج رہی ہیں، تاجدارِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے حضور بھی پڑھنے والے یہ سلام پڑھ رہے ہیں، آنسو بہا رہے ہیں، دِل بچھا رہے ہیں ــــ اللہ اللہ وہ تاجدارِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے دربار میں کتنے مقبول ہیں! ــــ کوئی اُن سے

محبت کر کے تو دیکھے وہ اپنے عاشقوں سے کتنا پیار کرتے ہیں، وہ اپنے جاں نثاروں کو کتنا چاہتے ہیں ——— وہ جب دینے پر آتے ہیں تو دیتے چلے جاتے ہیں ؎

مرے کریم سے گر قطرہ کسی نے مانگا
دریا بہا دیئے ہیں، دُر بے بہا دیئے ہیں

اے کاش! ہم سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنا سیکھ جائیں ——— اے کاش! ہم عاشقانِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے عشق و محبت کا سلیقہ سیکھ جائیں ——— اے کاش! ہم عقل کی بھول بھلیوں سے باہر نکلنا سیکھ جائیں! ——— اے کاش! ہم دل کی گہرائیوں میں گم ہونا سیکھ جائیں۔ اے کاش! ہم خود کو کھونا اور اُن کو پانا سیکھ جائیں ؎

آئی جو اُن کی یاد تو آتی چلی گئی
ہر نقشِ ماسوا کو مٹاتی چلی گئی

احقر

محمد مسعود احمد عفی عنہ
پرنسپل، گورنمنٹ ڈگری کالج اینڈ پوسٹ گریجویٹ
اسٹڈیز سنٹر سکھر (سندھ) پاکستان

۱۴ ربیع الثانی ۱۴۱۲ھ
۲۳ اکتوبر ۱۹۹۱ء

افتائے حرمین کا تازہ عطیہ

مؤلفہ: مولوی سید محمد عبدالرحمٰن قادری رضوی

امام احمد رضا ۱۹۰۷ء میں حج بیت اللہ شریف اور زیارتِ حرمین شریفین کے لئے حجازِ مقدس حاضر ہوئے۔ آپ کے مخالفین کچھ ہندوستانی علماء وہاں موجود تھے۔ انہوں نے علمِ غیب سے متعلق ایک استفتاء تیار کر کے والیٔ حجاز علی پاشا کے دربار میں پیش کیا اور علی پاشا نے مفتی حنفیہ شیخ صالح کمال کی وساطت سے امام احمد رضا سے اس کا جواب طلب کیا۔

امام احمد رضا نے صرف ساڑھے آٹھ گھنٹے میں عربی زبان میں ایک فاضلانہ مقالہ قلمبند کیا جس کا تاریخی نام "الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ" (۱۳۲۳ھ) رکھا ـــ یہ جواب علی پاشا کے دربار میں پڑھا گیا اور اس کی بہت پذیرائی ہوئی، مخالفین نادم و شرمسار ہوئے۔ اس مقالے پر علماء حرمین شریفین نے تقاریظ قلمبند کیں اور اس کو بہت سراہا۔ مخالفین نے یہ قدر و منزلت دیکھ کر ہندوستان میں یہ مکروہ اور بے بنیاد پروپگینڈہ کیا کہ خدا نخواستہ حرمین شریفین میں امام احمد رضا ذلیل و رسوا ہوئے۔ اس وقت تک نہ مقالہ شائع ہوا تھا اور نہ تقاریظ۔ چنانچہ ان افواہوں کا منہ بند کرنے کے لئے فوری طور پر مولانا سید عبدالرحمٰن قادری بیہقی نے مقالے اور تقاریظ کا خلاصہ تیار کیا اور اس کو چھپوا کر ۱۹ شعبان المعظم ۱۳۲۸ھ کو دارالعلوم منظرِ اسلام (بریلی شریف) کے جلسۂ تقسیم اسناد کے موقع پر شائع کیا۔ بعد میں اصل مقالہ اور تقاریظ بھی شائع کر دی گئیں۔

طاہر

فاضل جلیل علامہ ہدایت اللہ سندھی مہاجر مدنی

(محررہ ۱۳۳۰ھ/ ۱۹۱۲ء)

اعلم علماء زماں، افقہ فضلائے دوراں، عالم و حامی سنت، فاتح بدعت، مجدد مائۃ حاضرہ، مؤید ملت طاہرہ، محمود الفضائل، محمود الا فاضل، جنہوں نے اپنی ذات کو دین متین کی مدد کے لئے وقف کر دیا ہے اور جو سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے تحفظ میں سرگرم ہیں اور اللہ کے راستے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے اور محبوب رب العالمین کی نعت گوئی میں جنہوں نے سب کچھ پیچھے چھوڑ دیا۔ حب نبوی میں ہمہ وقت گم ہیں، نعت گوئی کے سمندر سے ایسے ایسے موتی انہوں نے نکالے جن کی قیمت دنیا اور آخرت میں نہیں لگائی جا سکتی۔ وہ اس کے اہل ہیں کہ ان کے نام سے قبل اور بعد میں کوئی بھی فضیلت کا خطاب لگایا جائے یعنی مولانا عبد المصطفیٰ الشیخ احمد رضا خاں صاحب حنفی قادری جن کے علم ظاہر و باطن کا اعلان اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہو چکا۔ اللہ ان کو ہمیشہ قائم و دائم رکھے اور ان کے وجود باجود سے تمام استفادہ کرنے والے اور فیض اٹھانے والے قیامت تک فیضیاب ہوتے رہیں۔ آمین بجاہ طٰہٰ و یٰسین صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم اجمعین۔

(ترجمہ از علامہ خالد فاخری مطبوعہ معارف رضا، کراچی ۱۹۸۶ء، ص ۱۰۲)

باسمہ تعالیٰ

تقدیم

انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد پاک و ہند میں سیاسی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ فکر و خیال میں بھی تبدیلیاں آنے لگیں، مختلف تحریکیں سر اُٹھانے لگیں، سوادِ اعظم اہلِ سُنّت و جماعت (جو ہر عہد میں دشمنانِ اسلام کے لئے ایک چیلنج رہی ہے) کی تقسیم در تقسیم کا اہتمام کیا جانے لگا۔ یہ ایک طویل اور المناک داستان ہے جس کو چھپانے کی کوشش کی جاتی ہے —— شعوری یا غیر شعوری طور پر بعض علمائے نے تقسیم کے اس عمل میں اہم کردار ادا کیا اور دشمنانِ اسلام کے ہاتھ مضبوط کئے —— امام احمد رضا نے، جو اس دورِ پُر آشوب میں ملّتِ اسلامیہ کے پاسبان اور محافظ بن کر مُجاہدانہ آن بان سے اُبھرے، تقسیم کے اس عمل پر کاری ضربیں لگائیں —— انہوں نے تقسیم کی ہر کوشش کا تعاقب کیا تاکہ ملّتِ کی وحدت پارہ پارہ نہ ہو —— ایمان کی حرارت اور اسلام کی رونق عشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلّم) اور احساسِ عظمتِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلّم) سے ہے۔ یہی حرارت و عشق مسلمانوں کو اللہ کے حضور بھی با ادب بناتے ہیں۔ اللہ کی پہچان رسولِ انور صلی اللہ علیہ وسلّم کے وسیلۂ جلیلہ ہی سے میسّر آتی ہے، آپ کو بھلا دینا، آپ کی تحقیر و تخفیف کرنا بدبختی اور احسان فراموشی کی انتہا ہے —— امام احمد رضا نے توحید و رسالت کے عالمگیر اسلامی تصوّر کے ساتھ ساتھ عشق و عظمتِ مُصطفٰے (صلی اللہ علیہ وسلّم) کا نقش مسلمانوں کے دلوں میں بٹھایا، روحوں کو جگایا، ہر اُس قول اور اُس تحریک کا سختی سے نوٹس

لیا، جس سے مسلمانوں کو عشق و عظمتِ مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے احساس سے محروم کر کے راکھ کا ڈھیر بنانے کی کوشش کی گئی ——

چنانچہ بعض علماء نے یہ کوشش کی مثلاً مولوی محمد قاسم نانوتوی نے "تحذیر الناس میں بعض ایسی باتیں لکھ دیں، جن سے ختمِ نبوت کے عقیدے پر زد پڑتی تھی، مولوی خلیل احمد انبیٹھوی نے براہینِ قاطعہ میں ایسی بات لکھدی جس سے معاذ اللہ اللہ سے جھوٹ کی نسبت ثابت ہوتی تھی، مولوی اشرف علی تھانوی نے حفظ الایمان میں ایسی باتیں لکھدیں جن سے حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم و معارف کی حیوانوں اور درندوں سے مماثلت پائی جانے لگی" (معاذ اللہ) —— امام احمد رضا نے اس قسم کی تحریروں کا سختی سے نوٹس لیا اور حسام الحرمین (۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء) اور تمہیدِ ایمان بآیاتِ قرآن (۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء) وغیرہ میں دلائل و براہین سے ان کا رد کیا اور قائلین پر شرعی فتوے نافذ کیے —— قائلین کی طرف سے مولوی ثناء اللہ امرتسری اور مولوی مرتضیٰ حسن دربھنگی نے جوابات دیئے اور سعیٔ لاحاصل کی۔ اہلِ سنت کی طرف سے جواب میں تقریباً ۸ رسائل لکھے گئے۔

—— کشمکش کے اسی زمانے میں امام احمد رضا ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء میں دوسری بار حج بیت اللہ شریف اور زیارتِ حرمین شریفین کے لئے حاضر ہوئے —— مولوی حسین احمد دیوبندی پہلے ہی مدینہ منورہ میں موجود تھے، مولوی خلیل احمد انبیٹھوی بھی اسی سال مکہ معظمہ پہنچ گئے ——

امام احمد رضا کے ساتھ اُن کے بڑے صاحبزادے علامہ محمد حامد رضا خاں بھی تھے جو اپنے ساتھ حسام الحرمین کا مسودہ علماءِ حرمین سے تقاریظ لکھوانے لے گئے تھے، جس میں مولوی محمد قاسم نانوتوی، مولوی رشید احمد

گنگوہی، مولوی خلیل احمد انبیٹھوی، مولوی اشرف علی تھانوی وغیرہ کی تحریروں پر گرفت کرتے ہوئے فتوے لگائے گئے تھے ——— یہ بات مولوی خلیل احمد اور مولوی حسین احمد کے علم میں ہوگی اس لئے ان لوگوں نے امام احمد رضا کے مکہ معظمہ پہنچتے ہی اپنی مہم کا آغاز کر دیا تاکہ حرمین شریفین میں امام احمد رضا کو نیچا دکھایا جائے مگر اللہ کو کچھ اور منظور تھا ———

مولوی خلیل احمد انبیٹھوی اور بعض دیگر حضرات نے شریفِ مکہ علی پاشا تک رسائی حاصل کی اور مسئلہ علمِ غیب سے متعلق پانچ سوالات پیش کئے تاکہ مفتی حنفیہ شیخ صالح کمال کی وساطت سے امام احمد رضا سے اس کے جوابات حاصل کئے جائیں ——— مخالفین کا خیال تھا کہ امام احمد رضا اللہ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو برابر سمجھتے ہیں اور جب وہ اس عقیدے کا اظہار حرمین شریفین میں کریں گے تو یقیناً اُن پر کفر کا فتویٰ لگے گا اور وہ عتابِ شاہی میں آجائیں گے ——— مگر مخالفین کا یہ الزام سراسر بہتان تھا ——— بہرحال شیخ صالح کمال نے ۲۵ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۶ء کو کتب خانۂ حرم میں امام احمد رضا کی خدمت میں شریفِ مکہ علی پاشاہ کی طرف سے یہ استفتاء پیش کیا ——— امام احمد رضا نے اُن سوالات کے جوابات لکھنے شروع کئے۔ اُن کے صاحبزادے علامہ محمد حامد رضا خاں مسودے کو صاف کرتے گئے۔ یہاں تک کہ ۲۶ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۶ء کو جس تحریر کا آغاز ہوا تھا وہ ۲۷ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۶ء کو ساڑھے آٹھ گھنٹوں میں دو نشستوں میں مکمل ہوگئی اور اس کا تاریخی نام

الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ (۱۳۲۳ھ/۱۹۰۶ء)

رکھا گیا ——— یہ تحریر جو ایک تحقیقی مقالے کی صورت اختیار کر چکی تھی، مفتی

خلیفہ شیخ صالح کمال کی خدمت میں پیش کردی گئی تاکہ وہ والیٔ حجاز علی پاشاہ کی خدمت میں پیش کردیں ——— شیخ موصوف نے امام احمد رضا کا یہ مقالہ جو مسئلۂ علم غیب پر حرفِ آخر تھا، والیٔ حجاز کی خدمت میں پیش کردیا ——— حکم ہوا کہ برسرِ دربار پڑھا جائے، دربار بھرا ہوا ہے، اپنے و بیگانے سب بیٹھے ہیں، بیگانوں میں احمد فگیہ اور عبدالرحمٰن اسکوبی قابلِ ذکر ہیں جو بہت آگے آگے تھے ——— حسبِ ارشاد والیٔ حجاز، مفتی خلیقہ نے دربار میں امام احمد رضا کا مقالہ پڑھنا شروع کیا ——— احمد فگیہ اور عبدالرحمٰن اسکوبی نے بیچ بیچ میں خواہ مخواہ لقمے دینے شروع کئے ——— والیٔ حجاز نے ڈانٹ کر خاموش کردیا اور بڑی توجہ سے سارا دربار امام احمد رضا کا مقالہ سنتا رہا ——— آدھی رات تک یہ مقالہ پڑھا گیا اور امام احمد رضا پر لگائے گئے الزامات کی حقیقت کھل کر سامنے آگئی، مخالفین سرنگوں اور شرمسار ہوتے ——— والیٔ حجاز علی پاشاہ جب امام احمد رضا کا محققانہ مقالہ سن چکا اور حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم و معارف کے جلوے دیکھ چکا تو دربار میں بے ساختہ بولا :-

اللہ معطی وھٰؤلاء یمنعون

"اللہ تو (اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو) علمِ غیب عطا فرماتا ہے اور یہ لوگ انکار کرتے ہیں!"

(الملفوظ، حصہ دوم، (۱۳۳۸ھ)، لاہور، ص ۲-۱۶)

الحمد للہ امام احمد رضا برسرِ دربار سرخرو ہوئے اور ان کا نام روشن ہوگیا ——— دربار میں مایوس ہونے کے بعد مخالفین نے گورنر مکہ احمد راتب پاشا کے کان بھرے کہ ہندوستان سے ایک مولوی آیا ہے، مسلمانوں کے

عقیدے خراب کر رہا ہے حتیٰ کہ شیخ محمد سعید بابصیل، شیخ صالح کمال، مولانا ابوالخیر میرداد وغیرہ اُس کے ہم نوا ہوگئے اور اُس کے کہنے میں آگئے۔ گورنر نے جب یہ سُنا کہ ایسے جلیل القدر علماء امام احمد رضا کے ہمنوا ہیں تو اُس نے مخالفین سے کہا:۔

اذا کان ھؤلاء معہ فھو لیفسدام یصلح؟

"جب یہ حضرات اُس کے ہم نوا ہیں تو وہ مُفسد ہُوا یا مصلح؟"

(الملفوظ، حصّہ دوم (۱۳۳۸ھ) لاہور۔ ص ۲-۱۶)

امام احمد رضا پر اڑائی گئی خاک جب صاف ہوگئی تو مولوی خلیل احمد انبیٹھوی کی بات سامنے آئی کہ انہوں نے براہین قاطعہ میں اللہ کے لئے جھوٹ ثابت کیا ہے (معاذاللہ!) —— پہلے وہ امام احمد رضا کے پیچھے پڑے تھے اب خود مواخذہ کی زد میں آگئے —— وہی مُفتی حنفیہ شیخ صالح کمال جن کے ذریعہ مسئلۂ علمِ غیب پر جواب طلب کیا گیا تھا اور امام احمد رضا سے باز پُرس کی گئی تھی، خُدا کی شان اب وہی مُفتی حنفیہ، مولوی خلیل احمد سے باز پُرس فرما رہے ہیں اور مولوی صاحب راہِ فرار اختیار کر رہے ہیں —— بات یہ ہوئی کہ جب مُفتی حنفیہ کو براہین قاطعہ کی عبارت کا پتہ چل گیا اور اُس پر حکم کفر کا لگا چکے تو مولوی خلیل احمد اُن کی خدمت میں صُلح وصفائی کے لئے حاضر ہوئے —— نام تو مُفتی صاحب نے سُنا تھا مگر صورت نہ دیکھی تھی، پہلی بار دیکھا —— اس ملاقات کی کیفیت خود شیخ صالح کمال نے محافظِ کتب حرم مکہ معظمہ شیخ سید اسمٰعیل آفندی کے نام ایک خط میں تحریر فرمائی ہے۔ اس خط کا اردو ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:۔

"ایک ہندی خلیل احمد نام ہم کو منانے آیا اس لئے کہ میں نے

اُس کی کتاب براہینِ قاطعہ کا تذکرہ حضرت شریف (علی پاشاہ والیٔ حجاز) سے کر دیا تھا ——— میں نے کہا کہ تجھ پر افسوس تو نے کیوں کر وہ شنیع کلام لکھے اور خدا کا جھوٹا ہونا جائز کہا؟ ——— میں نے تجھے زندیق لکھ چکا ہوں، اب تو کیسے مُنکر ہوتا ہے، کتاب چھپ چکی ہے؟ ——— بولا ——— اے سردار میرے! وہ کتاب تو میری ہے لیکن میں نے اُس میں خدا کا کذب ممکن نہیں لکھا ——— اور لکھا ہو تو اب میں توبہ کرتا ہوں ——— میں نے کہا ——— براہین نکالوں اور تجھے دکھا دوں جو گستاخی تُو نے اللہ کی جناب میں کی ہے ——— تو عذر کرنے لگا ——— اور بولا ——— مجھ پر کسی نے جھوٹ باندھ دیا ہے ——— مجھے تعجب ہُوا کہ چھپی ہوئی کتاب سے کیسے مُکرتا ہے؟ ——— اور میں نے سمجھ لیا کہ یہ رافضیوں کا سا تقیہ ہے ——— میں نے چاہا تھا کہ کتاب نکالوں اور کسی مترجم کو بُلا کر اُس پر ثابت کر کے توبہ لوں مگر وہ دوسرے ہی دن جدّہ کو بھاگ گیا" ———

(مکتوب محررہ ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۶ء از مکۃ المکرمہ)

مفتی حنفیہ شیخ صالح کمال نے شیعوں کی طرح تقیہ والی بات دل لگتی کہی ہے ——— اس تقیہ کی بہار دیکھنی ہو تو مولوی خلیل احمد کی المہند علی المفند اور مولوی حسین احمد کی الشہاب الثاقب علی المسترق الکاذب ملاحظہ فرمائیں ——— اہلِ علم پڑھ کر حیران ہوتے ہیں کہ جن حضرات کو اُن کے معتقدین مسندِ عظمت پر بٹھاتے ہیں وہ کتنے پست ہیں ———

بہرحال ۲۴ صفر المظفر ۱۳۲۴ھ / ۱۹۰۶ء کو امام احمد رضا مکہ معظمہ

سے حج کی سعادت حاصل کر کے کامیاب و کامراں مدینہ منوّرہ روانہ ہوئے —— یہاں مولوی حسین احمد دیوبندی پہلے ہی موجود تھے اور اپنی سی کوشش میں لگے ہوئے تھے جس کی تفصیل شہاب ثاقب میں دی ہے —— مدینہ منوّرہ حاضری کے بعد امام احمد رضا نے حسام الحرمین اور الدولۃ المکیہ پر مختلف علماء سے تقاریظ لکھوائیں۔ اس سلسلے میں ایک عالم مفتی شافعیہ سیّد احمد بن سیّد اسماعیل برزنجی نابینا کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے۔ چونکہ وہ خود پڑھ نہ سکتے تھے اس لئے امام احمد رضا نے الدولۃ المکیہ خود پڑھ کر سنائی۔ مفتی صاحب نے بعض جگہ اعتراض وارد کئے مگر امام احمد رضا نے عالمانہ شان کے ساتھ جوابات دیئے، یہ انداز اُن کو پسند نہ آیا اور انہوں نے دل میں گرہ باندھ لی —— مجلس ختم ہوگئی، غالباً انہوں نے تقریظ نہیں لکھی، اُن کے علاوہ مدینہ منوّرہ کے بکثرت علماء نے تقاریظ تحریر فرمائیں جو شائع ہو چکی ہیں —— اس ملاقات کے بعد مفتی صاحب کے شاگرد شیخ عبدالقادر طرابلسی شیبی امام احمد رضا کے دولت کدے پر آئے اور بعض مسائل میں اُلجھنا چاہا، علامہ محمد حامد رضا خاں صاحب نے مسکت جوابات دیئے، یہ بھی اپنا سا منہ لے کر چلے گئے —— ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دونوں حضرات کو پہلے ہی مولوی حسین احمد اور اُن کے دوستوں نے امام احمد رضا سے بدگمان کر دیا تھا —— پھر ملاقاتوں میں اور تلخی ہوگئی —— بعض مولویوں کی عادت ہوتی ہے کہ کسی مسئلے میں اُن کی خواہش کے خلاف دلائل سے اُن کو خاموش کر دیا جائے تو دل کی بھڑاس نکالنے کے لئے رسالہ ضرور لکھتے ہیں۔ مفتی صاحب نے بھی یہی کچھ کیا —— انہوں نے مسئلہ علمِ غیب پر ایک رسالہ لکھا جس کا عنوان تھا ——

"غایۃ المامول فی تتمہ منہج الوصول فی تحقیق علمِ غیب الرسول"

یہ رسالہ امام احمد رضا کے مخالفین نے ہاتھوں ہاتھ لیا اور امام احمد رضا کے خلاف مہم میں اس کو خوب استعمال کیا، امام احمد رضا کے خلاف نئی نئی الزام تراشیوں کی مہم چلا کر اپنوں اور بیگانوں سب کو بدظن کیا اور بار بار اس الزام کو دہرایا کہ امام احمد رضا اللہ اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے علم کو (معاذ اللہ) برابر سمجھتے ہیں —— اس کے علاوہ غایۃ المامول میں مفتی شافعیہ شیخ سید احمد بن سید اسماعیل برزنجی نے بھی الدولۃ المکیہ کے حوالے سے امام احمد رضا سے غلط باتیں منسوب کر دی تھیں —— اس صورتحال نے امام احمد رضا کو متفکر کر دیا اور انہوں نے علماء حرمین سے اصل حقائق کی تصدیق چاہی، سب نے دل کھول کر امام احمد رضا کی حمایت و تائید کی اور غایۃ المامول میں لگائے گئے الزامات کی تغلیط و تکذیب کی ——

الزام تراشی کی ان فضاؤں میں جب کہ یہ مشہور کر دیا گیا تھا کہ علماء حرمین نے امام احمد رضا پر کفر کا فتویٰ لگا دیا ہے الدولۃ المکیہ کی تدوین کا اہتمام کیا گیا۔ چنانچہ اصل متن کے ساتھ اردو ترجمہ، تقاریظ اور اُن کا اُردو ترجمہ ایک کتابی شکل میں مرتب کر لیا گیا مگر اس کتاب کا اتنی جلدی چھپنا ممکن نہ تھا جبکہ مخالفین نے ایک طوفان کھڑا کر رکھا تھا۔ اس کے علاوہ دار العلوم منظر اسلام (بریلی) کا سالانہ جلسہ تقسیم اسناد بھی ۱۹ شعبان المعظم ۱۳۲۸ھ کو ہونے والا تھا۔ چنانچہ وقت کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے مولانا سید عبد الرحمٰن قادری رضوی بیتھوی نے الدولۃ المکیہ کے ایک حصے (جو مسئلہ علم غیب سے متعلق ہے) کا خلاصہ تیار کیا اور اسی کے ساتھ بعض تقاریظ کا خلاصہ بھی شامل کیا اور کتاب کا نام یہ تجویز کیا

افتائے حرمین کا تازہ عطیہ

۱۳۲۸ھ

یہ خلاصہ ۹ شعبان المعظم ۱۳۲۸ھ / ۱۹۱۰ء کو تیار ہوا اور ۱۹ شعبان المعظم ۱۳۲۸ھ کو چھپ کر جلسۂ تقسیم اسناد میں تقسیم ہوا —— اس خلاصے کی اشاعت کے مقاصد بقول مؤلف یہ تھے:

- —— مذہبِ حق کی توضیح
- —— غایۃ المامول کی اغلاط کی تغییر و تصحیح
- —— افتراءاتِ وہابیہ کی تذلیل و تفضیح

مقالہ الدولۃ المکیۃ میں دو حصے تھے۔ پہلے حصے میں مذہبِ حق کا بیان اور دوسرے حصے میں مخالفین کا رد —— لیکن پیشِ نظر خلاصہ میں صرف پہلے حصے کا خلاصہ شامل کیا گیا جس میں مندرجہ ذیل چھ فصلیں ہیں:

فصل اوّل —— مسلمانوں کا ایمان پورے قرآن پر ہے

فصل دوم —— مجموع علوم، جملہ مخلوقات کی علمِ الٰہی سے مساوات کا خطرہ بھی کسی مسلمان کے دل میں نہیں گزرتا

فصل سوم —— بندوں کو صرف علم غیب عطائی ہے

فصل چہارم —— مخالفین کا مکر کہ حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلّم کے لئے "بعض علمِ غیب" ماننے میں اہلِ سنّت اور ہم برابر ہیں۔

فصل پنجم —— مخالفین اور اہل سنت کے "بعض علم غیب" میں فرق

فصل ششم —— غیوب خمسہ خدا کے بتائے بغیر معلوم نہیں ہو سکتے۔

اصل مقالہ الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیہ مع تقاریظ اور اردو ترجمہ بعد میں شائع ہوا —— یہ پاک و ہند سے متعدد بار شائع ہو چکا ہے۔ ترکی سے بھی شائع ہوا ہے۔ راقم نے اپنی تالیف "فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر

میں (لاہور ۱۹۷۴ء) کے ایک باب میں اس مقالہ کا تفصیلی ذکر کیا ہے اور تقاریظ کے اقتباسات بھی دیئے ہیں۔ اس مقالہ کے پاک و ہند سے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ دوسری تالیف امام احمد رضا اور عالمِ اسلام (کراچی ۱۹۸۲ء) میں الدولۃ المکیۃ کی غیر مطبوعہ تقاریظ کے عکس مع اردو خلاصہ پیش کیا ہے۔ الدولۃ المکیۃ پر لندن یونیورسٹی کے شعبہ ابلاغیات کے صدر ڈاکٹر محمد حنیف اختر فاطمی نے انگریزی میں ایک مقالہ "اسلام کا تصورِ علم" قلمبند کیا ہے۔ جو رضا اکیڈمی، اسٹاک پورٹ (انگلستان) نے عرصہ ہوا شائع کر دیا ہے ——

المختصر مقالہ الدولۃ المکیۃ، امام احمد رضا کا ایک یادگار محققانہ رسالہ ہے جس پر عرب و عجم کے بے شمار علماء نے تقاریظ لکھیں اور امام احمد رضا کے علم و فضل کا کھلے دل سے اعتراف کیا۔ حتیٰ کہ اُن کو چودہویں صدی ہجری کا مجدد برحق تسلیم کیا ——

پیشِ نظر خلاصہ اُسی کا عکسِ جمیل ہے، مطالعہ کریں اور اپنے فکر و خیال کو سنواریں۔ --- مولیٰ تعالیٰ پیرزادہ علامہ اقبال احمد فاروقی زید لطفہٗ کو اور اُن کے جملہ معاونین کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ وہ ایک نادر و نایاب رسالہ کو ایک مدت گزر جانے کے بعد پھر منظرِ عام پر لا رہے ہیں۔ امام احمد رضا کے افکار و نظریات کے جلوے دکھا رہے ہیں اور علماءِ حرمین شریفین کے دل میں اُن کی قدر و منزلت کی جھلک دکھا کر سکتے بٹھا رہے ہیں —— آمین!

احقر
محمد مسعود احمد

پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج اینڈ پوسٹ گریجویٹ اسٹڈیز سنٹر۔ سکھر (سندھ)

۲۸ رجب المرجب ۱۴۱۲ھ
۳ فروری ۱۹۹۲ء

دیوبند سے بریلی تک

مؤلفہ: علامہ کوکب نورانی

"آپ اہلِ سُنّت وجماعت کے معروف اور مشہور عالمِ دین حضرت علامہ محمد شفیع اوکاڑی علیہ الرحمہ کے فرزندِ ارجمند ہیں —— عالم و فاضل ہیں، تحریر و تقریر کا بڑا صاف سُتھرا ذوق رکھتے ہیں —— مسلکِ اہلِ سُنّت وجماعت کے لئے آپ کی خدمت لائقِ ستائش ہیں —— متعدد ممالک میں آپ نے تبلیغی دورے کئے ہیں۔ وہ کئی کتابوں کے مصنّف بھی ہیں —— زیرِ تقدیم کتاب "دیو بند سے بریلی تک" میں آپ نے مسلکِ امام احمد رضا خاں بریلوی کی حقانیت کو اُجاگر کیا ہے اور مخالفین کے رازہائے درونِ خانہ سے پردہ اُٹھایا ہے —— یہ کتاب تقدیم کے ساتھ ۱۹۹۳ء میں لاہور سے شائع ہوگئی ہے۔"

طاہر

خاں محمد علی خاں آف ہوتی

سابق مرکزی وزیرِ تعلیم، حکومتِ پاکستان، اسلام آباد

"اعلیٰ حضرت شمعِ اسلام میں محبت کا تیل ڈالنے میں ساری زندگی مصروف رہے ــــ عرب و عجم میں کئی تحریکیں اٹھیں جن کے فکری ڈانڈے، کہیں دور ــــ اسلام سے جُدا، بگڈنڈیوں سے ملتے تھے مگر دلنواز و نظر فریب نعروں سے ان افکار کو مسلمانوں کے سامنے پیش کیا جا رہا تھا ــــ حضرت بریلوی ایسی کسی تحریک سے متاثر نہیں ہوئے ــــ انہوں نے حقیقی اسلام کے درخشاں چہرے سے، سب غلط افکار کے پردے نوچ پھینکے ــــ اسلام اسی آب و تاب سے سامنے آیا، جس چمک دمک سے وہ دورِ نبوت، عہدِ خلافت اور دورِ مجتہدین سے ضیاپاشیاں کرتا آرہا تھا۔ محبت میں انہیں استغراقِ کلی حاصل تھا اور درِ مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو چھوڑ کر کسی دُنیا والے کے دروازے پر کبھی انہوں نے نگاہِ غلط انداز نہیں ڈالی۔ انہیں بھروسہ تھا تو اپنے آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی کرم گستریوں پر ــــ انہیں اعتماد تھا تو اپنے ہادی شاہد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بندہ پروریوں پر ــــ ان کی نگاہیں اٹھتی تھیں تو تجلیاتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ضوریزیوں کے سمیٹنے پر ــــ ان کا دل دھڑکتا تھا تو صرف رحمۃ للعالمین کی رحمت نوازیوں پر ــــ وہ علومِ مصطفےٰ کے گلشن کے بلبل تھے لہٰذا انہیں ہر طرف علمِ مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جلوے نظر آتے تھے اور نورِ مصطفےٰ کی نور بیزیاں نظر آتی تھیں ــــ عشقِ مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جو معیار وہ قائم فرما گئے، وہ متاخرین کے لئے منارِ نور ہے اور وہ سوز جو اپنے کلام میں بھر گئے۔ خدا جانے کب تک دلوں کو گرماتا اور وجدان کو تڑپاتا رہے گا۔"

(ہفت روزہ افق (کراچی) شمارہ ۶، فروری ۱۹۸۰ء، ص ۳۰)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

تقدیم

فاضل مصنّف علامہ کوکب نورانی ملک کی معروف و مشہور دینی شخصیت ہیں —— اُن کا چہرہ جاں نواز، اُن کی گفتگو دل افروز، اُن کی تقریر دل نشین، اُن کی تحریر دل پذیر —— وہ امامت و خطابت، تبلیغ و ارشاد، تصنیف و تالیف کے فرائض اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک حسن و خوبی سے انجام دے رہے ہیں۔ مولیٰ تعالیٰ اُن کے درجات کو بلند فرمائے اور اُن کی دینی خدمات کو قبول فرمائے۔ آمین!

پیشِ نظر کتاب "دیو بند سے بریلی تک" ایک اصلاحی کاوش ہے۔ جس کا مقصد قلب و نظر کی تطہیر ہے —— اس کا اصل محرک افریقی ممالک میں دینی مسائل پر مسلمانوں میں باہمی آویزش اور چپقلش ہے۔ جس کے دل آزار مناظر انہوں نے خود ملاحظہ فرمائے —— فاضل مصنّف کو یہ دیکھ کر دُکھ بھی ہوا اور حیرت بھی کہ اس لڑائی جھگڑے کی محور سرکارِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ قدسی صفات ہے —— ہر مذہب والا اپنے بانی اور قائد کی خوبیاں ہی خوبیاں بیان کرتا ہے۔ لیکن بعض نام نہاد مسلمانوں کی یہ بدبختی ہے کہ اُن کو حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت میں کوئی خوبی نظر نہیں آتی۔ خامیاں ہی خامیاں نظر آتی ہیں —— کبھی کوئی خوبی نظر بھی آتی ہے تو وہ بھی خامیوں کی نذر ہو جاتی ہے —— فاضل مصنّف نے اِن حقائق کا اظہار "پیش نوشت" میں کیا ہے —— انہوں نے یہ بڑی دل لگتی بات فرمائی ؛۔

"نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اُن کے اُمتی کا ناتا سب سے الگ ہے،
ہر دنیوی رشتے سے سوا ہے، یہ دماغ کا نہیں، دل کا معاملہ ہے"۔ (ص ۸)
بے شک دیدِ مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے دماغ نہیں دل چاہیئے
اور وہ بھی دلِ صد پارہ ـــــ جس حسنِ جہاں تاب کا نظارہ دل و جان سے کرنا
تھا، افسوس اُس کا نظارہ دماغ سے کیا گیا، چشمِ سر سے کیا گیا، چشمِ دل سے
نہ کیا گیا، اسی لئے نظر کچھ نہ آیا ـــــ دیکھنے والا عقل کی ظلمتوں میں بھٹکتا
رہا اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتا رہا ـــــ سچ تو یہ ہے کہ دماغ والوں اور دل والوں
میں بڑا فرق ہے ـــــ اُتنا ہی جتنا دل اور دماغ میں ہے
"پیش نوشت" میں عرضِ مدعا کے بعد اصل کتاب شروع ہوتی ہے ـــــ
ابتداء میں فاضل مصنف نے یہ حدیث پیش کی ہے ـــــ "جس نے لا الٰہ
الا اللہ محمد رسول اللہ کہا وہ جنت میں داخل ہوا" ـــــ بیشک یہ حدیث پاک
سچ و حق ہے مگر اس سے ہرگز یہ مقصود نہیں کہ صرف کلمہ پڑھ لینا کافی ہے
بلکہ عقیدۂ توحید و رسالت کے ساتھ ساتھ تمام متعلقات اور ضروریات کو دل
میں پیوست کرنا بھی ضروری ہے ـــــ ہمارے فکر و شعور پر اس کا چھا جانا
بھی ضروری ہے ـــــ فاضل مصنف کے خیال میں اصل چیز عقیدہ ہے
اور ضروریاتِ دین پر یقین ـــــ یہی ایمان کی اساس ہے اور اسی پر نجات
کا دار و مدار ـــــ انہوں نے اپنے مؤقف کی تائید میں مولانا اشرف علی تھانوی
کے ایک فتویٰ تکفیر کا حوالہ دیا ہے۔ مولانا تھانوی کے خیال میں مولانا شبلی نعمانی
اور مولانا حمید الدین فراہی کے عقائد فاسد ہوگئے تھے، اسی بنا پر انہوں نے
ان دونوں حضرات کی تکفیر فرمائی ـــــ تو عقیدہ مقدم ہے۔ علم و عمل بعد کی چیزیں
ہیں ـــــ فاضل مصنف کے نزدیک علمائے دیوبند سے اہلِ سنت و جماعت

کا اختلاف بھی عقائد سے متعلق ہے، گویا یہ اختلاف فروعی نہیں بنیادی ہے ـــــ انہوں نے علمائے دیوبند کے ایسے اقوال اور نگارشات کی نشاندہی کی ہے جن کی زد عقائد پر پڑتی ہے اور جن سے اختلاف کی سنگین نوعیت کا اندازہ ہوتا ہے ـــــ فاضل مصنف نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ تبلیغی جماعت کی نظریاتی بنیاد مولانا اشرف علی تھانوی کے افکار خیالات پر ہے، ظاہر ہے اسی صورت میں اہلِ سُنّت و جماعت کا عُلمائے دیوبند اور تبلیغی حضرات سے یکساں اختلاف ہے ـــــ بلکہ فاضل مصنف نے یہ ثابت کر کے اپنے قاری کو حیرت میں ڈال دیا کہ وہ علمائے دیوبند جو تبلیغی جماعت کے حامی و ناصر تھے اُس کے سخت خلاف ہو گئے۔ چنانچہ انہوں نے بانئ جماعت مولانا محمد الیاس کے جتم کے ساتھی مولوی عبدالرحیم شاہ صاحب دیوبندی اور مولانا محمد الیاس کے سالے مولوی احتشام الحسن صاحب کاندھلوی کے مندرجہ ذیل تاثرات پیش کئے ہیں۔ مولانا عبدالرحیم شاہ صاحب فرماتے ہیں :-

۱۔ جو کام اہلِ علم کا ہے وہ ایسے لوگ انجام دینا چاہتے ہیں جو نہ صرف دین سے ناآشنا ہیں بلکہ اپنی سفالت وجہالت اور اپنی بدکرداریوں کی وجہ سے معاشرے میں بھی کسی اچھی نگاہ سے نہیں دیکھے جاتے۔

(اصولِ دعوت و تبلیغ، ص ۴)

۲۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جماعت کا یہ تجزیہ مجبوراً بادلِ ناخواستہ کر رہا ہوں اور دینی تقاضا اور ضرورت سمجھ کر کیوں کہ جب اِن نابالغ مقتداؤں نے خطاب عام شروع کر دیئے، جن کی شرعاً اُن کو اجازت نہیں اور انہوں نے اس کام کی افضلیت پر حد سے تجاوز کیا اور دوسرے دینی شعبوں کی کھلم کھلا تخفیف شروع کر دی اور ذمہ داروں

کے بار بار توجہ دلانے کے باوجود ابتک اُن کو نہیں روکا یا وہ رُکے نہیں تو ایسی صورت میں ذمہ داری کی بات، ہے حقیقتِ حال واضح کی جائے، خواہ کوئی مانے یا نہ مانے۔

(اصولِ دعوت و تبلیغ، ص ۵۲)

مندرجہ بالا اقتباسات سے مندرجہ ذیل نتائج و نکات اخذ کئے جا سکتے ہیں:۔

۱۔ تبلیغی جماعت کے مبلّغین جاہل اور دین سے ناآشنا ہیں:۔

۲۔ تبلیغی جماعت کے لوگ بدکردار ہیں، معاشرے میں اچھی نگاہ سے نہیں دیکھے جاتے۔

۳۔ تبلیغی جماعت جاہل مبلّغین کو شرعاً خطاب کی اجازت نہیں

۴۔ تبلیغی حضرات، تبلیغ پر جتنا زور دیتے ہیں وہ حد سے بڑھا ہوا ہے۔

۵۔ تبلیغی جماعت کے ذمہ دار حضرات دوسرے دینی شعبوں کو کچھ نہیں سمجھتے یا کمتر سمجھتے ہیں۔

۶۔ علمائے دیوبند کی طرف سے بار بار توجہ دلانے کے باوجود اپنے کئے سے باز نہیں آتے۔

اِن نکات کی روشنی میں تبلیغی جماعت کی جو تصویر اُبھر کر سامنے آتی ہے وہ آپ کے سامنے ہے، تفصیل کی ضرورت نہیں — عبدالرحیم شاہ صاحب کے علاوہ مولانا احتشام الحسن کاندھلوی نے بھی تبلیغی جماعت کے طرزِ عمل پر بہ اظہارِ خیال فرمایا ہے:۔

۱۔ نظام الدین (بستی) کی موجودہ تبلیغ میرے علم و فہم کے مطابق نہ قرآن و حدیث کے موافق ہے اور نہ حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور علمائے حق کے مسلک کے مطابق ہے۔

جو علمائے کرام اس تبلیغ میں شریک ہیں اُن کی پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ اس کام کو پہلے قرآن و حدیث، آئمہ سلف اور علمائے حق کے مسلک کے مطابق کریں۔ (زندگی کی صراطِ مستقیم - ضروری انتباہ)

۲۔ میری عقل و فہم سے بہت بالا ہے کہ جو کام حضرت مولانا الیاس صاحب کی حیات میں اصولوں کی انتہائی پابندی کے باوجود صرف بدعتِ حسنہ کی حیثیت رکھتا تھا اُس کو اب انتہائی بے اُصولیوں کے بعد دُنیا کا اہم کام کس طرح قرار دیا جا سکتا ہے؟ —— اب تو مُنکرات کی شمولیت کے بعد اس کو بدعتِ حسنہ بھی نہیں کہا جا سکتا —— میرا مقصد صرف اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہونا چاہیئے۔

مندرجہ بالا اقتباسات سے مندرجہ ذیل نکات اخذ کیئے جا سکتے ہیں۔

۱۔ تبلیغی جماعت کی محنت قرآن و حدیث کے موافق نہیں

۲۔ تبلیغی جماعت کی محنت حضرت مجدّد الف ثانی اور حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی اور علمائے حق کے مسلک کے مطابق بھی نہیں۔

۳۔ تبلیغی جماعت کا عمل ابتداء میں بدعتِ حسنہ کہا جا سکتا تھا لیکن اب جبکہ اس میں بہت سی خلافِ شرع باتیں داخل ہو گئی ہیں بدعتِ حسنہ بھی نہیں کہا جا سکتا یعنی بدعتِ سیئہ ہو گیا ہے

چشمۂ آفتاب کو مرتب کرنے والے عالم قمر الدین مظاہری اپنے پیش لفظ میں لکھتے ہیں:۔

"مولانا احتشام الحسن کاندھلوی اس تحریک کے بانیوں میں سے ہیں۔ انہوں نے حال ہی میں تبلیغی جماعت پر سخت تنقید کرتے ہوئے اس کو گمراہی کی طرف دعوت دینے والی جماعت قرار دیا ہے۔" (چشمۂ آفتاب، ص ۴)

غور فرمائیں جس جماعت کو "علمائے دیو بند گمراہی کی طرف دعوت دینے والی کہیں" وہ کیسی شدید گمراہی کی طرف لے جانے والی ہوسکتی ہے !

—— راقم بھی تبلیغی جماعت کے بارے میں اپنے ذاتی تجربات و مشاہدات قلمبند کر رہا ہے جس سے مولانا احتشام الحق کاندھلوی کے متذکرہ بالا فیصلے کی تصدیق و توثیق ہوتی ہے ——

بہر حال علمائے دیو بند اور تبلیغی جماعت میں اختلاف کے باوجود دونوں فکری طور پر ہم آہنگ نظر آتے ہیں خصوصاً حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں علمائے دیو بند نے جو گستاخانہ عبارات تحریر کی ہیں تبلیغی حضرات اُن کی تائید کرتے ہیں ——

فاضل مصنف کے نزدیک علمائے دیو بند اور تبلیغی جماعت کے مبلغین کی مساعی اسلام اور شارع اسلام کے لئے ہرگز مؤثر اور مفید نہیں کیوں کہ دونوں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوبصورت اور دل آویز شخصیت کو مسخ کر کے پیش کرتے ہیں —— فاضل مصنف نے اِس حقیقت کو تمثیلی انداز سے سمجھانے کی کوشش کی ہے —— ذرا سوچیں ایک عالمی اجتماع میں سب ادیان والے جمع ہیں —— ایک ایک فاضل اپنے بانی مذہب کے محاسن بیان کرتا ہے —— پھر گستاخِ رسول کی نوبت آتی ہے وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معائب بیان کرتا ہے۔ پھر ایک عاشقِ رسول اُٹھ کر آپ کے وہ وہ محامد و محاسن بیان کرتا ہے کہ ہر مذہب والا حیران رہ جاتا ہے —— گستاخ رسول کی باتوں نے کسی پر کچھ اثر نہ کیا مگر عاشقِ رسول نے میدان جیت لیا —— اس تمثیل سے فاضل مصنف یہ بتانا چاہتا ہے کہ اگر دُنیا کے سامنے حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت

کو اس بھونڈے انداز سے پیش کیا جائے جس طرح گستاخانِ رسول پیش کرتے ہیں تو نہ دینِ اسلام پھیل سکتا ہے اور نہ مسلمانوں میں دین کی وہ حرارت باقی رہ سکتی ہے جو مقصود و مطلوبِ قرآن و حدیث ہے — فاضل مصنف کے خیال میں ہماری جملہ پریشانیوں اور تباہیوں کا اصل سبب دلوں سے حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و تعظیم کا نکل جانا ہے — بلاشبہ یہ سچ اور حق ہے۔ ؏

بمصطفٰے برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست!

علمائے دیوبند اور علمائے اہلِ سنت و جماعت کے اختلافات کا ذکر کرنے کے بعد فاضل مصنف سوال کرتے ہیں کہ آخر یہ جھگڑا ختم کیسے ہو؟ — ضرور ختم ہونا چاہیئے، لڑتے لڑتے برسوں ہو گئے — اس کا آسان حل یہی ہے کہ جن لوگوں نے گستاخیاں کی ہیں اُن کو کافر سمجھتے ہوئے اُن سے الگ ہو کر ہم سب سلف صالحین کے نقشِ قدم پر متحد و متفق ہو جائیں — یہ کوئی مشکل نہیں، ناموسِ مصطفٰے کے لیے سب کچھ قربان کر دینا چاہیئے — لیکن ہزار کوششوں کے باوجود ایسا نہیں ہوتا — کیوں؟ — فاضل مصنف نے اس کی وجوہات بتاتے ہوئے ماضی کا سرسری جائزہ لیا ہے — جو یہود و نصاریٰ حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم سے خفا تھے وہ دل سے مسلمان نہیں ہوئے تھے، سارا کیا کرایا انہیں کا ہے — اُنہیں میں ایک یہودی عالم عبداللہ بن سبا تھا جو مسلمان ہو گیا تھا، مگر اُس نے وہ وہ کام کیئے جو کوئی کافر و مشرک بھی نہیں کر سکتا — منافقین خواہ اُس دور کے ہوں یا اِس دور کے، سب کا رشتۂ فکر انہیں باغیوں سے ملتا ہے جو ناموسِ مصطفٰے کے دشمن ہیں —

فاضل مصنف کے نزدیک۔ ان باغیوں، سرکشوں، گستاخوں کی نشاندہی سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی فرمادی —— حدیثِ مبارک کو غور سے پڑھیں، اپنے چاروں طرف دیکھیں، اپنے طرزِ عمل اور فکر و خیال کا جائزہ لیں اور دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں سیدھے راستے پر چلائے —— سُنیے —— !

واقعہ یہ ہوا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لشکرِ اسلام میں مالِ غنیمت تقسیم فرما رہے تھے، ایک شخص حرقوس بن زہیر جسے ذوالخویصرہ کہا جاتا تھا، کہنے لگا:۔

—— "یا رسول اللہ! آپ نے عدل نہیں کیا"

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس گستاخ و بے ادب کی گردن مارنے کی اجازت چاہی، سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت نہ دی اور ذوالخویصرہ سے مخاطب ہو کر فرمایا:۔

"میں اللہ کا نبی ہوں، اگر میں عدل نہیں کروں گا تو اس روئے زمین پر مجھ سے بڑھ کر عدل کرنے والا کون ہو گا؟"

آپ نے غور فرمایا، حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابۂ کرام کس بے تکلفی سے دل کی بات کہدیا کرتے تھے مگر جب وہ بے تکلفی گستاخی و بے ادبی تک پہنچی تو پھر وہ صحابی، صحابی نہ رہا، گستاخ و بے ادب ہو گیا جس کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ یہ ہے کہ اُس کی گردن مار دی جائے —— پھر یہ بھی غور فرمائیں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالخویصرہ کی کڑوی بات کو کس خندہ پیشانی سے برداشت فرمایا اور اُس کو اِس کڑوی بات کا نہایت میٹھا جواب عنائت فرمایا —— لیکن

اس کے بعد سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہِ مبارک مستقبل کا ایک ایک پردہ اٹھا کر ہم کو خبردار کرتی ہے۔ جو یہ کہتا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو (معاذ اللہ) دیوار کے پیچھے کا بھی علم نہیں، وہ دیکھے کہ آپ کی نظر کہاں تک دیکھ رہی ہے ——— سنیئے ——— آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مخاطب ہو کر فرمایا:-

"یہ ابھی زندہ رہے گا، اس کی نسل سے لوگ نکلتے رہیں گے"

پھر ذوالخویصرہ کی نسل کی نشانیاں بیان فرمائیں، اِن نشانیوں کو ذرا غور سے پڑھیں اور پھر دیکھیں کہ یہ کہاں کہاں پائی جاتی ہیں، ایسے لوگوں سے خود بچیں اور دوسرے مسلمان بھائیوں کو بچائیں ——— اب یہ نشانیاں ملاحظہ فرمائیں:-

۱- یہ لوگ سروں پر بال نہیں رکھیں گے (یعنی سر منڈواتے رہیں گے)

۲- پاجاموں اور شلواروں کے پائینچے، ٹخنوں سے بہت اونچے رکھیں گے ———

۳- لمبی لمبی نمازیں پڑھیں گے کہ دوسرے لوگ اُن کی نمازوں کو دیکھ کر اپنی نمازوں کو حقیر سمجھیں گے ———

۴ یہ قرآن عمدگی سے پڑھیں گے مگر قرآن اُن کی زبانوں پر ہوگا، اُن کے حلق سے نیچے نہیں اُترے گا ———

۵ زبانیں شکر جیسی میٹھی ہوں گی مگر دل بھیڑیوں سے زیادہ سخت اور بُرے ہوں گے ———

۶- صورت شکل سے بڑے نیک معلوم ہوں گے مگر دین سے اسطرح نِکلے ہوئے ہوں گے جس طرح تیر اپنے شکار سے نِکل جاتا ہے۔

۷۔ یہ لوگ خود بُرے ہوں گے اور بُرائی ہی پھیلائیں گے ———
آپ نے یہ نشانیاں ملاحظہ فرمائیں جو مخبرِ صادق حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم نے چودہ سو برس پہلے ارشاد فرمائیں ——— اہلِ سنت وجماعت سے کٹنے والے ہر فرقے میں آپ اِن نشانیوں میں سے کوئی نہ کوئی نشانی ضرور پائیں گے ——— پھر ایک نشانی اور ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے جس کی نشاندہی فرمائی ہے اور وہ یہ کہ ایسی قرآنی آیات جو بُتوں اور کُفار ومشرکین سے متعلق ہیں۔ اُن کو مسلمانوں پر چسپاں کیا جائے گا گویا یہ آیات انہیں کے لئے اُتری ہیں۔ ایسے لوگوں کو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بدترین خلائق قرار دیا ہے، سُنیئے وہ کیا فرماتے ہیں:۔

" مخلوقِ الٰہی میں سب سے بُرے وہ لوگ ہیں جو کافروں اور مشرکوں کے بارے میں نازل ہونے والی آیتیں مسلمانوں پر چسپاں کرتے ہیں "

اس معیار کو سامنے رکھ کر باطل فرقوں کو پہچاننا آسان ہو جائے گا۔ جمعۃ المبارک کے خطبات اور عام تقریروں میں بعض حضرات یہی کرتے ہیں اور اُن کو نہیں معلوم کہ وہ اپنے اس عمل سے بدترین خلائق میں شمار کئے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ایسے لوگوں سے محفوظ رکھے۔ آمین!
دورِ جدید کے مسلمان نوجوان اِس اخلاقی کشمکش سے کچھ گھبرائے ہوئے معلوم ہوتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ ہم کدھر جائیں؟ ——— جو کچھ عرض کیا اُس کی روشنی میں منزل کا تعین کرنا آسان ہو جائیگا ——— فاضل مصنف نے خوب فرمایا کہ ہم اُدھر جائیں جدھر محبت ہی محبت ہو ——— سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت، اہلِ بیت اطہار سے محبت، ازواج

مطہرات سے محبت، صحابۂ کرام سے محبت، تابعین سے محبت، تبع تابعین سے محبت، محدثین و فقہا سے محبت، اہل اللہ سے محبت، علمائے حق اور مشائخ کرام سے محبت ——— غرض جس راہ میں محبت کے پھول بکھرے ہوں، اُسی راہ پر چلیں اور اُس راہ سے بچیں جہاں خار ہی خار ہوں، کانٹے ہی کانٹے ہوں ——— مولیٰ تعالیٰ ہمارے دلوں کو محبت سے آباد رکھے اور حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی محبت عطا فرمائے جس کے آگے دُنیا کی ساری محبتیں ہیچ ہو جائیں۔ آمین بجاہ سید المرسلین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وازواجہٖ واصحابہٖ وسلم ؎

اس دور کی ظلمت میں ہر قلب پریشاں کو
وہ داغِ محبت دے جو چاند کو شرمائے

آمین

احقر

محمد مسعود احمد
پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج اینڈ پوسٹ
گریجویٹ اسٹڈیز سنٹر سکھر (سندھ)

۲۱ ذوالحجہ ۱۴۱۲ھ
۲۳ جون ۱۹۹۲ء

مطہرات سے محبت، صحابہ کرام سے محبت، تابعین سے محبت، تبع تابعین سے محبت، محدثین و فقہا سے محبت، اہل اللہ سے محبت، علمائے حق اور مشائخ کرام سے محبت۔ ـــــ غرض جس راہ میں محبت کے پھول بکھرے ہوں، اُسی راہ پر چلیں اور اُس راہ سے بچیں جہاں خار ہی خار ہوں، کانٹے ہی کانٹے ہوں ـــــ مولیٰ تعالیٰ ہمارے دلوں کو محبت سے آباد رکھے اور حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسی محبت عطا فرمائے جس کے آگے دُنیا کی ساری محبتیں ہیچ ہو جائیں۔ آمین بجاہ سید المرسلین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وازواجہ واصحابہ وسلم ؎

اس دور کی ظلمت میں ہر قلب پریشاں کو
وہ داغِ محبت دے جو چاند کو شرمائے

آمین

احقر

محمد مسعود احمد
پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج اینڈ پوسٹ
گریجویٹ اسٹڈیز سنٹر سکھر (سندھ)

۲۱ ذوالحجہ ۱۴۱۲ھ
۲۳ جون ۱۹۹۲ء

سنّدات

علمی نوادر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم

امام احمد رضا کے تلامذہ اور خلفاء پاک وہند کے گوشے گوشے میں پھیلے ہوتے ہیں۔ رفتہ رفتہ اُن کے آثار مل رہے ہیں اور اسلامی تاریخ کے ایک اہم باب میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے ــــــ ۱۹۹۰ء میں سکھر (سندھ) میں قیام کے دوران محترم مولانا حافظ محمد رفیق صاحب قادری زیدعنایتہٗ (مہتمم دارالعلوم جامعہ العلوم مصطفےٰ، سکھر) نے فرمایا کہ ایک دستاویز ان کے علم میں بھی ہے جو اُن کے اُستادِ گرامی مولانا عبدالغفور علیہ الرحمہ کے گھرانے میں محفوظ ہے تلاش کرکے مہیا کرنے کا وعدہ فرمایا ــــــ پھر ۲۲ جون ۱۹۹۲ء کو یہ وعدہ پورا ہوا اور موصوف کے صاحبزادے برادرم مفتی محمد عارف صاحب سعیدی زید مجدہٗ اور مکرمی مفتی محمد ابراہیم زیدعنایتہٗ یہ دستاویز لے کر غریب خانے پر تشریف لائے اور اس کے عکس عنایت فرمائے۔ فجزاھما اللہ احسن الجزاء ــــــ

دستاویز کے مطالعہ کے بعد معلوم ہوا کہ یہ دو سندیں ہیں جن کا تعلق پاکستان کے مولانا عبدالغفور شاہ پوری سے ہے۔ ایک سندِ تکمیل ہے جو ۶ ذی الحجہ ۱۳۳۰ھ کو جاری کی گئی، دوسری سند خلافت واجازت ہے جس پر کوئی سنہ نہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ سند تکمیل کے بعد ہی جاری کی گئی ہوگی ــــ

بقول برادرم مفتی محمد عارف سعیدی اور مفتی محمد ابراہیم قادری زید عنایتہما (سکھر، سندھ) مولانا محمد عبدالغفور شاہ پوری علیہ الرحمہ کا تعلق سُنّی گھرانے سے تھا۔ والدِ ماجد قاضی محمد عبدالحکیم شاہ پوری علیہ الرحمہ نے تحصیلِ علم کے لیے دارالعلوم دیوبند بھیج دیا —— غالباً اس وقت تک علاقہ شاہ پور (پنجاب پاکستان) کے سُنّی حضرات کو دارالعلوم دیوبند کے مفاسد کا علم نہ تھا —— بہرحال جب مولانا عبدالغفور صاحب دیوبند سے فارغ ہونے کے بعد شاہ پور تشریف لائے تو اُن کے والد ماجد نے محسوس کیا کہ مولانائے موصوف سلفِ صالحین کی راہ سے ہٹ گئے ہیں۔ چنانچہ وہ صاحبزادے کو بریلی شریف لے گئے تاکہ وہ شکوک و شبہات رفع کرائے جائیں جو دارالعلوم دیوبند میں پیدا کر دیئے گئے تھے۔ بریلی شریف میں پہلے حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں صاحب اور مولانا محمد امجد علی اعظمی سے ملاقات ہوئی (سندِ تکمیل سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا محمد عبدالغفور صاحب نے ان حضرات سے بعض کتابیں بھی پڑھی تھیں) اِن دونوں حضرات سے ملاقات کے بعد جب امام احمد رضا کی خدمت میں حاضر ہوئے تو سارے شکوک و شبہات حرفِ غلط کی طرح مٹ گئے ——

جیسا کہ عرض کیا گیا کہ یہ دو سندیں ہیں —— پہلی سندِ تکمیل ہے جو ۶ ذی القعدہ ۱۳۳۰ھ کو جاری کی گئی۔ اس میں مولانا کا نام اس طرح لکھا ہوا ہے:۔

"العالم العامل والفاضل والفاسل المولوی عبد الغفور بن القاضی عبد الحکیم المتوطن پنجہ ضلع شاہ پور"

آخر میں اِن الفاظ کے ساتھ حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں صاحب کی تصدیق ہے:

"انا مصدق لذلك واللہ خیر مالک"

اور حجۃ الاسلام کی مہر بھی ہے — پھر ان الفاظ کے ساتھ مولا
محمد امجد علی اعظمی کی مہر بھی ہے:

"قد قراء من بعض الکتب درسیہ"

دوسری سند میں امام احمد رضا نے تمام سلاسل طریقت میں اجازت
خلافت مرحمت فرمائی ہے — اس سند میں مولانا محمد عبدالغفور علیہ الر
کو ان القاب کے ساتھ یاد کیا گیا ہے:

"برادرِ یقینی، صالح سعید، مفلح رشید، فاضل حمید، حسن الشمائل،
محمود الخصائل، راغب الی اللہ الغفور الشکور قاری حافظ مولوی
محمد عبدالغفور ابن مولوی حافظ قاری محمد عبدالحکیم شاہ پوری نور
بالنور المعنوی والصوری" الخ

اس سند پر آخر میں امام احمد رضا کے دستخط اور مہر بھی ثبت ہے۔ ا
کے علاوہ مولانا محمد امجد علی اعظمی، مولانا حامد رضا خاں صاحب، مفتی
مصطفےٰ رضا خاں صاحب اور دار العلوم منظر اسلام (بریلی شریف) کی
مہریں ہیں —

اسی سند کے ساتھ تیسری سندِ حدیث ہے جو مولوی بشیر احمد صاحب
عنایت کی ہے۔ آخر میں حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خاں صاحب نے ان
کے ساتھ دستخط فرمائے ہیں:

"وانا علی ذلک من الشاھدین" —

آئندہ صفحات پر آپ ان دونوں بلکہ تینوں نادر و نایاب سندوں کی
ملاحظہ فرمائیں۔ راقم السطور ادارہ تحقیقاتِ امام احمد رضا (کراچی)

جملہ اراکین محترم مولانا حافظ محمد رفیق صاحب، برادرم مفتی محمد عارف سعیدی صاحب اور مولوی بشیر احمد صاحب کے تہہ دل سے ممنون ہیں کہ انہوں نے یہ علمی نوادر عطا فرمائے ـــــــ

فجزاھما اللہ احسن الجزاء

رُوداد

اظہار الحق الجلی

گزشتہ ۲۵ سال سے مسلسل تحقیق کے باوجود امام احمد رضا کے بعض سوانحی اور فکری گوشے اب تک پوشیدہ ہیں۔ حال ہی بزم فیضانِ رضا (بمبئی) نے ایک کتاب ——— اظہار الحق الجلی (۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء) ارسال کی ہے۔ یہ کتاب اصل میں ایک مقدمہ کی روئداد ہے جو ۷۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ مقدمہ مسجد ڈومراول (غالباً واقع شہر آرہ، بھارت) کے سلسلے میں محکمہ صاحب جج بہادر شہر آرہ کی عدالت میں دائر کیا گیا۔ مقدمہ کی کاروائی ۱۷/جون ۱۹۰۳ء کو بذریعہ کمیشن کے ذریعہ ہوئی۔ امام احمد رضا مدعا علیہم کی طرف سے اس مقدمہ کے گواہ تھے عدالت کی جانب سے سوال کئے گئے جس کے امام احمد رضا نے جوابات دیئے۔ یہ سوالات و جوابات صفحہ ۸ تا ۲۳ تک پھیلے ہوئے ہیں ——— پھر ان جوابات پر جرح کی گئی، جرح کے سلسلے میں ۱۳۷ سوالات و جوابات ہوئے جو صفحہ ۲۴ سے صفحہ ۶۹ تک پھیلے ہوئے ہیں ——— یہ روئداد عرصہ ہوا سید شاہ اولاد رسول محمد میاں قادری نے ۱۳۴۷ھ میں شائع کرائی تھی۔ اب موصوف کے پوتے سید شاہ آلِ رسول حسنین قادری نے شائع کرائی۔ اس روئداد سے امام احمد رضا کے بہت سے سوانحی اور فکری گوشوں پر روشنی پڑتی ہے۔ اس لئے رضویات پر کام کرنے والوں کے لئے یہ اہمیت سے خالی نہیں۔

استاذ الاساتذہ علامہ عطا محمد بندیالوی

بندیال، ضلع سرگودھا (پاکستان)

"حضرت بریلوی قدس سرہ نے ایک ہزار کے لگ بھگ تصانیف ارقام فرمائیں اور بیس مسئلے پر قلم اٹھایا، اسے منقح کر کے چھوڑا۔ ان تمام تصانیف کا سرتاج اردو ترجمۂ قرآن پاک کنز الایمان ہے۔ جس کی نظیر نہیں ہے اور اس ترجمہ کا مرتبہ اسی کو معلوم ہوتا ہے جس کی اعلیٰ درجہ کی تفاسیر پر نظر ہے۔ اس ترجمۂ مبارک میں مفسرین کا اتباع کیا گیا ہے اور جن مشکلات اور ان کے حل مفسرین نے صفحات میں جا کر بمشکل بیان فرمائے ہیں، اس محسنِ اہلِ سنت نے اس ترجمہ کے چند الفاظ میں کھول کر رکھ دیا ہے۔"

(پیغاماتِ یوم رضا، ص ۴۴)

فاضل جلیل علامہ مفتی محمد مکرم احمد

(شاہی امام مسجد جامع فتحپوری، دہلی)

"انیسویں صدی کے نصف آخر میں اللہ تعالیٰ نے دین متین کی حفاظت اور خدمت کے لئے بھارت کے بریلی شہر میں ایک عظیم عبقری شخصیت کو پیدا فرمایا جس کو آج کی دنیا امام احمد رضا کے نام نامی سے یاد کرتی ہے۔"

(ہفت روزہ نجوم (نئی دہلی)، امام احمد رضا نمبر دسمبر ۱۹۸۸ء، ص ۳، ک ۱)

جسٹس قدیرالدین احمد

(سابق چیف جسٹس سندھ ہائی کورٹ اور گورنر سندھ)

" جس قسم کی ذہانت، طباعی، حافظہ، علم اور تبحر اعلیٰ حضرت کو حاصل تھا وہ کوئی معمولی بات نہیں، بلکہ ایک نایاب چیز تھی "

(خطبۂ صدارت امام احمد رضا کانفرنس، منعقدہ کراچی ۱۹۸۲ء)

جسٹس ڈاکٹر مفتی سید شجاعت علی قادری

(جج شریعت کورٹ اسلامیہ جمہوریہ پاکستان، اسلام آباد)

" اُس میں احمد بن حنبل اور شیخ عبدالقادر جیلانی کا سا زہد و تقویٰ تھا ــــ ابو حنیفہ اور ابو یوسف کی سی ژرف نگاہی تھی ــــ رازی و غزالی کا سا طرزِ استدلال تھا ــــ وہ مجدد الف ثانی اور منصور الحلاج کا اعلائے کلمۃ الحق کا یارا رکھتا تھا ــــ دشمنانِ اسلام کے لئے اشداء علی الکفار کی تفسیر اور عاشقانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے رحماء بینھم کی تصویر تھا ــــ "

(معارفِ رضا، کراچی، ۱۹۸۲ء، ص ۱۲۲)

علامہ سیّد محمد محدّث کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ

(پاک و ہند کے سحر بیاں مقرر، تحریکِ پاکستان کے ممتاز رہنما اور متبحر عالم)

"ایک دفعہ لکھنؤ کے ادیبوں کی شاندار محفل میں اعلیٰ حضرت کا قصیدۂ معراجیہ میں نے اپنے انداز میں پڑھا تو سب جھومنے لگے۔ میں نے اعلان کیا کہ اردو ادب کے نقطۂ نظر سے میں ادیبوں کا فیصلہ اس قصیدے کی زبان کے متعلق چاہتا ہوں تو سب نے کہا کہ اس کی زبان تو کوثر کی دُھلی ہوئی ہے۔"

(سید محمد محدث کچھوچھوی بحوالہ مجددِ اسلام۔ از نسیم بستوی۔ ص ۱۶۴)

جسٹس شمیم حسین قادری

(خطبۂ صدارت اجلاس یوم رضا، منعقدہ لاہور ۲ جون ۱۹۶۸ء)

"وہ عاشقِ رسول تھے اور یہی عشقِ رسول کا مسلک عام کرنے کی ضرورت ہے۔ ـــــ سرورِ کائنات کی محبت نہ صرف اس دُنیا میں ہماری مشکلات کا حل ہے بلکہ اگلی دُنیا میں بھی نجات کا باعث ہے۔"

(مقالات یوم رضا، حصہ دوم، ص ۱۰)

حضرت مسعودِ ملّت

اور

رِضویات

اشاریۂ اختصاص امام احمد رضا

۱۹۷۱ء تا مارچ ۱۹۹۳ء

۱۔ تصنیفات و تالیفات

نمبر شمار	عنوان	تاریخ تصنیف/ اشاعت	مقام اشاعت
۱۔	فاضل بریلوی اور ترک موالات	مطبوعہ ۱۹۷۱ء	مرکزی مجلس رضا، لاہور
۲۔	فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں	" ۱۹۷۳ء	" " " ، مبارکپور
۳۔	عاشقِ رسول	" ۱۹۷۶ء	" " " ، لاہور
۴۔	حیاتِ فاضل بریلوی	" ۱۹۷۸ء	مکتبہ قادریہ، لاہور
۵۔	مولانا احمد رضا خاں بحیثیت سیاستدان	" ۱۹۷۹ء	اسلام آباد
۶۔	مولانا احمد رضا خاں بریلوی	" "	لاہور، سیالکوٹ، اسلام آباد، بمبئی
۷۔	گناہ بے گناہی	" ۱۹۸۱ء	لاہور، کراچی، حیدرآباد سندھ، مبارکپور
۸۔	اکرام امام احمد رضا	" "	مرکزی مجلس رضا لاہور
۹۔	اُجالا	" ۱۹۸۳ء	لاہور، کراچی، حیدرآباد سندھ، مبارکپور
۱۰۔	امام احمد رضا اور عالمِ اسلام	" "	ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی
۱۱۔	امام احمد رضا اور حرکتِ زمین	" ۱۹۸۴ء	" " " "
۱۲۔	دائرۂ معارف امام احمد رضا	" ۱۹۸۴ء	" " " " "
۱۳۔	حیاتِ امام اہلِ سنت	" "	لاہور، کراچی، ساہیوال، مبارکپور
۱۴۔	رہبر و رہنما	" ۱۹۸۷ء	لاہور، کراچی، واہ کینٹ، دہلی
۱۵۔	حیات امام احمد رضا بریلوی	مؤلفہ "	غیر مطبوعہ
۱۶۔	غریبوں کے غمخوار	مطبوعہ ۱۹۹۰ء	لاہور، صادق آباد، کراچی، بمبئی

نمبر شمار	عنوان	تاریخ تصنیف / اشاعت	مقام اشاعت
۱۷-	سراج الفقہاء	مطبوعہ ۱۹۹۰ء	مرکزی مجلس امام اعظم، لاہور
۱۸-	امام احمد رضا اور علوم جدیدہ و قدیمہ	" ۱۹۹۰ء	" " " "
۱۹-	گویا دبستاں کھل گیا	" ۱۹۹۱ء	" " " "
۲۰-	امام احمد رضا اور عالمی جامعات	" "	لاہور، صادق آباد، کراچی، نئی دہلی

۲- انگریزی مقالات

۲۱-	THE NEGLECTED JENIUS OF THE EAST. (عبقری الشرق)	مطبوعہ ۱۹۸۱ء	لاہور، کراچی، کانپور، انگلستان، افریقہ

۳- انگریزی مضامین

۲۲-	مولانا شاہ احمد رضا خاں	اکتوبر/نومبر ۱۹۸۷ء	ماہنامہ دی مسیج انٹرنیشنل، کراچی
۲۳-	امام احمد رضا بریلوی	اگست ۱۹۸۸ء	ماہنامہ اسلامک ٹائمز انگلستان
۲۴-	امام احمد رضا اور مسئلہ اذان ثانی	۱۹۸۸ء	غیر مطبوعہ
۲۵-	ماہ و سال	ستمبر ۱۹۸۸ء	مجلہ معارف رضا، کراچی
۲۶-	کرانیکل آف امام احمد رضا	ستمبر ۱۹۹۰ء	مجلہ معارف رضا، کراچی

۴- مقالات برائے انسائیکلوپیڈیا

۲۷-	رضا بریلوی برائے انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (جلد دہم)	۱۹۷۵ء	پنجاب یونیورسٹی لاہور

نمبر شمار	عنوان	تاریخ تصنیف/ اشاعت	مقام اشاعت
۲۸-	رضا بریلوی برائے شاہکار اسلامی انسائیکلوپیڈیا	۱۹۷۶ء	لاہور
۲۹-	احمد رضا بریلوی برائے انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (سپلیمنٹ والیوم)	۱۹۸۲ء	پیرس (فرانس)
۳۰-	احمد رضا خاں بریلوی برائے انسائیکلوپیڈیا اسلامیکا فاؤنڈیشن	مئی ۱۹۹۰ء	تہران (ایران)
۳۱-	احمد رضا بریلوی برائے مجمع الملکی لبحوث الحضارۃ الاسلامیہ	مئی ۱۹۹۰ء	عمان اُردن

۵- تصانیف و مقالات کے تراجم

نمبر شمار	عنوان	مترجم	زبان	سنہ تالیف/ مقام تالیف
۳۲-	اُجالا	مولانا محمد عبدالرسول گمسی بلوچ قادری	سندھی	۱۹۸۷ء، کراچی
۳۳-	اُجالا	ایم خطاب	انگریزی	۱۹۸۷ء کراچی، انگلستان
۳۴-	اُجالا	پروفیسر عبدالقادر	"	۱۹۸۸ء کراچی
۳۵-	اُجالا		ہندی	اکتوبر ۱۹۹۱ء افکارِ حق اکیڈمی پورینہ بہار
۳۶-	حیاتِ امام اہلسنت	مولانا محمد عبدالرسول گمسی بلوچ قادری	سندھی	۱۹۸۷ء، کراچی
۳۷-	رہبر و رہنما	پروفیسر نگار عرفانی چشتی صابری	انگریزی	پاکستان، ہندوستان، افریقہ
۳۸-	رہبر و رہنما	پروفیسر عبدالقادر	"	۱۹۸۸ء کراچی

نمبر شمار	عنوان	مترجم	زبان	سنہ تالیف/مقام تالیف
۳۹-	گناہ بے گناہی	مولانا محمد مومن رضوی	سندھی	۱۹۸۸ء حصیر ضلع تھرپارکر سندھ
۴۰-	گناہ بے گناہی	پروفیسر عبد القادر	انگریزی	۱۹۹۰ء، کراچی
۴۱-	گناہ بے گناہی	سراج حسین ایڈووکیٹ	ہندی	اکتوبر ۱۹۹۱ء بریلی شریف
۴۲-	فاضل بریلوی اور ترک موالات	مولانا محمد مومن رضوی	سندھی	حصیر ضلع تھرپارکر سندھ
۴۳-	فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں	پروفیسر عبد الرشید	انگریزی	بھارت
۴۴-	احمد رضا خاں بریلوی	رضا اللہ عارف نوشاہی	فارسی	۱۹۹۱ء تہران (برائے انسائیکلوپیڈیا اسلامیکا فاؤنڈیشن)
۴۵-	احمد رضا خاں بریلوی	مولانا ممتاز احمد سدیدی	عربی	۱۹۹۱ء عمان (برائے مجمع الملکی لبحوث الحضارۃ الاسلامیہ)
۴۶-	علامہ احمد رضا خاں بریلوی	مولانا محمد عارف اللہ مصباحی	عربی	۱۹۹۱ء لاہور
۴۷-	احمد رضا خاں بریلوی	علامہ محمد نصر اللہ خاں	عربی	۱۹۹۱ء لاہور
۴۸-	الشیخ احمد رضا بریلوی		عربی	۱۹۹۱ء، کراچی
۴۹-	گویا دبستاں کھل گیا	پروفیسر زین الدین صدیقی	انگریزی	۱۹۹۲ء ڈربن (جنوبی افریقہ)
۵۰-	غریبوں کے غمخوار	جاوید اقبال نورانی	سندھی	۱۹۹۲ء ٹنڈو جام سندھ
۵۱-	رہبر و رہنما	الحاج خالد علی خاں	ہندی	بریلی شریف
۵۲-	رہبر و رہنما		انگریزی	چیٹس ورتھ (جنوبی افریقہ) ۱۹۹۲ء
۵۱-	حیات مولانا احمد رضا خاں بریلوی	پروفیسر رحمت اللہ	انگریزی	۱۹۹۳ء

۶۔ اخبارات و رسائل کے لئے مقالات و مضامین

نمبر شمار	عنوان	ادارہ	سنہ تالیف / مقام اشاعت
۵۴۔	فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں بریلوی	ماہنامہ ترجمان اہلِ سنّت	مارچ ۱۹۷۳ء کراچی
۵۵۔	تحریکِ پاکستان پر فاضل بریلوی کے اثرات	ماہنامہ فیض رضا	مارچ ۱۹۷۴ء فیصل آباد
۵۶۔	مولانا احمد رضا خاں بریلوی	روزنامہ آفاق	۲۷ اکتوبر ۱۹۷۴ء لاہور
۵۷۔	اعلحضرت فاضل بریلوی کی نعتیہ شاعری	روزنامہ المجاہد	۲۸ مارچ ۱۹۷۵ء کانپور
۵۸۔	حیات فاضل بریلوی	مشمولہ رسالہ "الاستمداد"	۱۹۷۶ء لاہور
۵۹۔	مولانا احمد رضا خاں کی تصانیف	روزنامہ جنگ	۱۲ فروری ۱۹۷۷ء کراچی
۶۰۔	مولانا احمد رضا خاں کے خلفاء	روزنامہ جنگ	۱۲ فروری ۱۹۷۷ء کراچی
۶۱۔	مولانا احمد رضا خاں بریلوی	روزنامہ جنگ	۱۲ فروری ۱۹۷۷ء کراچی
۶۲۔	مولانا احمد رضا خاں بریلوی	ہفت روزہ اُفق	۲۲ تا ۲۸ جنوری ۱۹۷۹ء
۶۳۔	جہانِ رضا	ماہنامہ ضیائے حرم	ستمبر ۱۹۷۹ء لاہور
۶۴۔	مقدمہ خیابانِ رضا	ماہنامہ رضائے مصطفےٰ	جنوری ۱۹۸۰ء گوجرانوالہ
۶۵۔	اعلیٰ حضرت احمد رضا خاں بریلوی	ہفت روزہ اخبارِ جہاں	۱۴ تا ۲۵ جنوری ۱۹۸۰ء کراچی
۶۶۔	احمد رضا خاں بریلوی	ماہنامہ فکر و نظر	اپریل، مئی، جون ۱۹۸۰ء اسلام آباد
۶۷۔	جدید و قدیم سائنسی افکار و نظریات اور امام احمد رضا	ماہنامہ اشرفیہ	اگست، ستمبر ۱۹۸۰ء مبارکپور

نمبر شمار	عنوانات	نام ادارہ	سنہ تالیف/مقام اشاعت
۶۸	جدید و قدیم سائنسی افکار و نظریات اور امام احمد رضا	معارفِ رضا	ستمبر ۱۹۸۰ء کراچی
۶۹	حیاۃ مبارکہ احمد رضا خاںؒ مشمولہ "۱۴ ویں صدی کے مجدد"		۱۹۸۰ لاہور
۷۰	امام احمد رضا کی فصاحت و بلاغت اور علمائے حرمین میں آپ کی مقبولیت	روزنامہ امن	۳ر جنوری ۱۹۸۱ء
۷۱	اعلحضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی	ماہنامہ دورِ جدید	فروری ۱۹۸۱ء
۷۲	عاشقِ رسول	ماہنامہ اشرفیہ	مارچ ۱۹۸۱ء مبارکپور
۷۳	نظریہ حرکتِ زمین اور اعلحضرت	ہفت روزہ الہام	۲۷-۳ مارچ ۱۹۸۱ء بہاولپور
۷۴	عالمی جامعات اور امام احمد رضا	معارف رضا	ستمبر ۱۹۸۲ء کراچی
۷۵	حیاۃ مبارکہ اعلحضرت	ماہنامہ قومی آواز	۸۳-۸۲ء دہلی
۷۶	اعلحضرت اور زبان عربی	ماہنامہ ضیائے حرم	جنوری ۱۹۸۳ء لاہور
۷۷	اعلحضرت امام احمد رضا خاں	ماہنامہ صبح نور	فروری ۱۹۸۳ء سیالکوٹ
۷۸	مولانا احمد رضا خاں بریلوی	روزنامہ انقلاب	جمعہ ایڈیشن ۱۹۸۴ء بمبئی
۷۹	حیاۃ امام احمد رضا مشمولہ "امام احمد رضا کی حاشیہ نگاری"		۱۹۸۴ء، کراچی
۸۰	اُجالا	ماہنامہ سُنّی دُنیا، بریلی	اکتوبر ۱۹۸۴ء تا مئی ۱۹۸۵ء
۸۱	امام احمد رضا اہل علم و دانش کی نظر میں	معارف رضا	ستمبر ۱۹۸۵ء کراچی

نمبر شمار	عنوان	نام ادارہ	سنہ تالیف / مقام اشاعت
۸۲-	ماہ وسال مشمولہ "امام احمد رضا اور اُن کے مخالفین"		۱۹۸۵ء پاکستان، ہندوستان انگلستان، افریقہ
۸۳-	کنز الایمان پر پابندی کیوں؟	ماہنامہ ترجمان اہلسنت	اکتوبر ۱۹۸۵ء چاٹگام (بنگلہ دیش)
۸۴-	مولانا احمد رضا خاں بریلوی	برائے ہجری کونسل	۱۹۸۶ء اسلام آباد
۸۵-	اعلیٰ حضرت امام احمد رضا	روزنامہ حریت	۳۱/ اکتوبر ۱۹۸۶ء کراچی
۸۶-	امام احمد رضا ایک نظر میں	معارف رضا	ستمبر ۱۹۸۶ء کراچی
۸۸-	رہبر و رہنما	ماہنامہ استقامت، کانپور	جون ۱۹۸۷ء
۸۹-	فتاویٰ رضویہ اور ڈاکٹر بلیان	معارف رضا	ستمبر ۱۹۸۷ء کراچی
۹۰-	امام احمد رضا ایک صاحب بصیرت مدبر و سیاستدان	ماہنامہ منہاج القرآن	اکتوبر ۱۹۸۷ء لاہور
۹۱-	امام احمد رضا ایک صاحب بصیرت مدبر و سیاستدان	منہاج القرآن	فروری ۱۹۸۸ء لاہور
۹۲-	حیات امام احمد رضا، ماہ وسال کے آئینے میں مشمولہ "عشق مصطفیٰ اور مولانا احمد رضا خاں بریلوی"		ستمبر ۱۹۸۸ء پشاور
۹۳	امام احمد رضا کے ماہ وسال	روزنامہ انقلاب	۳/ اکتوبر ۱۹۸۸ء، بمبئی
۹۴-	امام احمد رضا کی اصلاحی مہم	روزنامہ ہندوستان	۸/ اکتوبر ۱۹۸۸ء بمبئی
۹۵-	امام احمد رضا ایک نظر میں	"	"
۹۶-	اعلیٰ حضرت ایک نظر میں	روزنامہ اردو ٹائمز	۸/ اکتوبر ۱۹۸۸ء بمبئی
۹۷-	اعلیٰ حضرت کی دینی حمیت و سیاسی بصیرت	ہفت روزہ اخبار 'عالم'	۱۵/ اکتوبر ۱۹۸۸ء بمبئی

نمبر شمار	عنوانات	نام ادارہ	سنہ تالیف/مقام اشاعت
۹۸۔	حیات امام احمد رضا ماہ وسال کے آئینے میں مشمولہ "شعلۃ الارشاد"		۱۹۸۸ء لاہور
۹۹۔	ماہ وسال مشمولہ "پاک وہند میں تحریک احیائے اسلام		۱۹۸۸ء ڈربن (جنوبی افریقہ)
۱۰۰۔	امام احمد رضا، علمائے حرمین اور علمائے دیوبند	ماہنامہ قاری (امام احمد رضا نمبر)	اپریل ۱۹۸۹ء دہلی
۱۰۱۔	امام احمد رضا اور مولانا عبدالباری فرنگی محلی	معارفِ رضا	ستمبر ۱۹۸۹ء کراچی
۱۰۲۔	مولانا احمد رضا خاں بریلوی کے اصلاحی کارنامے	ماہنامہ زجاج	ستمبر اکتوبر ۱۹۸۹ء گجرات
۱۰۳۔	امام احمد رضا اور تجدید و اصلاح	ماہنامہ حجاز جدید	ستمبر اکتوبر ۱۹۸۹ء نئی دہلی
۱۰۴۔	امام احمد رضا خاں بریلوی،	ماہنامہ ماہ طیبہ	ستمبر ۱۹۹۰ء سیالکوٹ
۱۰۵۔	امام احمد رضا اور عالمی جامعات	ماہنامہ حجاز جدید	مئی جون ۱۹۹۱ء دہلی
۱۰۶۔	امام احمد رضا اور بدعات کا خاتمہ	ماہنامہ نور مصطفےٰ	جون ۱۹۹۱ء پٹنہ (بہار)
۱۰۷۔	امام احمد رضا کی نعتیہ شاعری کا تحقیقی جائزہ	مجلہ رضا کانفرنس	ستمبر ۱۹۹۱ء کراچی
۱۰۸۔	امام احمد رضا بریلوی	ماہنامہ نوائے انجمن	ستمبر ۱۹۹۱ء لاہور
۱۰۹۔	امام احمد رضا کے ماہ وسال	ماہنامہ حجاز جدید	نومبر ۱۹۹۱ء لاہور
۱۱۰۔	امام احمد رضا اور عالمی جامعات	ماہنامہ حجاز دہلی	مئی جون ۱۹۹۱ء دہلی۔
۱۱۱۔	گناہ بے گناہی	ماہنامہ اعلیحضرت بریلی شریف	ستمبر تا نومبر ۱۹۹۰ء

نمبر شمار	عنوان	نام ادارہ	سنہ تالیف/مقام اشاعت
۱۱۲-	اعلحضرت فاضل بریلوی	ماہنامہ فیضانِ مدینہ	اگست ۱۹۹۲ء، لاہور
۱۱۳-	امام احمد رضا اور عالمی جامعات	ماہنامہ حجاز جدید	اگست ۱۹۹۲ء نئی دہلی
۱۱۴-	امام احمد رضا اور عالمی جامعات	ماہنامہ رہنمائے دکن (امام احمد رضا نمبر)	۱۹۹۲ء حیدر آباد دکن

۷- تقدیمات

نمبر شمار	مصنف/مولف	عنوان	سن اشاعت	مقام تالیف
۱۱۵-	ملک شیر محمد اعوان	امام احمد رضا کی نعتیہ شاعری	۱۹۷۳ء	لاہور
۱۱۶-	مولانا عبدالحکیم شرف قادری	تذکرۂ اکابر اہل سنت	۱۹۷۷ء	لاہور
۱۱۷-	مولانا اختر الحامدی	امام نعت گویاں	۱۹۷۷ء	لاہور
۱۱۸-	مولانا محمد مرید احمد چشتی	جہان رضا (اول و دوم)	۱۹۷۷ء	لاہور
۱۱۹-	میاں محمد صادق قصوری	خلفائے اعلیٰ حضرت	۱۹۷۷ء	لاہور
۱۲۰-	مولانا محمد یسین اختر مصباحی	امام احمد رضا اور رد بدعات و منکرات	۱۹۷۸ء	
۱۲۱-	مولانا محمد مصطفیٰ رضا خاں	ملفوظات مجدد مائۃ حاضرہ	۱۹۷۷ء	لاہور
۱۲۲-	امام احمد رضا خاں بریلوی	دوام العیش فی الائمۃ من قریش	۱۹۷۹ء	لاہور
۱۲۳-	امام احمد رضا خاں بریلوی	حاشیہ رسالہ در علم لوگارثم	۱۹۸۰ء	کراچی
۱۲۴-	امام احمد رضا خاں بریلوی	فوز مبین در رد حرکت زمین	۱۹۸۳ء	کراچی

نمبر شمار	مصنف/مؤلف	عنوان	سنہ تالیف	مقام تالیف
۱۲۵۔	ڈاکٹر حسن رضا خاں	فقیہہ اسلام	۱۹۸۴ء	کراچی
۱۲۶۔	خواجہ انجم نظامی	امام احمد رضا دانشوروں کی نظر میں	۱۹۸۶ء	جہلم
۱۲۷۔	امام احمد رضا خاں بریلوی	الدولتہ المکیہ	۱۹۸۷ء	لاہور
۱۲۸۔	مولانا محمد صدیق ہزاروی	کنز الایمان تفاسیر کی روشنی میں	۱۹۸۸ء	لاہور
۱۲۹۔	محمد عبدالستار طاہر	کنز الایمان ارباب علم و دانش کی نظر میں	۱۹۸۹ء	(قلمی)
۱۳۰۔	پروفیسر فیاض احمد کاوش	مختصر سوانح امام اہلسنت امام احمد رضا	۱۹۹۰ء	صادق آباد
۱۳۱۔	مفتی محمد مکرم احمد دہلوی	فتاویٰ رضویہ اور فتاویٰ رشیدیہ کا تقابلی جائزہ		کراچی
۱۳۲۔	مولانا اقبال احمد اختری	شہزادۂ اعلیٰ حضرت	۱۹۹۰ء	کراچی
۱۳۳۔	خواجہ اشرف انجم نظامی	ثنائے مصطفےٰ در انداز امام احمد رضا	اکتوبر ۱۹۹۰ء	لاہور
۱۳۴۔	مولانا کوثر نیازی	امام احمد رضا بریلوی ایک ہمہ جہت شخصیت	نومبر ۱۹۹۰ء	کراچی
۱۳۵۔	ڈاکٹر لیاقت علی خاں نیازی	قرآن، سائنس اور امام احمد رضا	۱۹۹۰ء	جہلم
۱۳۶۔	امام احمد رضا خاں بریلوی	شذرات برائے کنز الایمان	نومبر ۱۹۹۱ء	واہ کینٹ
۱۳۷۔	مولانا اقبال احمد اختری	امام احمد رضا اور ڈاکٹر ضیاء الدین	نومبر ۱۹۹۱ء	کراچی
۱۳۸	علامہ عبدالحکیم شرف قادری	البریلویہ کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ	دسمبر ۱۹۹۱ء	لاہور
۱۳۹۔	بشیر حسین ناظم	تضمین پر تسکین بر سلام رضا	۱۹۹۲ء	اسلام آباد
۱۴۰۔	سید شاہد علی نورانی	امام احمد رضا بریلوی کی علمی خدمات — ایک جائزہ	۱۹۹۲ء	لاہور

نمبر شمار	مصنف/مولف	عنوانات	سنہ تالیف	مقام تالیف
۱۴۱۔	مولانا سید عبدالرحمٰن قادری لکھنوی	افسانۂ حرمین کا تازہ حلیہ	۱۹۹۲ء	
۱۴۲۔	مولانا کوکب نورانی	دیوبند سے بریلی تک	۱۹۹۲ء	لاہور
۱۴۳۔	مولانا محمد احمد مصباحی	جد الممتار کا تعارف	جولائی ۱۹۹۲ء	مبارکپور
۱۴۴۔	مولانا عبدالنعیم عزیزی	امام احمد رضا کی نثر نگاری	نومبر ۱۹۹۲ء	لاہور
۱۴۵۔	پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد	امام احمد رضا محدث بریلوی	جنوری ۱۹۹۳ء	لاہور
۱۴۶۔	مولانا اقبال احمد اختری	پردہ اٹھتا ہے	مارچ ۱۹۹۳ء	لاہور

۸۔ پیش لفظ

۱۴۷۔	مولانا محمد مرید احمد چشتی	خیابانِ رضا	۱۹۸۲ء	لاہور
۱۴۸۔	امام احمد رضا خاں بریلوی	شریعت و طریقت	۱۹۸۳ء	کراچی
۱۴۹۔	مولانا حسنین رضا خاں	سیرت اعلیٰحضرت (یادگار حسنین)	۱۹۸۳ء	کراچی، بریلی، ماریشس (افریقہ)
۱۵۰۔	پروفیسر محمد شکیل اوج	امام احمد رضا (کوئز)	۱۹۸۴ء	کراچی
۱۵۱۔	اعجاز اشرف انجم رضوی	افکارِ رضا	۱۹۸۵ء	لاہور
۱۵۲۔	پروفیسر محمد صدیق	پروفیسر حاکم علی	۱۹۸۶ء	لاہور
۱۵۳۔	صاحبزادہ محمد نور المصطفےٰ	ذکرِ رضا	ستمبر ۱۹۸۷ء	خانقاہ ڈوگراں
۱۵۴۔	مولانا صابر حسین شاہ بخاری	امام احمد رضا مخالفین کی نظر میں	۱۹۸۸ء	واہ کینٹ
۱۵۵۔	مولانا عبدالمجتبیٰ رضوی	تذکرۂ مشائخ سلسلۂ رضویہ	۱۹۸۸ء	بنارس، لاہور

۹- تبصرے

نمبر شمار	مصنف/مؤلف	عنوان	سنہ تالیف	مقام تالیف
۱۵۶-	مولانا محمد یٰسین اختر مصباحی	امام احمد رضا ارباب علم و دانش کی نظر میں	۱۹۷۷ء	الہ آباد
۱۵۷	مفتی شجاعت علی قادری	مجدد الامۃ	۱۹۷۹ء	کراچی
۱۵۸-	خلیل احمد رانا	انوار قطب مدینہ	۱۹۸۷ء	لاہور
۱۵۹-	مولانا عبد النعیم عزیزی	کلام رضا کے تنقیدی زاویے	۱۹۸۸ء	بریلی شریف

۱۰- مکاتیب

۱۶۰-	مولانا محمد یٰسین اختر مصباحی	مقدمہ امام اہلسنت	۱۹۸۱ء	الہ آباد
۱۶۱-	مولانا افتخار احمد قادری	مقدمہ گناہ بے گناہی	۱۹۸۱ء	الہ آباد
۱۶۲-	مولانا محمد یٰسین اختر مصباحی	ماہنامہ حجاز جدید	اگست ۱۹۸۸	نئی دہلی
۱۶۳-	مولانا محمد احمد مصباحی	ماہنامہ اشرفیہ	دسمبر ۱۹۸۸ء	مبارکپور
۱۶۴-	مولانا عبد النعیم عزیزی	ماہنامہ سنی دنیا	۱۹۸۸ء	بریلی شریف
۱۶۵-	مولانا عبد النعیم عزیزی	سنی دنیا	مارچ ۱۹۹۰ء	بریلی شریف
۱۶۶-	مولانا عبد المجتبیٰ قادری رضوی		جنوری ۱۹۹۰ء	بنارس

نوٹ :- مکاتیب کا تو ایک طویل سلسلہ ہے جس کی تفصیل یہاں محال ہے۔ "مکاتیب مسعودی" کے عنوان سے احقر اور علامہ اختر شاہجہان پوری کام کر رہے ہیں۔

۱۱۔ پیغامات

نمبر شمار	عنوان	مؤلف	سن تالیف	مقام تالیف
۱۶۷۔	برائے یوم رضا مرکزی مجلس رضا لاہور مشمولہ "پیغامات یوم رضا"	حاجی مقبول احمد قادری	۱۹۷۲ء	لاہور
۱۶۸۔	برائے مجلس مذاکرہ "فاضل بریلوی اور تخلیق نظریۂ پاکستان"	منعقدہ خالقدینا ہال	۲۹ مارچ ۱۹۷۴ء	کراچی
۱۶۹۔	برائے ماہنامہ مجلس رضا		فروری ۱۹۸۵ء	مانچسٹر (انگلستان)

۱۲۔ زیر نگرانی لکھے جانے والے مقالات

۱۷۰۔	یادگار حسنین	سید مظہر قیوم بی ایس سی	۱۹۸۴ء	کراچی
۱۷۱۔	کنز الایمان اور دیگر اردو تراجم	پروفیسر مجید اللہ قادری	۱۹۸۸ء	کراچی
۱۷۲۔	آئینۂ رضویات جلد اوّل	پروفیسر مجید اللہ قادری، سید وجاہت رسول قادری	۱۹۸۹ء	کراچی
۱۷۳۔	کنز الایمان ارباب علم و دانش کی نظر میں	محمد عبد الستار طاہر (غیر مطبوعہ)	۱۹۸۸ء	لاہور
۱۷۴۔	فتاویٰ رضویہ کی سیاسی اہمیت	پروفیسر اسحاق مدنی	۱۹۹۰ء	کراچی
۱۷۵۔	امام احمد رضا وادیٔ مہران میں	محمد اقبال احمد انصاری	۱۹۹۰ء	کراچی

نمبر شمار	عنوانات	مؤلف	سنہ تالیف	مقام تالیف
۱۷۶-	بریلوی تحریک ۱۸۷۰ء سے ۱۹۴۷ء تک	ڈاکٹر اوشا سانیال	۱۹۹۰ء	کولمبیا یونیورسٹی امریکہ
۱۷۷-	امام احمد رضا پر تحقیق کا آغاز و ارتقاء	پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کے نام کے مکتوبات کے آئینے میں (جلد اول)		
		محمد عبدالستار طاہر	متوقع ۱۹۹۴ء	کراچی
۱۷۸-	آئینہ رضویات (جلد دوم)	محمد عبدالستار طاہر	ستمبر ۱۹۹۳ء	کراچی

۱۳- زیر تدوین نگارشات

نمبر شمار	عنوانات	مؤلف	سنہ تالیف	مقام تالیف
۱۷۹-	حیات امام احمد رضا خاں بریلوی (بسیط سوانح)			کراچی

جسٹس شمیم حسین قادری

(خطبۂ صدارت اجلاس یوم رضا، منعقدہ لاہور ۲ جون ۱۹۶۸ء)

"وہ عاشقِ رسول تھے اور یہی عشقِ رسول کا مسلک عام کرنے کی ضرورت ہے۔
—— سرورِ کائنات کی محبت نہ صرف اس دُنیا میں ہماری مشکلات کا حل ہے بلکہ اگلی دُنیا میں بھی نجات کا باعث ہے۔"

(مقالاتِ یوم رضا، حصہ دوم، ص ۱۸)

مولانا اشرف علی تھانوی

(مسلک دیوبند کے نامور عالم)

"میرے دل میں احمد رضا کے لئے بے حد احترام ہے، وہ ہمیں کافر کہتا ہے لیکن عشقِ رسول (اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی بنا پر کہتا ہے، کسی اور غرض سے تو نہیں کہتا۔"

(۲۳ اپریل ۱۹۶۲ء ہفت روزہ چٹان لاہور)

مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم

(لاہور —— پاکستان)

"مولانا احمد رضا خاں کے علم و فضل کا میرے دل میں بڑا احترام ہے، فی الواقع وہ علوم دینی پر بڑی وسیع نظر رکھتے تھے اور ان کی فضیلت کا اعتراف ان لوگوں کو بھی ہے جو ان سے اختلاف رکھتے ہیں۔"

(مقالاتِ یوم رضا، حصہ دوم، ص ۶۰)

پروفیسر ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم

(اُستاد شعبۂ عربی، مُسلم یونیورسٹی، علی گڑھ)

" بیسوی صدی کے عالمِ اسلام میں امام احمد رضا کی شخصیت منفرد و نمایاں ہے۔ بہت کم نابغۂ روزگار شخصیتیں اُن کی صف میں کھڑی ہو سکتی ہیں۔ اگر کسی کو کسی فن میں اُن کے ساتھ مماثلت ہے تو کئی وجوہ سے وہ شخصیتیں اُن کمالات سے عاری ہوتی ہیں جن پر انہیں (مولانا احمد رضا خان کو) تفوق حاصل ہوتا ہے۔"

(معارفِ رضا، کراچی ۱۹۹۶ء، ص ۸۷)

جسٹس قدیر الدین احمد

(سابق چیف جسٹس سندھ ہائی کورٹ اور گورنر سندھ)

" جس قسم کی ذہانت، طباعی، حافظہ، علم اور تبحر اعلیٰ حضرت کو حاصل تھا وہ کوئی معمولی بات نہیں، بلکہ ایک نایاب چیز تھی۔"

(خطبۂ صدارت امام احمد رضا کانفرنس، منعقدہ کراچی ۱۹۸۲ء)

جناب منظور الحق

(جماعت اسلامی مہاراشٹر کے مشہور صحافی و قلمکار)

" جب ہم امام موصوف کی کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص اپنی علمی فضیلت اور اپنی عبقریت کی وجہ سے دوسرے علماء پر اکیلا ہی بھاری ہے۔"

(ماہنامہ حجازِ جدید (نئی دہلی)، جنوری ۱۹۸۹ء، ص ۵۴)

پروفیسر ڈاکٹر حنیف اختر فاطمی

(صدر شعبۂ ابلاغیات، لندن یونیورسٹی، لندن)

امام احمد رضا (م ۱۹۲۱ء) نے اسلامی نظریۂ تعلیم کی بہت ہی خوب تعبیر و توضیح پیش کی ہے جو اس موضوع پر قرآن حکیم کی تمام آیات کی اعلیٰ ترین تفسیر ہے اور اسلام کے قانونی، روحانی، سیاسی، مادی غرض تمام پہلوؤں کو سمجھنے کے لئے ایک بنیاد فراہم کرتی ہے ـــ میری یہ تصنیف (اسلام کا نظریۂ تعلیم جدید انگریزی میں امام احمد رضا کے اُن افکار و خیالات کا خلاصہ ہے۔ جن کی انہوں نے (الدولۃ المکیہ میں) وضاحت فرمائی ہے۔ (ترجمۂ انگریزی)

(ڈاکٹر حنیف اختر فاطمی: اسلام کا نظریۂ تعلیم، شائع کردہ مجلس رضا، اسٹاک رپورٹ، انگلستان، ص ۲)

جسٹس ڈاکٹر مفتی سید شجاعت علی قادری

(جج شریعت کورٹ اسلامیہ جمہوریہ پاکستان، اسلام آباد)

"اُس میں احمد بن حنبل اور شیخ عبدالقادر جیلانی کا سا زہد و تقویٰ تھا ـــ ابو حنیفہ اور ابو یوسف کی سی ژرف نگاہی تھی ـــ رازی و غزالی کا سا طرزِ استدلال تھا ـــ وہ مجدد الف ثانی اور منصور الحلاج کا اعلائے کلمۃ الحق کا یارا رکھتا تھا ـــ دُشمنانِ اسلام کے لئے اشداء علی الکفار کی تفسیر اور عاشقانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے رحماء بینھم کی تصویر تھا ـــ"

(معارفِ رضا، کراچی، ۱۹۸۲ء، ص ۱۲۲)

ڈاکٹر حسن رضا خاں

(ریسرچ اسکالر پٹنہ یونیورسٹی، پٹنہ، بہار)

فتاویٰ رضویہ کے مطالعہ کے دوران مجھے اعلیٰ حضرت کی شخصیت میں متعدد اصحابِ کمال کے چہرے نظر آئے ـــــ میں نے کھلی آنکھوں سے دیکھا کہ ـــــ

★ ـــــ اعلیٰ حضرت جب کسی مسئلے پر بحث کرتے ہیں تو ایک ایسے فقیہہ کی تصویر ابھر آتی ہے جو قوتِ اجتہاد، بصیرتِ فکر، ذہانت و تعقل اور علمی استحضار میں دور دور تک اپنا جواب نہیں رکھتا ـــــ

★ ـــــ مطالعہ کے دوران جب آگے بڑھے تو ایسا محسوس ہونے لگا کہ اب کسی فقیہہ کے سامنے نہیں بلکہ وقت کے ایک عظیم مؤرخ کے سامنے ہیں جو کسی مسئلے کی تنقیح کے سلسلے میں "تاریخ" کے مختلف مراحل پر بحث کر رہا ہے ـــــ

★ ـــــ پھر اور کچھ دور چلے تو دیکھا کہ وہی مؤرخ، ادب و لغت اور صرف و نحو کے ایک جلیل القدر امام کی حیثیت سے علم و فن کے جواہر ریزے بکھیر رہا ہے ـــــ

★ ـــــ کچھ اور آگے بڑھے تو مسئلے کے استنباط کے ذیل میں ایک حدیث زیرِ بحث آگئی، اب اُس کا قلم ایک عظیم محدث، ایک نکتہ رس نقاد اور جرح و تعدیل اور اصولِ حدیث کے ایک ماہرِ فن کی حیثیت سے حیرت انگیز تحقیقات کے دریا بہا رہا ہے۔

★ ـــــ اور چند اوراق الٹنے کے بعد تو حیران رہ گیا اور پہلی بار مجھ پر یہ حقیقت آشکار ہوئی کہ ایک فقیہہ صرف منقولات ہی پر حاوی نہیں ہوتا بلکہ علم طبعیات، علم الافلاک، علم ہندسہ، فلسفۂ کون و فساد، علم تشریح الابدان اور علم جغرافیہ کے اصول و جزئیات سے بھی ایک ماہرِ فن کی طرح باخبر ہوتا ہے۔

(ڈاکٹر حسن رضا خاں: فقیہہ اسلام، مطبوعہ الٰہ آباد ۱۹۸۱ء، ص ۱۲-۱۳)